

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَشْكُرَهُ لَوْلَا رَحْمَتُ اللَّهِ عَلَيْنَا لَفُتْنَا فِي الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

اخوتہ اربعین

ردِّ روافض

شیعہ کے چالیس سوالات کے جوابات

حضرت مولانا محمد رفیع اسلم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سوآتی مدظلہ العالی

بانی، مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم

گوجرانوالہ © پاکستان

إِنَّ الدِّينَ قَرْقَرٌ وَإِنْ شِئْنَا شِيعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (انعام)

اجوبہ العین

ردِّ روا فض

حصہ اوّل

از: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

— واز —

حضرت مولانا عبد اللہ انصاری سابق ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ کالج

— مقدمہ —

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی بانی مدرسہ نصرة العلوم کوہرانوالہ



ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نزد گھنٹہ گھر کوہرانوالہ

(حقوق طبع مع اضافات و حواشی بکن ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب _____ اجوبہ بار بلیس

مصنف _____ حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

مقدمہ _____ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

مصحح _____ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مولانا حافظ امجد صاحب، مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب، مولوی محمد اشرف صاحب

مطبع _____ فائن بکس پرنٹرز لاہور

تاریخ طباعت اول _____ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۱ء

سرودق _____ سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم لاہور

ناشر _____ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

تعداد _____ ۵۰۰

قیمت _____ **کد**

تاریخ طبع ثانی _____ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ، بمطابق دسمبر ۱۹۹۲ء

ملنے کے لئے

مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ



فہرس اجوبہ الربیعین حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰	الدلیل المحکم	۱۹	تقریظہ از مولانا محمد ناظر حسن
۴۰	لطائف قاسمی	۲۰	مقدمہ ۱۔ از مولانا عبد الحمید صاحب سواتی مظلوم
۴۰	جمال قاسمی	۲۳	حکمت قاسمیہ
۴۱	فیوض قاسمیہ	۲۵	اجوبہ الربیعین
۴۱	مصباح التراویح	۲۶	حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ
۴۲	الحق الصریح فی اثبات التراویح	۳۰	حجۃ الاسلام
۴۲	اسرار الطہارۃ	۳۱	تقریر و پذیر
۴۲	قصائد قاسمی	۳۱	انتصار الاسلام
۴۲	حاشیہ بخاری شریف	۳۲	قبلہ نما
۴۳	فتویٰ متعلق اجرت تعلیم	۳۳	آب حیات
۴۳	جواب ترکی ترکی	۳۶	تحدیر الانس من انکار اثر ابن عباسؓ
۴۴	ہدیۃ الشیخہ	۳۶	مناظرہ عجیبہ
۴۴	اجوبہ الربیعین	۳۷	مکاتیب حضرت نانوتویؒ
۴۴	اجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ	۳۸	تصفیۃ العقائد
۴۵	مکاتیب قاسمی	۳۸	اسرار قرآنی
۴۵	المحظ المقسوم من قاسم العلوم	۳۸	تحفہ حکیمہ
۴۶	دیباچہ طبع اول	۳۹	اقتبہ المؤمنین
۴۷	مقدمہ طبع اول - (سبب تالیف کتاب)	۳۹	میلہ خدائشی
۴۸	استاذ زاوہ کی تعظیم اور فرمانبرداری	۳۹	مباحثہ شہنشاہی پنور
۴۸	ضدی بہت دھرم کی اصلاح نہیں ہوتی۔	۴۰	توثیق الکلام فی الانصاف خلف الایمہ

۶۲	۴۹	تیسری حدیث	اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت تمامہ
۶۲	۴۹	چوتھی حدیث	اٹھائیس سوال دراصل ایک ہی سوال ہے
۶۳	۵۰	پانچویں حدیث	سب کا اجمالی جواب
۶۴	۵۱	چھٹی حدیث (۵ روایتیں)	صحابہ کرام کی تعریف میں چار واضح ترین آیات
۶۵	۵۱	ساتویں حدیث	پہلی آیت
۶۵	۵۱	آٹھویں حدیث	دوسری آیت
۶۵	۵۲	نہی حدیث	تیسری آیت
۶۶	۵۲	دسویں حدیث	چوتھی آیت
۶۷	۵۳	گیارہویں حدیث	صحابہ کرام کو نہ ماننے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے۔
۶۷	۵۴	بارہویں حدیث	حضرت مویٰ و حضرت عیسا السلام کے واقعہ میں مشاجرات صحابہؓ کے طعن کا ازالہ یقینی ہے صحابہ کرامؓ کی تعریف خدا نے قرآن میں بار بار کی
۶۷	۵۴	تیرھویں حدیث	
۶۸	۵۵	چودھویں حدیث	
۶۸	۵۶	پندرھویں حدیث	صحابہ و اہلبیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے
۶۹	۵۷	سولہویں حدیث	سوال اول از جانب شیعہ
۶۹		سترھویں حدیث	جواب
۷۱	۵۷	سیچھتھویں حدیث	افضلیت صدیق اکبرؓ پر دو قرآنی دلیلیں
۷۱	۵۹	اٹھارویں حدیث	حدیث سے صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر تین دلیلیں پہلی دلیل
۷۲		سوال دوم از جانب شیعہ	
۷۲	۶۰	جواب سوال دوم	دوسری دلیل
۷۲	۶۱	اہل حل و عقد کی تعریف	تیسری دلیل
۷۳	۶۱	حضرت امام حسینؓ و زین العابدینؓ کا مقام	جواب مولوی عبداللہ صاحب
۷۳	۶۱	دوستوں میں شکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔	پہلی حدیث
۷۳	۶۲	ایک مثال	دوسری حدیث

۸۶	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخصوص فضائل	۷۵	مذہب شیعہ کے اصول پر جواب
۸۷	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مخصوص فضائل	۷۵	تقیہ کے عذر لنگ کا ازالہ
۸۸	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث	۷۵	شیعوں کا تقیہ قرآن کے مخالفت ہے
۸۹	سوال ہفتم از جانب شیعہ	۷۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۸۹	جواب سوال ہفتم۔ روایات کی روایت شیعہ کے لیے مفید نہیں	۷۷	سوال سوم از جانب شیعہ
۹۱	دعاۓ نبوی سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے۔	۷۷	جواب سوال سوم
۹۱	حضورؐ کی البرکۃ کی احسان شناسی	۷۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۲	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۷۹	سوال چہارم از جانب شیعہ
۹۳	سوال ہشتم از جانب شیعہ	۷۹	جواب سوال چہارم
۹۳	جواب سوال ہشتم	۷۹	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۴	خوارج بدعتی تھے۔	۸۰	حمایت رسولؐ میں البرکۃ کی بہادری اور قتال
۹۵	شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں	۸۱	البرکۃ صدیقؑ کی غیرت ایمانی۔ درجہ حدیث محبوب سبحانی مع آیات قرآنی
۹۵	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب۔ حضرت البرکۃ صدیقؑ کا جہاد	۸۲	بعد از رسولؐ البرکۃ و عمرؓ ہی کفار کے دل میں کانٹا تھے۔
۹۷	سوال نہم از جانب شیعہ	۸۲	سوال پنجم از جانب شیعہ
۹۷	جواب سوال نہم۔ صحابہ کرامؓ افضل ترین امت محمدی ہیں۔	۸۲	جواب سوال پنجم
۹۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۸۳	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۸	عشرہ مبشرہ کا ذکر خیر	۸۳	سفر ہجرت میں حضرت البرکۃؑ کا ایشیا ضرب المثل ہے۔
۹۹	ہر مسلمان امت نبی میں داخل ہے۔	۸۴	البرکۃ صدیقؑ کی بڑے عاشق رسول تھے
۱۰۰	سوال دہم از جانب شیعہ	۸۴	حضرت البرکۃؑ خدا و رسولؐ کی شہادت صدیقؑ نہیں۔
۱۰۰	جواب سوال دہم و یازدہم	۸۵	کتب شیعہ سے صدیقؑ ہونے کا ثبوت
۱۰۱	اللہ تعالیٰ نے تو معاف کر دیا پر شیعہ نے نہ کیا۔	۸۶	سوال ششم از جانب شیعہ
۱۰۲	جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب۔ جنین میں ثلثہ قسم صحابہؓ	۸۶	جواب سوال ششم
۱۰۴	سوال یازدہم از جانب شیعہ	۸۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

۱۱۸	۱۰۴	جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب	حدیث ۱
۱۱۸	۱۰۴	ثابت قدمی کی فضیلت سنی مذہب میں ہے شیعہ مذہب میں نہیں	حدیث ۲
۱۱۹	۱۰۴	ایک شبہ کا ازالہ	حدیث ۳
۱۱۹	۱۰۵	سوال دوازدہم، سیزدہم از جانب شیعہ۔ بحث فک	حدیث ۴
۱۱۹	۱۰۵	جواب سوال دوازدہم و سیزدہم	حدیث ۵
۱۱۹	۱۰۵	حضرت صدیق حدیث صدقہ ترکہ کی وجہ سے معذور تھے	فائدہ دوازدہ
۱۲۰	۱۰۶	مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	سوال پانزدہم از جانب شیعہ
۱۲۰	۱۰۷	حضرت فاطمہؓ کا سوال بے خبری سے تھا	جواب سوال پانزدہم
۱۲۱	۱۰۷	حدیث من اغضبنا کا شان درود حضرت علیؓ کے حق میں ہے	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب - دسی
۱۲۱	۱۰۸	جواب سوال سیزدہم	ہونے کا دعویٰ حضرت علیؓ نے نہیں کیا۔
۱۲۲	۱۰۸	قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں	سوال شانزدہم از جانب شیعہ
۱۲۲	۱۰۹	دوبارہ نہ کھولنے کے مصالح	جواب سوال شانزدہم۔ خلافت کے لیے تین اہم اوصاف
۱۲۲	۱۱۱	جب کتاب اللہ سے حضرت عمرؓ کا مقصد تکلیف کی ہے پچانا تھا	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب۔
۱۲۲	۱۱۲	جواب سوال سیزدہم	فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط۔
۱۲۳	۱۱۳	جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب اٹا حکم کی کئی صورتیں ہیں	لائبل عہدی الظالمین سے شیعہ استدلال عصمت کا رد۔
۱۲۳	۱۱۳	حضرت علیؓ سے بظاہر کئی دفعہ عدول حکمی ہوئی۔	سوال ہفدہم از جانب شیعہ
۱۲۳	۱۱۴	سوال چہار دہم از جانب شیعہ	جواب سوال ہفدہم
۱۲۳	۱۱۴	جواب سوال چہار دہم شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایت	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۲۵	۱۱۵	حضرت علیؓ سے شیعہ کی محبت نصاریٰ جیسی ہے۔	سوال ہش دہم از جانب شیعہ
۱۲۵	۱۱۶	حضرت علیؓ کی صفات بعقائد شیعہ قرآن سنت میں نہیں	جواب
۱۲۵	۱۱۷	حضرت علیؓ کی وصایت و خلافت کا مطلب	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۲۷	۱۱۸	حضرت ابو بکر و عمرؓ کی مؤید خلافت احادیث	حدیث ثعلبیین میں تمکک عزت سے مراد ان کی محبت ہے
۱۲۷			سوال نوزدہم از جانب شیعہ

۱۲۷	جواب سوالی نوزدہم	۱۲۷	سوال بست وچہارم از جانب شیعو	۱۲۷
	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب		جواب سوال بست وچہارم	۱۲۸
	صحیحہ اہل سنت متمک بالقرآن اور محب اہل بیت ہیں		جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۱۲۸
	شیعہ عملاً ثقلین سے منحرف ہیں۔		حضرت علیہ السلام کی مسترد کردہ اشیاء	۱۲۸
	سوال بست از جانب شیعو		حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی۔	۱۲۹
	جواب سوال بست۔ ارادہ قتل پیغمبر کا صحابہ پر بہتان ہے		سوال بست وپنجم از جانب شیعو	۱۲۹
	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب		جواب سوال بست وپنجم۔ عدم تحریر سے اسلام میں	۱۳۰
	اس اہتمام میں بصیرت نبوی پر حملہ اور		رخنہ نہ پڑا۔ اہل مذہب شیعو مردود ثابت ہوا۔	۱۳۱
	آیت اطہار دین کا انکار ہے۔		جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۱۳۱
	سوال بست ویکم و بست دوم از جانب حاشیہ		سوال بست و ششم از جانب شیعو	۱۳۲
	جواب سوال بست ویکم		جواب سوال بست و ششم	۱۳۲
	جواب سوال بست دوم۔ علما اور کاہن انجمن سے خائف ہوتے ہیں		حضرت ابوبکرؓ نے اجازت لی	۱۳۲
	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب قصہ عقبہ اور حضرت خذلیفہؓ		دوسرا جواب	۱۳۳
	حضرت خذلیفہؓ کو منافقین کے نام اور علما کا کلیہ بتلائی تھیں		جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب۔ حبیش اسامہ کا اصل واقعہ	۱۳۵
	سوال بست سوم از جانب شیعو۔ بسند حدیث قرطاس		حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے طعن تحلف کا ازالہ	۱۳۵
	جواب سوال بست و سوم		سوال بست و ہفتم از جانب شیعو	۱۳۵
	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علیؓ کی رائے		سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب	۱۳۶
	حضرت عمرؓ کے موافق ہو گئی۔		جواب سوال بست و ہفتم	۱۳۶
	تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ		خلافت کا بوجہ اٹھانا کار نبوت کی تعمیل تھی۔	۱۳۶
	حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ادب و آرام کی خاطر یہ کہا		شیخین کا جانا ہی حضرت علیؓ و قریش	۱۳۷
	قلم و دوات لانا گھروالوں کا کام تھا۔		اور حجاز عربین کے لیے سود مند ہوا۔	۱۳۷
	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب		جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۱۳۸
	قرآن و سنت اور اہلبیت سے شیعہ کی محرومی		مسلمانوں کے لیے والی ناگزیر تھا	۱۳۸

۱۵۳	۴۲ سوالات از جانب اکمل الکمل افضل الفضل نجلہ الامام	اگر انتخاب غلط نہ ہو تو امت کا بڑا المیہ ہوگا
۱۵۴	جواب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب بخدمت علما اہل تشیع	سوال بہت ہوشم از جانب شیعوہ
۱۵۴	پندرہ سوالات از جانب مولوی عبداللہ صاحب	جواب سوال بہت ہوشم - اجماع کے لیے
۱۵۴	خط شکایت امیر غنشی شیخ احمد صاحب مع حال صفائی	بروقت تمام اہل حل و عقد کی حاضری ضروری نہیں
۱۵۵	عقیدہ خود بخواب مولوی عبداللہ صاحب -	کلامت کو اصولی ماننے سے سب دنیا کا فرطھرتی ہے
۱۵۶	خط مولوی عبداللہ صاحب بجواب خط غنشی شیخ احمد صاحب	کچھ دن بعد جمعیت کے حضرت علیؑ نے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا
۱۵۸	شیعہ تبراباز کا حکم	اعتذار و دفعائے مؤلف
۱۵۸	عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں -	اتماس بخدمت غنشی شیخ احمد صاحب
۱۵۹	اشعار طبع زار از مولوی عبداللطیف صاحب سندھ پوری	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۱۵۹	طالب علم مدرسہ عربیہ دیوبند ضلع سہارنپور	حضرت علیؑ کا لال و عتاب دوستانہ تھا
۱۶۱		مادہ تاریخ از مولوی عبداللہ صاحب

فہرست اجوبہ اربعین حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۷	حضرت امیر معاویہؓ و حضرت امیرؓ کا معاملہ	۱۸۰	پیش لفظ از مولانا عبدالحمید حسینی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم
۱۸۸	حضرت ہارون و موسیٰ علیہم السلام جیسا تھا	۱۸۱	عرض ناشر قدیم
۱۹۰	شیعہ کے متافی اسلام خصائص	۱۸۱	مولانا ناتوئیؒ کا تجربہ علمی
۱۹۰	شیعہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں	۱۸۲	سوال اول از جانب شیعہ
۱۹۰	شیعہ ائمہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں	۱۸۳	جواب سوال اول - ہندوستان میں شیعیت ایران کی بدولت پہنچی
۱۹۰	مذہب شیعہ کا بانی یسوی تھا	۱۸۳	شیعہ کی بدعہدی و مظالم
۱۹۱	سوال دوم از جانب شیعہ - شیعہ کے نزدیک	۱۸۵	اہل سنت حق چار یار کے قائل ہیں
	خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہو سکتی -	۱۸۶	ملک اور ملک کا لفظ قرآن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آیا ہے

جواب سوال دوم۔ امامت خلافت کا نبوت پر قیاس مع الفارق ہے

تقریر ام نص کی بجائے شری سے بھی ہوتا ہے۔

خلیفہ خاص کا تقریر نص میں ہونا چاہیے عقل و نقل کا یہی تقاضا ہے

خلفاء کے ساتھ ولیعہد کا برتاؤ حضورؐ نے فرمایا

لایزال عہدی الظالمین کا مطلب

جاءک للناس امام سے مراد پیشوائی نبوت ہے

آیت امامت کا بالمثل معارضہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ ثبت پرستی سے پاک تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ ان تمام صفات میں انبیاء کے بعد افضل الناس تھے

صدیقؓ کی انصافیت پر خدا کی گواہی

حضرت علیؓ کی گواہی

حضرت صدیق اکبرؓ میں یہ اوصاف کمال بدرجہ اتم پائے جاتے تھے

ایک عہد کا ازالہ

مشروع میں خلعت کی طرف ہر عہد کے لیے عیب نہیں

خلافت راشدہ کیلئے فتوحات و فتوحات ضروری تھیں

سوال سوم از جانب شیعہ۔ بحث متعہ

اہل سنت کا استدلال

شیعہ کی طرف سے جواب

جواب از اہل سنت و ابھاحت

حرم متعہ کی عقلی وجہ

نکاح کا اولین مقصد اولاد کی پیداوار ہے۔

ولد صالح باقیات صالحات میں سے ہے

۱۹۳

وقت واحد میں ایک ثبوت کے لیے زیادہ غاوند نہ کرنی چاہیے

۱۹۴

کائنات انسان کے لیے بنی اور ان بن عباد الہی کیلئے بنایا گیا

۱۹۵

کثرت اولاد سے کثرت امت پر حضور علیہ السلام فخر کریں گے

۱۹۵

عورت کیلئے بیک وقت تعدد نکاح کی ممانعت کی عقلی دلیل

۱۹۶

والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج و اخلاق پر پڑتا ہے

۱۹۷

حضرت مریمؑ کے پاس بشرین کو جبرئیلؑ کے آنے کی وجہ

۱۹۸

نسب و حمل میں اختلاط بھی تعدد زوج سے مانع ہے

۱۹۸

والمعت من النساء احسان کا فائدہ

۱۹۹

عدت بیوہ اور عدت مطلقہ میں فرق کی وجہ

۱۹۹

وفات کی عدت میں انتظار سے مقصود فقط ظہور حمل ہے

۲۰۰

طلاق کی عدت میں مقصود غاوند کی رضا بھی ہے

۲۰۱

عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت

۲۰۱

طلاق مغلطہ میں علم انتظار رضا زوج کے مشربہ کا ازالہ

۲۰۲

طلاق مغلطہ میں عدت کا فائدہ غاوند کو ناشکری

۲۰۳

کی سزا میں ذمہ داری کو فت میں مبتلا کرنا بھی ہے

۲۰۴

علت احسان سے متعہ حرام ہے۔

۲۰۵

وضع حمل سے پہلے حرمت نکاح کی حسی مثال

۲۰۶

حرمت متعہ کی وجہ شہوت رانی ہے

۲۰۷

ازدواجی عقل متعہ عدت کا متقاضی نہیں

۲۰۸

استبراء کا عذر لگنا مفید نہیں

۲۰۹

زن متعہ کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے۔

۲۱۰

باندی میں طلاق کی تجزی نہ ہونے کی وجہ

۲۱۱

حیض و طہر بذات خود قابل انقسام نہیں

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

معنی قرآن میں جتنی شافعی اختلاف اور علم ریاضی سے
اس کی وضاحت

استبراء بیک حیض اور عدت کامل کا فرق
استماع کا معنوم و مطلب

شیخ کے نزدیک متون نکاح سے افضل ہے۔

ان سے متون کے فضائل و اصل متون کے لیے ہیں
آیت قبیحہ ج کی طرح آیت فدا مستعمل سے بھی متون
عزیزان بالکل باطل ہے۔

قرأت شاذہ ابن مسعود کا محفل

لفظ احمد حسن یقین مدت کے بارے میں واقع ہونے
والے شبہ کا جواب

نکاح اور ملکیت میں ملک اصل ہے متون اور عاریت
میں صرف اخذ منافع

متون میں طلاق اور اعتاق نہیں ہوتا

متون و نکاح میں بیع کا شبہ بھی باطل ہے

منکوحہ میں بیع و شرا بہ اور عاریت کے اعتبار سے کیا کیوں نہیں؟

مقتدر الخیر تمام اشیاء میں قبضہ کی ملکیت حاصل ہوتی ہے

اسباب محرو ذریعہ و شراؤ وغیرہ انتقال ملک کا سبب
ہیں ذکر حدوث ملک کا

حرمت دبا کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ایک

طریقہ موقوف ملک نہیں پایا جاتا۔

بہرہ فاسدہ میں بھی رہا ہے

اجارہ عاریت امیراٹ اور وصیت میں بھی قبضہ پایا جاتا ہے۔

مال غنیمت میں بھی قبضہ علت ملک ہے

بدن کے واسطے سے اموال پر مدح کا قبضہ

ہوتا ہے اور جتنے سے بڑھ کر اموال نے قبضہ کے ملک علی ہائے

بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل

دوسری دلیل

غیر مختار اور مستغرق ہونے کا کیا غیر نافع ہو سکتا ہے

سے مسلمان کی ملکیت نہیں ہو سکتی

بدن اور مدح کے تعلق کی مثال

مدح کنارہ پر بوجہ ہائے بوجہ کے غلام

اور مدحی میں ملک آجاتی ہے۔

کتابت میں مملوک اپنے آپ کو غرق لیتا ہے

اجارہ کے اجراء کی بیع برحقہ ذیل ہائے نہیں

خدا نے تمام قوتوں کو مخلوق کے لیے صرف کرنے

کا حکم دیا لیکن عزت کو اپنے لیے مخصوص کر دیا

عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں

نکاح میں منافع کا مفاد ملک میں آجاتی ہے

ان قابل احترام منافع میں اجرت خود بخود

ثابت اور لازم ہو جاتی ہے

عورت کا تمام جسم حق شرم میں پابند ہونے کی

وجہ سے نان و نفقہ واجب ہے۔

مکہ کو منافع کے عوض ہونے کی وجہ سے

اجودھن فرمایا اَللّٰہُ فَعَنْہُ نَدْرَاہُ

نکاح میں منافع بالترقیہ اعیان کی

طرح پرست موجود ہوتے ہیں۔

سنگو میں حق حبس ہوتا ہے اور باغی میں حق ملک

اس لیے سنگو میں بیع و ہبہ کا اختیار نہیں

سنگو میں حق ملک کا منقول ہونا اور احصائی کا ضروری ہونا

بیع و شریکے مانع ہیں اور حق حبس کا قضا کرتے ہیں

حسن بالذات اور قبیح بالذات کے اوامر و نواہی

قابل تسخیر ہیں

تسخیر و تغیر میں پہچان آسان نہیں

صلت حکم کبھی ظاہر ہوتا ہے کبھی مخفی

احکام کو فسخ کرنا قدر مطلق کی شان ہے

فسخ احکام طبعی کے نسخہ بستے کی مانند ہیں

اجازت متو از قسم رخصت تھی از قسم نسخ نہیں تھی

عارض خارجہ کے نیچے احکام اصدیہ مستور ہو

الطہائے ہیں زانی اور فسخ نہیں ہوتے

مستعد کے عارضی طور پر مبدع ہونے کی صلت

اباحۃ متحدہ کی وقتی ضرورت اور وجہ

بالغرض مستحجاب ہوتا تو اہلسنت کے لیے جائز ہوتا

اجازت متحدہ ایسی ہی تھی جیسے حالت اضطراری میں ہار کھانے کی اجازت

اکل میت حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے اور سکر کو

یوم ارتضاع صلت جویشہ کیلئے فسخ کر دیا گیا ہے

روایات مذکورہ شیوخ کیلئے یہی ہدایت و ارشاد کا باعث ہیں

حاصل کلام

۲۵۸ حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کے فتاویٰ کی حیثیت

۲۵۹ حرمت منقرض است کا اجتماع ہے

۲۶۱ سوال چارم۔ بحث خذکہ و درشت انبیاء علیہم السلام

۲۶۲ جواب میراث کی بتائیں شرطوں پر ہے

۲۶۲ شرط اول۔ درشت کی روح کا اس کے جسم سے علاوہ عیا باقی نہ ہے

۲۶۲ شرط دوم۔ بیوہ کا یا صیگہ الشریک کے خطاب میں شامل

۲۶۲ شرط سوم۔ درشت کا ترکہ اس کی ملکیت ہو

۲۶۲ شرط چہارم۔ درشت کی بیویوں میں سے ہو

۲۶۲ حدیث لا نورث انہما کے قبیل سے ہے اور اقرار

۲۶۲ نسخ و فسخ میں جو ہیں

۲۶۲ بناء میراث کی شرط اول کا فقدان احادیث لا نورث کی

۲۶۲ ہر سے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے

۲۶۲ در اہم سوال

۲۶۲ جواب سوال اول۔ درشت کی نفی کا سبب حیات ہے

۲۶۲ جواب سوال دوم۔ موت و حیات کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے

۲۶۵ ایک اور سوال۔ موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے۔ ۹۔

۲۶۵ دلیل نقلی

۲۶۵ ایک حدیث

۲۶۶ جواب حدیث

۲۶۶ شداد اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے بعد

۲۶۶ دوبارہ حیات کی دو قسمیں۔ متصل اور منقطع

۲۶۶ منقطع کی دو قسمیں۔ متصل اور منقطع

۲۶۶ دلیل عقلی

عالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی ہے اور اور انکی حیات آپ کے فیض سے عرضی ہے

آیت وَوَدَّ سُلَيْمَانُ مَرَاتِ عِلْمِي اور خلافت مراد ہے۔

آیت يَرْثِي وَيُورِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ سے بھی وراثت علمی مراد ہے

قرآن مجید میں وراثت کا استعمال تان مقام میں بکثرت آیا ہے

کتب شیعہ میں مادہ وراثت کا سیراث علمی میں استعمال

وراثت علمی اور وراثت مالی میں

کوئی تلامذہ نہیں کہ ایک دوسرے پر ضرور ولایت کریں

حاصل بحث۔ آیت يُرِثُكُمْ اللّٰهُ میں وراثت کا مادہ موت ہے اور حدیث لَأَكُنَّ فِي حَيَاتِ كَاشِبَاتِ اور کی حقیقت شال

مسحیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل الی

صواریات کے بیانات تحریم میں سے کوئی دم

ایسی نہیں کہ تمام امت کی حق میں عام ہو۔

آیت قَوْلِي فِي مَثَلِ كَاطِلَابِ امْتِ كُوْهِي لَوْنَدَ حَرِيْبِ

حرمت ہے اور ازواج مطہرات میں ایسا ہونا موجب حرمت ہے

حدت کی اصل وہ نَسَاءُ كُوْهَرَتْ لَكُوْ

کی آیت سے مانو ہے۔

ایک وقت میں ایک عورت کے لیے

متعدد غلوذوں کے نہ ہونے کی وجہ

متعدد غلوذوں کی صورت میں خیریاں

۲۸۱ حدت وقات چارہم اور دس دن مقرر کر فی حکمت

۲۸۲ حدت وقات لیسو راجل کے لیے ہے اور بصورت عمل وضع عمل

۲۸۲ لَمَّا سَوْرَةُ بَقَرَةٍ اور سورۃ طلاق کے حکم میں تعارض نہیں

۲۸۳ مطلقہ میں تین حصے تک انتظار کی وجہ

۲۸۳ غلوذ کی رضا اور اس کا رجوع ہے

۲۸۴ حاصل کلام

۲۸۴ دلیل لمی سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

۲۸۵ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سونیں کیلئے انکی جانوں سے قربت محبوبیت

۲۸۵ روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم اربع مریض کی نسبت نہت

۲۸۵ اور نہ استراحت ہے اور اربع مریض کو مشا ذاجہ اور استراحت میں

۲۸۶ ذہن میں حاصل شدہ مضمون کی خبر

۲۸۶ میں بھی محکم علیٰ حدت پائی جاتی ہے

۲۸۶ درخس سے علم۔ مبداء علم اور علم کی مثال

۲۸۶ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں زمین میں

۲۸۶ حاصل شدہ مشاہدہ سے علم حاصل ہو سکتا ہے

۲۸۶ بصورت نقابلی عکس (پر تو) کی صورت کے وقت

۲۸۶ اصل ثبی یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے

۲۸۶ حصول معلول فی الذہن حصول علت پر

۲۸۶ معرفت ہے اور انکے مابین کوئی واسطہ نہیں

۲۸۸ روح غیری کا اربع مریض کے لیے علت ہونا اسکا متقاضی

۲۸۸ ہے کہ آپ کی روحانیت اور حیات لصلی اور است کی عارضی ہے

۲۸۸ تقریر مذکورہ بالا کا آیت النبیؐ اُولٰٓئِی

۲۸۸ بِالْمُؤْمِنِیْنَ پر الطبیاق

آیت مذکورہ میں تصرف اور اجیت کے
معنی علت اور اقربیت میں لازماً پائے جائیں

انفی میراث کے لئے میں حیات جہانی کے اثبات کی ضرورت

آپ کا وجود باوجود واسطہ جسم اطہر مصدر حیات کا
جس سے روحانیت کے آثار علم و عمل صادر ہوتے ہیں

جسم انسانی سے افعال کا طور و راصل
فاعلیت حیات کے سبب سے ہے

روح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں حائل
کے وجود سے افعال حیات متاثر ہوتے ہیں

روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بدن
میں تعلق اتصال ممکن نہیں

جو غرض غرضیہ بواسطہ حیات کے لاحق
نہیں ہوتے وہ اغراض اصلیہ میں سے نہیں

اگر افعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہوتے ہیں حائل کے وجود سے
فعل منفعل ایک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین قائم رہتا ہے

لازم وجود حیات کا لازم (وجود خارجی) متفعل ہوتا ہے
حائل کی ایک مثال

حائل کی صورت میں تبدیل و تغیر متفعل میں
پایا جائے گا نہ صرف عمل میں

کائنات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی منشاء
فیض ہے اس صورت میں حائل کا وجود مستلزم ہے

نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے ہر شے
خاتم النبیین کے معنی منشاء اور فیض نبوت کے ہیں

اور خالقیت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے

خاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت کی

طرح تمام انبیاء کی ازلہ بھی آپ کی روح پاک مستفیض ہیں

نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام میں ان روحانیت موجود تھا

تصرف پر قادر نہ ہونا کلام اور ملک کے معنی نہیں

حیات شدہ اور انبیاء علیہم السلام میں فرق

حدیث ان اللہ حکم علی الارض الا میں حرمت کی اتمام

انبیاء علیہم السلام میں حرمت کی پہلی قسم تمام انبیاء علیہم السلام پر ہوگی

انبیاء علیہم السلام کے اجداد کی سلامتی کو کسی دعا کی طرف متوجہ نہ کرنا چاہیے

احکام نامشی عن غیر دلیل ضعیف ہو تو ہم ضرورتاً دین سے اعتقاد ٹھکانا

حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق روح مع الجسد اور اسکے آثار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کو
وکیل بنایا۔

بشارت کتب فریقین ترکہ نبوی کے میراث
نہ ہونے پر اہل بیت متفق ہیں۔

ایک شہ کا ازالہ۔ وارث ہونے کے یہ صرف تعلق روح

کافی نہیں ایسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از شہ کی وارث نہیں گئے

ایک سوال۔ کیا سو کے بعد سوال قبض سے ملک باقی رہتا ہے؟

جواب۔ اپنی زندگی میں لا نورث فرما نا بغرض ترکہ تھا

لذا قبضہ بعد از ترکہ باقی رہا۔

جواب ملک اصل خدا تعالیٰ ہیں۔ ہماری

ملک احتیاج کی وجہ سے ہے۔

ملک جدید کیلئے عاجز تہذیبی ضروری ہے لیکن
بقائے ملک بغیر امتیاز کے بھی ہو سکتا ہے

بنائے میراث کی دوسری شرط کا فقدان

فَانْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِمَّا فَرَغَ يُوصِيكُمُ اللَّهُ
 [الخطاب بھی صرف امتیوں کو ہے۔]

بروایت علامہ علی (شیخ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
فدک حضرت فاطمہؑ کو یاد دہ راضی ہو گئیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں
 ایک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں

سورۃ النسا کا اول رکوع سورت فاتحہ کی طرح
 اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور طبعِ امت
میں تھوڑی وجہ تعلق کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام
کے مخاطب نہیں

یا اعتبار لغت بھی : درجیت طرفین کے تساوی کو کہا جاتا ہے

نکاح میں مطلوب حسن معاشرہ ہے جو کہ لا علمی اور غلی کا نتیجہ ہے
 کھالائے علمی و غلی مردوں میں بدرجہ اتم اور

عورتوں میں اس کا نصف پائے جاتے ہیں
آیت میں ہر مرد عورت کے جسم کی مقدار سے

بجٹ نہیں بلکہ ان کے حصص سے بجٹ ہے اور
ذکر و انشی کا اطلاق روح و جسم دونوں پر ہوتا ہے

افعال اختیار یہ علم و عقل سے پیدا ہوتے ہیں
تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے

بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم و عمل
میں نزہت رکھنا ایسا بغیر حیر کی بنا پر ہوتا ہے

پارہ خورتوں کا ایک مرد کے حق میں زوج کامل قرار پانے کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است کی عورتوں کی
نسبت مقدور علم و عقل میں فائز نہ ہو۔ اور

صادر، نثار اور وصفت اشتراعی کے ہیں۔

ماصل کلام

بنامیاری کی تیسری شرط کا فقدان

فذلک مال فی تعاقب اکر صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملک زحمہ

فَذِكْرُ مَالٍ فَمَيْسَرٌ هِيَ اَهْلُ سُنَّتٍ هِيَ اِسْ كَاثِرُتْ

برہ کمال عقل انبیاء علیہم السلام اپنے محبوبہ لہو لہو کو مال مستعار
سمجھتے ہیں اور مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہوتی

مذکور مال فنی ہے بشیوع اس کا اثر

رامنی نے کسی کی محکوم نہیں بلکہ عیسا ارشاد
 خداوندی اس کی آمدنی قابل ملک ہے

مَا أَفَاءَ اللَّهُ مِنْ كَرَامَةٍ بَابِئِذَا غَرَضُ مَقُولِهِ هُوَ

مالِ نجیست اور مالِ ہنر میں فرق

۱۰۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فتنے میں درجہ متوسط
حاصل ہے یعنی آپ متولی ہیں اور مصروف بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی مثال

آیت الطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت
اور علم میں نیابت و خلافت پر دلالت کرتی ہے

اس امت کے لیے سجدہ تعظیمی ممنوع ہونے کی حکمت

خلافت کے ساتھ تواریت ایک لازم شعبہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت ہی کے کام میں ضرور

و مقید رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال فتنے کے

ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا

آخر کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت دار آپ کے توح

قرار پاتے ایسے انکو دیگر اصناف سے مقدم کیا گیا۔

ذو القربی میں القربا کو بغیر اصناف ذکر کر دینا وجہ

اقربا بنوئی صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ رسالت میں محسن و

مددگار تھے اس لیے ایسے فتنے سے ان کا وظیفہ مقرر

کیا ہے جس میں غافین کی سعی و عمل کا دخل نہیں

سوال: وَلَٰكِنَّ اللَّهَ لَيَلْقِيْهُ سُلْطٰنًا عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ

سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے تسلط سے حاصل ہوا اور

پیغمبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالتحقق لکھ کر

جواب: یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ

کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے

جلد اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف

میں مذکر استحقاق لکھ کر استحقاق مصارف میں مستحق

دار و قریب نہیں کر سکتے اس لیے تعدد فقر آخر دینی نہیں

رسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف

میں ملک کے لزوم کے علاوہ وہ خیریاں لازم آئیں گی

حضرت علیہ السلام نے بلا وجہ ایک جہان کا مال دے رکھا

اور یہ کہ تمام اصناف کے افراد کی ملک محدود و مقین ہو

۲۲۸

ہر صورت میں اہل قطع مال فتنے سے ہمیشہ محروم رہیں گے

۲۲۸

کیونکہ جہاں مال مصارف کا صحابہ کے حق میں ہوا گوہر ماضی و

اختیار میں گردش مال کی ممانعت ملکیت غلبہ کی نفی کرتی ہے

اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض ناممکن نہیں

اموال غیر منقولہ میں غیر کی تواریت بھی انتفاع ہو سکتا ہے

مال فتنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ بطور متولی تھا

ارضی فتنے کے لیے متولی کا ہونا لازمی ہے مصروف

کسی ایک فرد یا ایک زمانہ افراد پر پیداوار تقسیم کرنا کافی ہے

عاجل بحث

مذکر کی بعض آبادیوں کی نسبت حضرت عمرؓ کا فرمان

كانت لورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اسی مصروف

پر دلالت کرتا ہے۔ اگر حق ملکیت ہوتا تو وارثوں کو

اور حق سند نشینی ہوتا تو آپ کے بعد خلفاء و منتقل ہوتا

خلفاء راشدین بھی مال فتنے پر بطور متولی

کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے

افاضہ مجدد و کمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے

لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا

استحقاق کی حق قبضیں اور قوی کا ضعیف کو منتقص ہونا

ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تواریت اور

ملک مصروف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن

مرتبہ تواریت ملک مصروف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا

مخبرتی یہودی کے بے شبہ کے جوابات

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۸

۲۲۸

۲۲۸

۲۲۹

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

اشیائے محبوبہ باعتبار رسالت تھیں اور منصب رسالت وہی منصب خلافت و نیابت ہے

خلیفہ کا ہیہ سرکاری ملک ہوتا ہے

خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملک مستعار سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں

حضرت فاطمہ الزہراءؑ پر خوارج کی طرف سے اعتراض خوارج کے اعتراضات کے جوابات

اعتراض رۛ حدیث لَا تُخَالِفُ سُنَّةَ كَعْبِہ حضرت سیدہ کے غم و غصہ کے کیا معنی؟

جواب :- بخاری کی اس روایت کا ردی گو سچا ہے لیکن اصل معاملے کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہو گئی عدم کلام کو ناراضگی پر حمل کر لیا

فدک وغیرہ اموال نے کہ حضرت سیدہؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض تمام اور اقتدار عام کے پیش نظر ملک نبوی بچھ لیا ہو تو کیا بعید ہے

جیسے خضر علیہ السلام کے احوال میں ہوئی علیہ السلام کو دھوکہ ہوا پہلے ہی حضرت سیدہؑ کو احوال نے میں ملک خاص کا دھوکہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے

جواب اعتراض رۛ :- اگر حضرت سیدہؑ پر تنوع قلیل کی طلب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال کی طلب تارکان دنیا ہی مقصود ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متروکہ حضرت سیدہؑ کے لیے نثاری اور تسکین خاطر کا باعث تھا

سوال اول

جواب سوال اول

بعثت کی تمثیل

حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا جواب

صدیق اکبرؓ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعے سے اعتراض کا الزامی جواب

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت

حضرت ابو بکرؓ کی غلط فہمی اہل سنت کو مضر نہیں

شیطان کا دوسرا کامین کی شان میں عیب نہیں اور ہمارے شیطان سے آدم کی طرف دوسرے شیطان کی نسبت زیادہ شرم ہے

سوال دوم

جواب سوال دوم - شیعہ کی پیش کردہ حدیث کا کوئی پایہ نہیں

اہل سنت کی کتب حدیث کے پیارور ہے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام صحابہؓ اور امت میں افضل ہیں

صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ کو خلافت نہ دیکر

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے

وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبرؓ کو اہم بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان کا حق ندیا

جب خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو خدا نے

حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہونچایا

در حقیقت صدیق اکبرؓ کی خلافت برج
 آپ کی افضلیت کے عدل کے عین مطابق ہے
 کیا شیخین از خود خلیفہ بن گئے اور معاذ اللہ
 خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا

سوال سوم

جواب سوال سوم

واقعی معتبر مورخ نہیں

حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی
 صحابیت و زہدیت کا خیال کیوں نہ کیا

اہل سنت حضرت علیؓ کی خلافت حقہ کے اس طرح
 قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کے

تحقیقی جواب جنگ جمل خطا اجتہادی کی بنا پر
 ہوئی اور خطا اجتہادی قابل مواخذہ نہیں

حضرت علیؓ کی قصاص لینے میں تاخیر
 کی وجہ بلوائیوں کا غلبہ اور زبرد تھا

حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو قاتلین
 عثمانؓ میں سمجھ کر مارا

جنگ جمل میں بلوائیوں کا ہاتھ تھا

اس طرح کی خطا کا صدور قصہ بوسلی
 اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے

مشاجرات صحابہؓ میں کثرت لسانی واجب ہے

جملہ حدیث حنیفیہ کے مضمون پر مفصل بحث

الغلامی جواب : ازواج مطہرات تمام مومنوں کی ہیں
 قرعہ حضرت علیؓ نے اپنی والدہ عائشہؓ سے مقابلہ کیوں کیا

آیت تطہیر کا شان نزول

آل عبا کو اہل بیت کہنے کا مطلب

آیت تطہیر ازواج کی شان میں ہے

بیچ تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی وجہ

سوال چہارم

جواب سوال چہارم : اہل سنت ائمہ مجتہدین
 کو معصوم نہیں سمجھتے

شیعہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک طاعت فرج حلال ہے

شیعہ کے نزدیک متعز بہت ہی بڑا کار ثواب ہے

سورۃ مومنوں اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکر اور

نہی حلال ہیں لیکن متعز والی عورت کسی قسم میں داخل نہیں

شیعہ متعز کسی بھی مذہب و ملت میں جائز نہ ہو

نکاح معاملات کے قبل سے ہے اور متعز عبادت

سے اس بے متعز میں تعدد و تعدد نہیں

متعز کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے کیونکہ عورتیں

بہنہ رکھتی ہیں اور متعز کی صورت تقسیم اولاد ممکن نہیں

خاندن والی عورت کے متعز میں اشتباہ اولاد

متصور نہیں کیونکہ الولد للفرع

امام عظیم ابو حنیفہؒ نے شراب کو حلال نہیں کیا

امام شافعیؒ کی طرف سے حرمت مصاہرہ کا جواب

شیعہ مذہب کے اصول بھی قرآن پاک سے نکالتے ہیں

۳۸۷	شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں	۳۸۲	سوال پنجم
۳۸۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؑ کی	۳۸۳	جواب سوال پنجم
۳۸۸	مشابہت اور دو گمراہ فرقوں کا ظہور	۳۸۴	دعوتِ دہریہ میں مطابقت میں
۳۸۸	شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؑ سے محبت عیسائی فرقہ	۳۸۴	مگر زاری دلیل ایمان و نجات نہیں
۳۸۸	کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کی مشابہت	۳۸۴	ہر ملامت داری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی آئی ہے
۳۸۸	عبداللہ بن سیرینؒ پر طعن کا جواب	۳۸۵	پیغمبر کی تعریف اور اشارے اس کی تفہیم
۳۹۰	فقہ حنفیہ کے فتنہ سال	۳۸۹	پیغمبر کی سی مثال
		۳۸۷	یہاں خطا ہے یہاں پر پیش روئے ہلال صبح نہیں

۹۵۶	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۵۶	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۵۷	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۵۷	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۵۸	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۵۸	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۵۹	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۵۹	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۰	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۰	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۱	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۱	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۲	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۲	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۳	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۳	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۴	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۴	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۵	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۵	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۶	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۶	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۷	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۷	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۸	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۸	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۶۹	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۶۹	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت
۹۷۰	جس سے ہوتے ہیں ان کے لئے ہر قسم کی خدمت	۹۷۰	ان کو اپنے لئے ہر قسم کی خدمت

تقریظ مولوی محمد ناطق حسن
مدرس اَوَّل مدرسہ عربیہ میرٹھ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہزار محمد و سپاس اس خدائے لایزال کو جس نے اپنے دین متین کو آیات محکمات سے حکم فرمایا۔ اور کافر
اہم مخصوص اہل اسلام کو ان آیات کی اتباع کا حکم فرمایا اور درود نامہ محمد و اس جناب رسالت مآب پر جس نے
حکم گشتانِ قتال کو راہِ ہدایت پر چلایا اور اس کی آل و اصحاب پر جنہوں نے اسی کے دین متین کو اطراف
بلا و میں پھیلایا۔ آمین

جملہ متبعین سنت و جماعت کو مژدہ ہو اور تمام اہل تشیع کو تنبیہ کہ وہ اٹھائیس سو ۲۹ آلات جو بعض اہل تشیع
نے گھڑ کر جناب فاضل اہل عالم باعمل مرجع علماء شرع متین مظہر علوم مرعین کشف و قائل و ضاححت النور
سالم مسالک شریعت عارف معارف ظریفیت عمدة الافاضل والا عالم جناب مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی
مرحوم و معذور کی خدمت میں پیش کئے تھے جناب مرحوم نے بسبب اس کے کہ یہ وہی سوالات ہیں کہ جن کے
علماء اہلسنت نے بار بار جواب دیے ہیں۔ فقط ان کا رنگ و روپ بدل دیا ہے۔ اپنے اوقاتِ عزیز کو کچھ
جوابات میں ضائع کرنے سے انکار فرمایا۔ مگر بعض بزرگوارانِ دین کا تقاضا اور نیز احباب کا اصرار بدرجہ
غایت پہنچا۔ تو اس پر مولانا مرحوم نے قلم سنبھالا نہایت غفلت کے ساتھ ایک شب دروز میں ان کے
جوابات پورے فرمائے۔ حسب مشورہ ارباب شوریٰ بخرمن تعظیم افادہ ان کے چھپوانے کی تجویز ہوئی اس
کے دو حصے کئے گئے۔ اول حصہ میں مولانا مرحوم کے جوابات دندان شکن تحریر ہیں علاوہ بریں مولوی عبد اللہ
انیسٹوی خلیف مولوی انصار علی کے جوابات بھی جو کتب احادیث و قرآن مجید سے لکھے گئے ہیں اور اہل
نقل کے لیے باعث تسکین قلب ہیں اس میں بعد جوابات مولانا مرحوم کے لکھے گئے ہیں دوسرے حصے
میں فقط مولانا مرحوم ہی کی تحریرات ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

(از: احقر عبد المجید سواتی خادم مدرسۃ العلوم گوہر النوالہ)

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسولہ سیدنا محمد
والہ وصحابہ واتباعہ اجمعین

امام بعد !

انیسوی صدی عیسوی (تیسویں صدی ہجری) میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی جماعت کے
پسماندہ لوگوں میں برصغیر (ہندو پاک) میں ایک حکیم عالم پیدا ہوا جن کا نام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
تھا یہ عالم مجددین و مجدد علوم و فنون تھا۔ یہی عالم دارالعلوم دیوبند کا بانی مبنی اور علوم اسلامیہ
کی از سر نو اشاعت کرنے والا عظیم المرتبت عالم دین اور کامل درجہ کا ولی اور خدا پرست
تھا۔ آج کے برصغیر میں دینی۔ مذہبی۔ اخلاقی اور علمی قوت کا سب سے اچھا سرمایہ وہی لوگ ہیں
جو مولانا محمد قاسمؒ اور ان کی جماعت کے توسط سے امام ولی اللہؒ سے مربوط ہیں۔ اگر یہ کہا جائے
کہ گذشتہ پوری صدی میں اس پایہ کا کوئی حکیم عالم پیدا نہیں ہوا تو یقیناً مبالغہ نہ ہو گا۔ مولانا محمد قاسم
نانوتویؒ کس پایہ کے عالم تھے یہ بات ان کی تصنیفات سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے
تلامذہ اور مدارس و مکاتب کا علمی نظام اور وہ تحریکات اور اصلاحات جو برصغیر کے کونے کونے
پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب طرح ہم امام ولی اللہؒ کے تجدیدی اور تحقیقی
کارنامے ان کی کتابوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان کی وسیع و غریب اثرات سے جو برصغیر

میں بالخصوص اور تمام عالم میں بالعموم پھیلے ہوئے ہیں ان سے دریافت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نانوتویؒ کی کتب و رسائل کا مطالعہ کرنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عقلی اور ذہنی طور پر کتنے بلند مرتبہ عالم دین تھے۔

آپ کے رفیق حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے جو آپ کی ایک مختصر سی سوانح عمری لکھی ہے اسی میں درج بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتویؒ کو ابتداء سے ہی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مثلاً حضرت نانوتویؒ نے ایام طفلی میں ایک خواب دیکھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوں۔ حضرت نانوتویؒ کے دادا نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا۔ اور تم بہت بڑے عالم ہو گے۔

اسی طرح ایام طالب علمی میں حضرت نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور محمدؐ سے نکل کر ہزاروں نہیں جاری ہو رہی ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے والد گرامی اور حضرت نانوتویؒ کے استاذ مکرم مولانا مملوک علیؒ سے جب اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہو گا“

حضرت نانوتویؒ جب سفر حج پر گئے تھے تو آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا حاجی محمد امدادؒ مہاجر مکیؒ نے مولانا محمد قاسمؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ ”یہ لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوئے“ (سوانح مذکورہ) اور پھر حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو۔ اور غنیمت جانو“ (سوانح مذکورہ)

اور حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا نانوتویؒ کے والد جناب اسد علی صدیقیؒ سے بھی فرمایا تھا کہ بھائی اسد علی مبارک ہو خدا تعالیٰ نے تمہیں ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جو ولی کامل ہے مولانا نانوتویؒ کے کمال حافظہ کا حال یہ تھا کہ تراویح میں قرآن کریم سننے کے بعد فرمایا کہ ”فقط دو سال صرف رمضان کے مہینے میں قرآن کریم یاد کیا ہے۔“

عبادت کا حال یہ تھا کہ اکثر تمام رات تنہا نوافل میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے ایک رات ایک رکعت میں ستائیس پائے پڑھے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ماہ شعبان ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا

ہوئے تھے۔ تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ اور آپ کی وفات ۳ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ
 ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء بعد نماز ظہر بروز جمعرات واقع ہوئی۔ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی نے
 انتصار الاسلام کے مقدمہ میں جو کلمات تحریر فرمائے ہیں ان کا نقل کرنا شامہ حضرت کے
 متعلقین و معتقدین کے لیے باعث تسلی بن سکے مولانا سید فخر الحسن فرماتے ہیں: حیث صد
 ہزار حیث کہ زمانہ ایسے عالم ربانی سے جو اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا خالی ہو گیا۔
 افسوس صد ہزار افسوس کہ حامی شریعت جو نہ فقط اپنی جان بلکہ پڑوسیوں کی بھی جانیں
 شریعت کی حمایت میں جھوٹکے۔ اس وقت دنیا سے اٹھ جائے، اٹھائے وہ
 باغ اسلام کا باغیان کہاں گیا جو اس باغ کی حفاظت کرتا تھا جس سے اس کو رونق تھی
 لائے اب اس باغ کی خدمت کون کرے گا، اس کی روشیں کون درست کرے گا، خس و
 خاشاک سے صحن عین دین کس طرح صاف ہوگا۔ لائے وہ نخل بند گلستان اسلام کہ ہر
 گیا جو سرد اسلام یعنی صراطِ مستقیم کی درستی و موافقت کی فکر رکھتا تھا۔ لائے وہ جاروب
 کش باغ دین کہاں گیا جس کی تقریر خس و خاشاک و حام کے لیے جاروب تھی۔ اب
 سوائے حسرت و افسوس کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ
 کوئی رہا ہے نہ کوئی ہے گا البتہ ایک ذات و مدد لا شریک جو ہمیشہ سے ہے اور
 ہمیشہ رہے گی۔

جناب مولانا مرحوم نے شاگرد و معتقد بہت چھوڑے اب ان کو چاہیے کہ جناب
 مولانا مرحوم کی طرح جان و مال و عزت و آبرو کا کچھ خیال نہ کریں۔ آپس کے جھگڑاؤں میں نہ
 پڑیں۔ خدا و رسول کے دشمنوں سے لڑیں۔ حتیٰ الوسع دین اسلام کی حمایت کریں۔
 حضرت کے سوانح حیات اور تاریخی حالات مکمل طور پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے
 سوانح قاضی کے تین مجلدات میں مدون کئے ہیں جن کے ساتھ ان کے حالات کے لیے مزید
 وقائع اور استشادات حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم
 اور شیخ المحقول و المنقول استاذ العلماء و سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا
 محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا اشتیاق احمد دیوبندی کا تئیں بھی حصہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ

مولانا الوار الحسن شیر کوٹی ایم اے فاضل دیوبند نے بھی انوار قاسمی میں حضرت کی سیرت کا بڑا حصہ مدون کر دیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث و صدر مدرس مدرسۃ العلوم کو جبر الوالہ نے بھی ایک عمدہ رسالہ بانی دارالعلوم مرتب کیا ہے جو اپنی زبان اور استناد کے اعتبار سے معیاری ہے۔ اسی رسالہ کا ایک حصہ مکمل طور پر ”بیس بٹے مسلمان“ کے مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کر لیا ہے، ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی مختصر سوانح حیات بھی بہت عمدہ کتاب ہے جس میں حضرت نانوتوی کی زندگی کے تمام اہم واقعات کی طرف اشارت ملتی ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نے بھی شاندار ماضی میں بھی ایک بڑا حصہ ذکر کر دیا ہے۔ طبقات الخفیر کے مصنف مولانا فقیر محمد جلی نے بھی حضرت کی تاریخ ذکر کی ہے۔ اور مولوی رحمان علی صاحب نے بھی تاریخ علماء ہند فارسی میں بھی حضرت کا ذکر کیا ہے۔ موج کوثر کے مصنف شیخ اکرام مرحوم نے بھی حضرت نانوتوی کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے مولانا کے شاگرد رشید مولانا منصور علی خان صاحب نے اپنی کتاب مذہب منصور میں حضرت کی زندگی کے کئی حیرت انگیز واقعات ذکر کئے ہیں۔ حضرت نانوتوی کی سب سے بڑی مفصل سوانح حیات اور آپ کے ملفوظات و حکایات و لطائف حیات اور علمی تقریبات وغیرہ آپ کے قدیم شاگرد و خادم مولانا سید فخر الحسن گنگوہی (محدثی الی داؤد و ابن ماجہ) نے مرتب کی تھی جس کی ضخامت ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھی مگر افسوس کہ وہ کتاب طبع نہ ہو سکی اور زمانہ کے دست برد سے ضائع ہو گئی۔

(حضرت نانوتوی کے ایک خادم مولانا امیر شاہ خان نے بھی اپنی حکایات کی کتاب امیر الروایات میں حضرت نانوتوی کے بہت سے واقعات ذکر کیے ہیں) لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضرت نانوتوی کے علوم و معارف کی تسہیل اور آپ کی کتابوں کی ترویج و ترویج کا ناظر حسن صاحب کرنا چاہتے تھے اس پر کوئی کام نہ ہو سکا۔ مولانا اس سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اور اسی طرح مولانا الوار الحسن شیر کوٹی کا بھی خیال تھا کہ انوار قاسمی کی دوسری جلد میں علوم قاسم سے بحث کی جائے

گی۔ غالباً وہ بھی یہ کام نہیں کر سکے۔ مولانا نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تحقیق و تشریح و تسہیل و تفہیم کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ کوئی عالم اس کو انجام دے جو اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ عام اہل علم بلکہ بہت سے خواص کے بس کا بھی یہ کام نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو خاص توفیق عنایت فرمائے۔ اور اس کام کو اس کے لیے آسان کر دے۔

حکمت قاسمیہ

احکام اسلام کی عقلی و نقلی تائید قدیم و جدید فلاسفہ کی تردید اور شرايع اسلاميہ کے غائص اسرار و حکم و دلائل کا عجیب و غریب سلسلہ، قدیم و جدید فلسفہ کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا کافی شافی رد۔ نظام اسلام کو مربوط شکل میں پیش کرنا یہ سب حکمت قاسمیہ کے اہم مقاصد میں شامل ہیں۔ لیکن حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا صحیح معنوں میں وہی شخص مطالعہ کر سکتا ہے اور ان کے مستفید ہو سکتا ہے جو علوم عقلیہ میں کافی بصیرت رکھتا ہو۔ دین کی اعانت کے لیے عقلیات کا حصول بھی اسی طرح باعث اجر و ثواب ہو گا جس طرح نقلیات کا۔ بلکہ بعض اوقات دین پر قائم رہنا معقولات حاصل کے بغیر بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی لیے عقلیات دیوبندی نظام تعلیم کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ ”علماء کو چاہیے کہ عقلیات کے حصہ کو اسی طرح ذوق و شوق سے حاصل کریں جس طرح نقلیات کو حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ حجۃ اللہ الابرار جیسی کتابوں کے سمجھنے سے غاری رہیں گے اور اگر ایسا ہوا تو انہیں آسانی سے بہکانے والے بہکاتے رہیں گے۔ کیونکہ جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہ ہو اس کو اسی طرح دوسرے لوگ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔“

حضرت نانوتویؒ کے حکیمانہ ارادہ و افکار اور خاص نظریات، اور دین کی محققانہ اور عارفانہ تشریحات کو جاننا اشد ضروری ہے۔ حضرت نانوتویؒ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کا حافظہ اور ذہانت عطا فرمائی تھی۔ جب کوئی بات یا اشکال آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دلائل آپ کے ذہن میں بیک وقت مجتمع ہیں۔ اور ان میں سے آپ مخاطب کے حالات کی مناسبت سے دلیل منتخب فرما کر بیان کرتے ہیں، کمال درجہ کا تجربہ علمی قدرت نے عطا فرمایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا نانوتوی نقیاتی و محلیات کے بہت بڑے ماہر امام تھے۔
 علم عقائد میں آپ نے حجۃ الاسلام اور تقریر و پذیر جیسی اوق، لیکن بہت گراں قدر کتابیں تصنیف
 فرمائیں ہیں ما بعد الطبیعیات اور ملکوت، جبروت عالم مثال لاہوت برزخ اور آمور آخرت
 کو بالکل عقلی برہانوں کے انداز میں افہام کے قریب کر دیا ہے۔ مولانا سندھنی کا قول بالکل
 صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی حقائق و معارف اپنے لوگوں کو یعنی اہل
 اسلام کو سمجھا دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد قاسم نانوتوی اسلام کے حقائق غامضہ غیر مسلموں عیسائی
 یہود ہنود بدھ مجوس وغیرہ کو اسی طرح سمجھا سکتے ہیں جس طرح اہل اسلام کو۔ چونکہ حضرت
 نانوتوی زیادہ تر علم مطلق فلسفہ اور ریاضی اور طبعی فلسفہ وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔ ذالغ تفہیم میں
 بالکل عقل عام سے بات کرتے ہیں اور مشاہداتی دلائل جو موجودہ دور میں ہر اہل غرور و قیصر اور
 اصحاب عقول کے ذہن میں فٹ بیٹھ جاتے ہیں، ان سے کام لیتے ہیں۔ زبان اردو آپ
 کی نہایت دقیق ہوتی ہے۔ کچھ تو اس لیے کہ حضرت کے زمانہ تک بھی اردو زبان نے اتنی
 ترلی نہیں کی تھی۔ جتنی آج ہے۔ اور کچھ اصطلاحات وغیرہ کی دقت کی وجہ سے مشکل پیدا ہو
 جاتی ہے لیکن علمی ذوق و اے حضرات محنت سے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح امام ولی اللہ
 کلام ہر ایک صاحب علم کے بس کا لوگ نہیں کر وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکے اس کے لیے
 کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مولانا نانوتوی کے کلام کے لیے بھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔
 حضرت مولانا شیخ الحداد کا مقولہ ہے کہ جب تک حضرت نانوتوی ہم میں موجود تھے
 ہم منطق کو تازہ کرتے رہتے تھے تاکہ حضرت کے کلام کو آسانی سے سمجھ سکیں ان کی وفات کے
 بعد اس سے دل سرد ہو گیا ہے۔

اجوبہ اربعین

کے بارہ میں عرض ہے کہ احقر عبد الحمید سواتی تقریباً پینتیس سال سے اس کتاب کا تلاشی
 تھا، حضرت نانوتوی کی باقی کتب و رسائل نظر سے گزرتے تھے اور کچھ بعد فہم ان سے استفادہ
 بھی کیا، لیکن اجوبہ اربعین کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی، اس کے مطالعہ کا انتہائی شوق
 تھا۔ اس کی تلاش جاری تھی۔ ایک دفع اتفاق سے سید الخطاطین حضرت سید الرحیم شاہ صاحب

نفیس رقم (جنکو اللہ تعالیٰ نے کمال ظاہر و باطن عطا فرمایا ہے آپ صاحب نسبت اور بلند
 روحانیت کے مالک بزرگ ہیں) کسی کتاب کی تلاش میں مدرسہ نصرۃ العلوم کو جہ الزوالہ تشریف
 لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ابوریہ اربعین ہے۔ تو شاہ صاحب نے
 فرمایا "ہے" میں نے عرض کیا کہ مطالعہ کے لیے عنایت فرمائیں، انہوں نے ازراہ عنایت
 بڑی خوشی سے کتاب مطالعہ کے لیے عنایت فرمائی۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ بات ظاہر
 ہوئی کہ موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت ضروری ہے۔ لیکن کتاب غالباً صرف
 ایک مرتبہ ہی طبع ہوئی ہے، دوبارہ اس کی طباعت کی نسبت نہیں آئی۔ اور ابتدائی طباعت
 بھی غالباً بڑی عجلت سے ہوئی ہے۔ اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان
 کی اصلاح ضروری ہے عربی عبارات بھی بہت سی غلط ہی طبع ہوئی ہیں۔ احقر کے پاس اتنا
 وقت و فرصت نہ تھی۔ چنانچہ اس کام کے لیے فاضل نوجوان مولانا حافظ محمد صاحب
 فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور فاضل تخصص فی علوم الحدیث جامعہ اسلامیہ خدی ماؤن کراچی جو بڑے
 صاحب استعداد نوجوان ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مذہب رفض و تشیع سے
 انہیں خصوصی مناسبت ہے، احقر نے ان کو اس کام کی طرف متوجہ کیا انہوں نے اس کو
 قبول کیا اور کتاب کی تصحیح شروع کر دی، اور ساتھ ہی ساتھ بعض عنوانات کا اضافہ بھی
 کیا، اور کہیں کہیں کچھ حواشی بھی لکھے تاکہ کتاب کی افادیت میں اضافہ اور آسانی بھی ہو کتاب
 کی جلد اول کی تصحیح کے بعد اس کی خواندگی کے لیے احقر نے مولانا مفتی حافظ محمد عیسیٰ خان صاحب
 گورمانی جو کئی سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم میں افتاء کا کام کرتے ہیں ساتھ تدریس بھی،
 موصوف خود بھی مدرسہ نصرۃ العلوم کے قدیم فضلا ہیں سے میں اور انکو فتویٰ نویسی میں کافی وسیع
 تجربہ اور ورک ہے۔ اور دوسرے صاحب مولوی محمد اشرف صاحب فاضل نصرۃ العلوم
 کو اس کام کے لیے مقرر کیا جو محنتی اور مستعد نوجوان ہیں۔ ان حضرات نے اس کی خواندگی
 مکمل کی۔ چنانچہ جلد اول اس قابل ہو سکی کہ اس کی کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے۔
 کتاب کی طباعت ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم کی طرف سے ہو رہی ہے۔ عنوانات
 کا اضافہ، بعض احادیث کے الفاظ، اور صفحات کتب، ان سب کو قوسین کے اندر

رکھا گیا ہے۔ تاکہ اصل کتاب کے ساتھ امتیاز قائم رہے، اکثر حواشی اور عنوانات مولانا حافظ عمر محمد صاحب
کے ہیں اور حوالجات اور صفحات کی تلاش میں مولانا حافظ مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور مولوی محمد شرف
صاحب شریک ہیں۔ اور بعض مقامات میں احقر عبد الحمید سواتی بھی ان کے ساتھ شریک رہا ہے۔
کتاب کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا نام نامی اس بات
کی ضمانت کیلئے کافی ہے کہ کتاب علوم و معارف حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبہ اربعین بھی ان کتب میں سے ہے جن میں حضرت نانوتوی کے علوم و فیوض
مناظرانہ و تنقیدانہ مضامین کا واقع سرمایہ موجود ہے۔ یہ کتاب اہل رفض و تشیع کے رد میں ہے
برصغیر پاک و ہند میں نویں اور دسویں صدی ہجری تک تشیع و رفض کا فتنہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے
قدیم اوزار میں بھی علماء اہل سنت والجماعت کے جید اور محقق حضرات اس فتنہ کا اپنے اپنے
دور میں رد کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ نے اس فرقہ ضالہ کا اپنی معروف و مشہور کتاب
منہاج السنۃ میں بڑی قوت و شدت کے ساتھ رد کیا ہے۔ امام مجدد الف ثانی نے بھی
اس سلسلہ میں عظیم کام کیا ہے۔ اور پھر ان کے بعد امام ولی اللہ نے اس فتنہ کی بہت
سرکوبی کی ہے، پھر آپ کے فرزند امام عبد العزیز نے ایک ایسی عمدہ کتاب فارسی زبان میں
لکھی ہے جس کے بارہ میں ہمارے استاد محترم امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی
فرماتے تھے کہ "تختہ اثنا عشریہ کا جواب اہل تشیع قیامت تک نہیں دے سکے"۔ ہمارے
اکابر میں سے حضرت نانوتوی نے بھی اس فتنہ کے رد میں متعدد کتابیں ارسال اور کتابیں
لکھے ہیں۔ چنانچہ ہدیۃ الشیعہ جیسی گر افندہ کتاب جو عمدہ اور سہل عام فہم زبان میں تحریر فرمائی
ہے، پھر اجوبہ اربعین کا غیر ہے۔ اس کے علاوہ انبیاہ المؤمنین بزبان فارسی اور فیوضات
قائمہ کے کئی مکاتیب اور دیگر متعدد مکاتیب میں اس فتنہ کا پورا تعاقب کیا گیا ہے۔ کتاب
آب حیات کا ایک بڑا حصہ بھی اس فتنہ کے رد پر مشتمل ہے، وراثت نبوی اور حیات نبوی
کی دقیق بحث بھی کی گئی ہے۔ اجوبہ اربعین کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اہل
رفض و تشیع کی طرف سے چالیس اعتراضات اہل سنت والجماعت پر کئے گئے ہیں،
ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ حضرت نانوتوی نے

ایک سو دن رات میں مکمل کیا ہے اور اس میں ۲۸ اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اور حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مولانا عبداللہ انصاریؒ (سابق ناظم دینیات مدرسہ علی گڑھ) بھی شریک تھے۔ یہ مولانا عبداللہ صاحب حضرت نانوتویؒ کے داماد تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کے چچا زاد بھائی دیوبند کے قدیم فضلا میں سے تھے، بڑے نیک و صالح انسان تھے یہ مولانا محمد میاں انصاریؒ عرف منصور انصاریؒ کے والد محترم تھے منصور انصاریؒ مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد اور مولانا سندھیؒ کے رفیق اور برصغیر ہندو پاک کی آزادی کے عظیم رہنما تھے یہ بڑے عرصہ تک جلاوطن رہے اور جلا وطنی کی حالت میں کابل میں سال ۱۹۲۶ء کو وفات پائی۔ ان کے فرزند مولانا حامد انصاریؒ غازی ہیں جو فاضل دیوبند اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور ہندوستان کے مشہور صحافی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ہر ایک اعتراض کا ایک ایک جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ پہلا جواب حضرت نانوتویؒ کا اور دوسرا جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ کا ہے، بعض جوابات نہایت مختصر ہیں اور بعض کافی طویل ہیں۔ زبان اردو قدیم ہے علم غریق اور فہم دقیق ہے۔ جوابات لا جواب ہیں، جن کے پڑھنے اور ان میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی ضرورت ہے اور انصاف شرط ہے۔

پہلے حصہ میں زیادہ تر بحث مسئلہ خلافت کے بارہ میں تحقیقات پر مشتمل ہے۔ یہ مسئلہ ایک اہم اور اصولی مسئلہ ہے اور خلفاء راشدین اربعہ کی خلافت علی منہاج النبوة ہے۔ اور علی الترتیب ان کے مراتب بھی اسی طرح ہیں جب تک اس اصولی مسئلہ پر یقین نہ ہو۔ دیگر شرائع اور احکام کا ثبوت بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ امام ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”واکثر اہل ایس اقصیم وراثیات خلافت
خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
شکوہ بہم رسانیدند لاجرم نور توفیق الہی در
دل ایں بندہ ضعیف علیٰ را مشروع و مبطوط
اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہو گئی۔ اور عام
لوگوں کے دل ان کے شکوک و شبہات سے متاثر
ہونے لگے اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت

گردانید۔ تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات
 خلافتِ ایں بزرگوارانِ اصلے است از اصولِ دین
 تا وقتے کہ ایں اصل را محکم نیکرند هیچ مسند از
 مسائلِ شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے
 کہ در قرآن عظیم مذکور شد، مجمل است بدون تفسیر
 سلف صالح بجل آن نتوان رسید، و اکثر احادیث
 خبر واحد محتاج بیان بغیر روایت جماعہ از مسند
 آل را، و استنباط مجتہدین از آن متعسک بہ نگرود،
 و تطبیق احادیث متعارضہ بدون سعی ایں بزرگواران
 صورت نیکرود، و ہم چنین جمیع فنون و ذیلیہ مثل علم قرآن
 و تفسیر و عقائد و علم سلوک بغیر آثار ایں بزرگواران
 متاصل نشود، و قد وہ سلف دریں امور خلفاء و
 راشدین است نسک ایشان باذیال خلفاء جمیع
 قرآن و معرفت قرآن متواترہ از شاذہ بہتنی بر سعی
 خلفاء است و قضایا و حدود و احکام فقہ و غیر آن
 ہمہ بہ ترتیب بہ تحقیق ایشان، ہر کہ در شکستن ایں
 اصل سعی می کند بحقیقت ہمہ جمیع فنون دینیہ
 می خوابد

(در ص ۱)

میں شک کر سگے لہذا توفیق الہی کے نور نے اس بات
 ضعیف (اہم ولی اللہ) کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس
 سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں
 (خلفاء اربعہ) کی ایک اصل ہے اصول دین سے
 جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے تو
 کوئی مسند مسائل شریعت میں سے مضبوط نہ ہوگا کیونکہ
 اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بغیر
 سلف صالحین کی تفسیر کے ان احکام کا حل نہیں ہو
 سکتا اور اکثر حدیثیں خبر واحد ہیں شرح کی محتاج ہیں۔
 نیز اس کے کہ سلف کی ایک جماعت ان کو روایت
 کرے، اور مجتہدین ان سے استنباط کریں، قابل
 شک نہیں ہو سکتیں اور نہ بدون ان بزرگوں کی کوشش
 کے متعارض احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی
 ہے اسی طرح تمام فنون و ذیلیہ مثل علم قرأت و تفسیر
 و عقائد و سلوک بغیر ان بزرگوں کے اقوال کے کسی اصل
 پر قائم نہیں رہ سکتے، اور سلف صالحین نے ان امور
 میں خلفائے راشدین ہی کی پیروی کی ہے اور انہیں کے
 دامن کو مضبوط پکڑا ہے۔ قرآن کا جمع ہونا اور
 قرأت شافہ سے قرآن متواترہ کا اقیانوس پانا خلفائے
 راشدین ہی کی کوشش پر معنی ہے اور اسی طرح
 قضائے فرائض اور حدود اور احکام فقہ و غیر انہی
 خلفاء کی تحقیق پر مرتب ہیں لہذا جو شخص اس اصل
 کے ٹوٹنے کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت

تمام فنون دینیہ کو مشاہدہ ہے :

اجوبہ اربعین کا دوسرا حصہ جو بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم حق رقم کا مرہون منت ہے۔ اس میں وقت نظر، زیر کی، عقیق حقائق، و معارف لطائف و نظائر کا گنج گراں مایہ وجود ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس میں متعہ کا مسند مذکور وراثت جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق، صعب اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے حضرت کی تمام کتابیں جو اس وقت تک طبع ہو چکی ہیں ان کا اجمالی تعارف کر دیا جائے۔ بعض کتابیں نایاب بھی ہیں بعض صرف ایک دفعہ یا دو دفعہ ہی طبع ہوئی ہیں۔ حضرت کی تحریرات کے بعض حصے ابھی تک طبع بھی نہ ہو سکے۔ اور وہ دستیاب بھی نہیں۔ حضرت کی تمام کتب و رسائل و مکاتیب کی مدیر طباعت کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ حجۃ الاسلام

یہ بڑے سائز کے ۵ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اردو زبان میں اس میں اسلام کے تمام ضروری عقائد حضرت نانوتویؒ نے اپنے حکیمانہ طرز بیان میں ذکر کئے ہیں۔ اور اس انداز میں ان کی تبیین و تشریح کی ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس کو پڑھ کر اسلام کے عقائد کے بارہ میں اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور غیر مسلم حضرات بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ رسالہ بار بار طبع ہوا ہے اور بہت سے خوش نخت لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اس کے عنوانات حضرت شیخ الہندؒ نے قائم کئے ہیں، یہ رسالہ بھی حضرت نانوتویؒ نے ایک دن رات میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا نام حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید فخر الحسن لکھنویؒ نے تجویز فرمایا ہے۔ یہ رسالہ حکمت قاسمہ کا ایک اہم جز ہے، حضرت مولانا عبید اللہ ندویؒ نے لکھا ہے کہ میں نے مولانا محمد قاسمؒ کا رسالہ حجۃ الاسلام مولانا شیخ الہندؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کی بے مثال اور عجیب و غریب کتاب ہے، افسوس کہ یہ کتاب حضرت مکمل نہیں کر سکے، یہ اردو زبان میں ہے، تمام عقائد دینیہ اصولیہ و فروعیہ کو عقلی استدلال سے قریب الفہم کر دیا ہے اس طرح کہ اگر کوئی غیر متعصب غیر مسلم بھی اس کو پڑھے گا تو اسلام کے نظام عقائد کو بوجہ ہی سمجھے گا، اور اس کو بھی بہت کم اشکالات واقع ہوں گے۔ یہ کتاب بھی بار بار طبع ہو کر خراج عقیدت وصول کر چکی ہے۔ اس کتاب کی ترویج غالباً مولانا سید محمد ریاں صاحب دیوبندی نے کی ہے۔ کتاب کے دیباچہ یا حواشی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز کہیں کہیں مختصر حواشی بھی تحریر کئے گئے ہیں اس میں بعض حواشی حضرت مولانا سید فخر الحسن کے ہیں اس کتاب کی ابتداء میں حضرت نانوتویؒ بنظر خیر خواہی خلافت سب اہل مذاہب خواہ وہ مسلمان ہوں، یا ہندو، یا یو، یا نصاریٰ، مجوس آتش پرست، وغیرہ سب کی خدمت میں دین اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، اور عقل سلیم رکھنے والے سب حضرات سے درخواست کی ہے کہ تعصب کو برطرف رکھتے ہوئے ایک بار اس کتاب کو اقل سے آخر تک پڑھیں۔ اگر حق و باطل کی تمیز ہو جائے تو اس کو قبول کریں، انہیں تو اصلاح کریں۔ پھر وجود صانع، توحید، صفات سے لے کر تمام اعتقادی مسائل کا عقلی ثبوت اور عمدہ تشبیہات سے بیان فرمایا ہے۔ اور عقیدت کے اماموں کے باطل نظریات کی پند و تردید فرمائی ہے۔

صلیٰ اللہ علیہ وسلم انبصار الاسلام

اس رسالہ مبارک میں آریہ سماجیوں کے دس سوالات کے جوابات لکھے ہیں۔ ہر اعتراض کے دو دو جواب حضرت نانوتویؒ نے دیے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے جس سے معترض کو خاموشی کر دیا ہے، اور دوسرا جواب تحقیقی، آریہ سماجیوں اور اس قسم کے دیگر معتبر ضمیمہ حضرات کو ایسے دندان شکن جوابات دیے ہیں کہ ہمیشہ ان لوگوں کو اس قسم کے اعتراضات سے بچنا پڑے گا۔ ہر حق کا بال و پر کی تحقیقات پرستوں کے سامنے رہنا چاہیے اور حق کا علم کرنا چاہیے۔ چنانچہ حواشی تحریر کئے گئے ہیں مولانا سید فخر الحسن دیوبندی

نے کیا ہے۔ رسالہ بارہ طبع ہوا ہے اور ہزار ہا لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔
اس رسالہ کا مقدمہ حضرت نالوتوی کے تلمیذ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی نے تحریر فرمایا ہے
۴۔ قبلہ نما

یہ حضرت نالوتوی کی ایک اہم اور معرکہ الادب کا کتاب ہے۔ یہ دراصل انقضا الاسلام کا
کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ کتاب اسی سماج کے پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کے
جواب میں لکھی گئی ہے۔ دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ میں مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ
مسلمان اہل ہنود پر بت پرستی کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی ایک مکان کعبہ کی طرف
سجدہ کرتے ہیں جو بہت سے یہود کا بنا ہوا ہے۔ حضرت نالوتوی نے اس اعتراض کے
اولیٰ سات جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جواب کافی شافی ہے۔ پھر اس کے
بعد آٹھواں جواب دیا ہے جس کی دو تقریریں کی ہیں ایک مجمل دوسری مفصل، یہ کتاب
نہایت باریک صوف کی کتابت ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے، اکثر حصہ اس کتاب کا
مفصل جواب پر مادی ہے۔ اس میں حقیقت کعبہ حقیقت صلوٰۃ سجدہ کی حقیقت استقبال
کی شرح عابدیت و معبودیت اور تجلی الہی اور خانہ کعبہ کا مورد و محیط تجلی ہونا۔ اور یہ کہ جسم
کی سامت مکان (کعبہ) کی طرف ہوتی ہے اور روح کی تجلی الہی کی طرف، اور یہ کہ مسلمان
اس تجلی الہی کی طرف ہی سجدہ کرتے ہیں، اور وہ تجلی الہی گویا عین معبود ہوتی ہے۔ تجلی کا ورود
خانہ کعبہ پر کس طرح ہوتا ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نہایت ہی
غامض حقائق کا ذکر کیا ہے اور ایسی عجیب علمی بحث فرمائی ہے کہ بلا مبالغہ نہ کسی کان نے سنی ہو
گی اور نہ کسی آنکھ نے کسی کتاب میں دیکھی ہوگی۔ حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ حقیقت صلوٰۃ
وغیرہ جیسے دقیق اور غیر الفہم مسائل کا ذکر کمال متانت و زہانت اور عقل انداز میں کر دیا ہے، عباد
کی حقیقت اور تجلی الہی کے ساتھ مصل کی توجہ و توجہ کی دقیق و غیبی بحث، پھر آخر میں بعد ثبوت
(بعد مہوم) پر بڑا دقیق تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی ترویج و تہذیب مضامین بھی نہیں کی گئی
حالانکہ یہ بارہ طبع ہوئی ہے۔ لیکن دقیق ہونے کی وجہ سے اہل علم نے ادھر توجہ نہیں فرمائی،
لیکن علوم قاسمہ کا ایک بڑا حصہ اس کتاب میں آگیا ہے، سنا تھا کہ حضرت مولانا سید احمد رضا

بجنوری صاحب (انوار الباری شریع بخاری کے مصنف) نے قید نما کی ایک ہزار عنوانات سے تخریب و تسیل کی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ یہ رسالہ ناوہ تحقیقات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے اور اس میں جس طرح عقلی استدلال کئے گئے ہیں ان سے حضرت نانوتویؒ کی بلندی مرتبت نمایاں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری توفیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے مگر اس کا حقہ کتاب حل نہیں ہوگی۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے بھی ایک خاص نسخہ پر اس کی شرح تحریر فرمائی تھی مگر وہ ضائع ہو گئی۔"

۵۔ آب حیات

حضرت نانوتویؒ کی معرکہ الارکار کتاب ایسی دقیق و عمیق اور صعب بلکہ اصعب کتاب ہے حالانکہ اردو زبان میں ہے اپنی وقت کی بنیاد پر شاید ہی کوئی کتاب اس کی مثال ہو ہم نے اپنے استاد شیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ترمذی اور بخاری شریف کے درس کے دوران بار بار اس پر فرماتے تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے یہ کتاب علماء کے امتحان کے لیے لکھی ہے۔ اس کو دیکھنا اور اس کے مطالب کا حل کرنا اور اس کو پوری طرح سمجھنا معرکہ کی چیز ہے ہر ایک عالم کے بس کا روگ نہیں ہے اس کتاب کو کا حقہ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں حضرت نانوتویؒ نے خود لکھا ہے کہ جس طرح ہدیۃ الشیعہ کی تصنیف کا محرک حضرت مولانا گنگوہیؒ تھے اسی طرح آب حیات کی تصنیف کا محرک حضرت پیر و مرشد مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی تھے ان کے ایماء پر مسئلہ حیات الغیبی پر اس کتاب کو ہدیۃ الشیعہ سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا ہے اور اس کتاب کے وہبہ الیٰ اور الہامی حقائق کی تصدیق حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمائی ہے، اس کتاب میں نقیبات یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف منطق پر مشتمل ہے۔ ان کا خیال غلط ہے یہ صحیح ہے کہ نقیبات کے ساتھ عقلیات کا ایک معتد بہ حصہ اس میں پایا جاتا ہے، جو شخص عقائد حقہ سے پوری طرح باخیر ہو اور ان دلائل

سے بھی آگاہ ہو جن سے ان عقائد کی توثیق کے لیے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور مذہب شیعہ سے اچھی طرح آگاہ ہو پھر عام علوم و فنون کے علاوہ عقلیات بالخصوص علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی اور علم کلام وغیرہ میں کمال و رجبہ کا درجہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ مستقل مزاج بھی ہو جو مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور فہم بھی وقاد طبع ذکی اور مزاج سیال رکھتا ہو اور اس میں کسی حد تک تقویت و روحانیت بھی پائی جاتی ہو۔ اور کشف سے بھی فی الجملہ مناسبت رکھتا ہو وہ اس کتاب کو سمجھنے کا اہل ہو گا اس کتاب کے دو تین صفحات مطالعہ کرنے کے بعد فہم و دماغ مزہ ہو جاتا ہے اور اس پر بے حد تھکاوٹ اور بوجھ پڑتا ہے اور اس وقت اس کو ترک کر دینا پڑتا ہے تاکہ پھر کسی روز کے وقت تازہ دم ہو کر اس کا مطالعہ کیا جاسکے، امام ولی اللہ کی کتابوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے بہر حال یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے ۱۲۸۶ھ میں لکھی ہے اور پھر حج کے موقع پر حضرت حاجی امد اللہ نے اس کو پڑھ کر اس کی تصدیق و تصویب فرمائی ہے اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی حضرت خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اس لیے یہ چہچہدان بدترین گنہگار ان زبان و دل سے اس بات کا معترف ہے کہ میرے کلام پریشان میں اگر کوئی سخن دل نشین اہل دل، اور کوئی تحقیق لائق تصدیق اہل حق ہے تو وہ حضرت مرشد برحق ادام اللہ فیوضہ کے اقتساب و توسل کا پھل ہے اور اگر اختلاف و اغلاط اور آئینہ شس خرافات ہو تو یہ غیرہ دروں خود قائل ہے کہ ایسی عقل نارسا ہے اور اپنے اُمح میں غفلت ہے یہی وجہ ہوئی حضرت بیروم مرشد ادام اللہ فیوضہ کے سنانے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جب زبان فیض ترجمان سے آفرین و تحسین سن لی تو اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے منکروں کا کام ہی ہے۔“

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن اب تک کسی صاحب علم نے اس کتاب کی تبویب و تسیل کی طرف توجہ نہیں فرمائی میرے پیش نظر مطبع مجتہبی دہلی کا طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۰۵ء کا مطبوعہ ہے اور بڑے سائز کے دو صد ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کتاب میں حضرت نانوتویؒ مسند حیات النبی پر نہایت نفیس بحث کی ہے کتاب کے جملہ مضامین اور علوم معارف پر بحث کرنا مجھ جیسے کم فہم طالب علم کا کام نہیں ہے۔

مولوی سعید احمد صاحب پالن پوری توفیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: آب حیات
اثبات حیات انبیاء علیہم السلام اس کتاب کا موضوع ہے آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے
زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے اگرچہ اس میں سے ایک معتد بہ حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا
محمد یعقوب صاحب نانوتوی (اولین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کی رائے یہ تھی کہ اسے کوئی نہیں
سمجھ سکتا اس کو نکال دیا گیا ہے۔ اور یہ "اوراق مختصر آب حیات" پچھلا وہ رجسٹر میں ایک
مقام کا نام ہے) میں ہیں غرض اس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے۔ وعلل اللہ سبحانہ
وتعالیٰ یوفیٰ فی لذالک ومعاذ اللہ علیہ بعزیز۔

احقر عبد الحمید سواتی عرض کرتا ہے کہ اولاً یہ روایت جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب
کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ منکر معلوم ہوتی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا محض اس لیے نکال دیا
جائے کہ وہ اوق، اصعب یا غیر الفہم ہے یہ حق صرف مصنف کا ہے کہ وہ خود اپنی کتاب
میں سے نکال دے دو سکر حضرات یا ناشرین وغیرہ کو اس کا حق حاصل نہیں اگر خود مصنف
نے ان اوراق کے استخراج کی اجازت دی ہے تو اس کا ثبوت قطعی ہونا چاہیے۔ اگر یہ اوراق
مصنف کی اجازت کے بغیر نکالے گئے ہیں تو ان کو دوبارہ کتاب کے ساتھ شامل کرنا از حد
ضروری ہے ورنہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً غرض ہے کہ اگر کتاب کے اوق ہونے کی وجہ سے اس کے حصوں کو الگ کرنا عام
ناشرین یا شارحین کے لیے جائز ہوتا تو پھر تمام اوق قسم کی کتابوں میں وہ حصے جو عام فہم نہیں
ہیں وہ نکال دیے جاتے لیکن ایسا کرنا روا نہیں۔

ثالثاً غرض ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی بہت سی کتابیں اسی قسم کی ہیں مثلاً
حجۃ اللہ البالغہ کے بعض مقامات الخیر الکثیر، فیہیات الیہ کے بہت سے حصے بدور بازغہ کے کئی
مقامات التوامع کے کچھ حصے سعطات کے بعض سطعات لمحات کے کئی مقامات،
الغفران البکیر کے بعض مقامات بلکہ شاہ ولی اللہؒ کی بہت سی کتابوں کے کئی مقامات ایسے
ہیں لیکن ان کو کسی شارح یا ناشر نے کتاب سے نکال دینے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ یہ مشورہ دیا
ہے کہ ان کو غیر الفہم ہونے کی وجہ سے نکال دیا جائے۔

۹۔ تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ

یہ مختصر رسالہ حضرت نانوتویؒ کا ایک محرکہ الارارہ اور علمی رسالہ ہے۔ ایک استفتاء کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے رسالہ اپنے استدلال اور علمی نکات کی دقت کی وجہ سے مشکل ہے، بعض لوگوں نے کم فہمی یا اپنی شقاوت کی وجہ سے عبارتوں میں قطع برید و تصدیق و تاخیر کر کے کچھ کا کچھ بنا کر حضرت نانوتویؒ پر تحفہ بازی بھی کی ہے۔ دراصل رسالہ میں حضرت نے آیت ختم نبوت (خاتم النبیین) کی ایسی عالی تحقیق فرمائی ہے جس کی مثال علمی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور ربی ہر طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ آخر میں اساتذہ العلماء حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علی بکھنویؒ اور دیگر علماء کرام کی تصویب و تصدیق بھی شامل ہے۔

۱۰۔ مناظرہ عجیبہ

یہ کتاب بھی حضرت نانوتویؒ کے مکتوبات کے سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں حصہ اول میں محذورات عشرہ جو تحذیر الناس کی عبارتوں پر کئے گئے ہیں۔ اور ان کے جوابات ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں وہ خط و کتابت ہے جو حضرت نانوتویؒ کے ایک ہم عصر عالم مولانا عبد العزیز صاحب نے تحذیر الناس پر جو اعتراضات کئے تھے اور جانبین سے چار چار خطوط میں مولانا عبد العزیز صاحب اعتراضات لکھتے رہے حضرت نانوتویؒ ان کے جوابات تحریر فرماتے رہے بالآخر مولانا عبد العزیز صاحب نے حضرت نانوتویؒ کے موقف کو تسلیم کر لیا۔ جو اہل حق کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مکتوب ثالث میں حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں "اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں" (صفحہ ۱۰۳ طبع قدیم)

اتنی واضح بات کے بعد بھی جو لوگ حضرتؒ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں ان کے بارہ میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسے بد مینوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں روز قیامت میں رو سیاہی کے سوا کیا ہوگا۔

۸۔ مکاتیب حضرت نانوتویؒ

حدید طباعت میں اس مجموعہ کا نام قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم ہے۔ یہ فارسی زبان میں رسائل مکتوبات کا مجموعہ ہے اس کی ترتیب و تبویب و تسہیل و تخریج و ترجمہ حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دیوبند، فیصل آباد کی نے کیا ہے اور لاہور سے طبع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ پہلی طباعتوں میں چار حصوں پر مشتمل تھا لیکن اب اس کی ایک ہی جگہ مترجم شکل میں جمع کر کے طباعت کرائی گئی ہے۔

اس میں بعض مکتوبات بہت اہم ہیں مثلاً مکتوب شرح حدیث ابی زبیرؓ بہت مشکل اور اہم مکتوب ہے۔ اس کا ترجمہ اور تفہیم ابھی بہت کچھ ناکافی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک بھی بہت مشکل حدیث مانی جاتی ہے۔ محققین نے اس حدیث کی شرح اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ امام عبدالمکریم جلیؒ نے الانسان الکامل میں اور امام ولی اللہ دہلویؒ نے فیوض الحرمین، الدر الثمین اور تفہیمات الیہ وغیرہ کتب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے کتاب الاسرار والصفات میں اور شیخ ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں اس حدیث پر بحث کی ہے۔ اس میں غار کا مضمون متعین کرنا اور نیز فوقیت تحتیت مکان ظرفیت وغیرہ کی وجہ سے اشکالات پیدا ہوتے ہیں اور مسئلہ بھی اہم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اور تجلیات کی بحث، یہ مکتوب بھی فارسی زبان میں ہے۔ علوم قاسم کی وقت اس میں نمایاں ہے۔ مکتوب صعب بلکہ اصعب ہے۔ اس پر بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہے اور اس کی تبویب و تسہیل اور باب حکمت قاسم کے لیے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اسی طرح حکمت انبیاء کا مکتوب بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے عمدہ طریق پر حضرت انبیاء کا مسئلہ حضرت نانوتویؒ نے بیان فرمایا ہے، اختصار و جامعیت کے ساتھ ہزاروں صفحات سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ جی جن حضرات نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ان سب کے دلائل کی قوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ محکمین کی عام کتابوں میں ایسی عمدہ بحث اس مسئلہ پر کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی طرح ما اهل البیت اللہ کے موضوع پر جو مکتوب ہے وہ بھی اپنی نظیر آپس میں اس مکتوب کا اردو ترجمہ اور تبویب و تسہیل حضرت مولانا مفتی محمد علی

خان صاحب گورمانی مہنچی مدرسہ نضرۃ العلوم نے کی ہے، جو بہت عمدہ ہے اگر طبع ہو جائے تو بہت مفید ہوگی امید ہے کہ عنقریب یہ بھی طبع ہو جائے گی۔

باقی مکاتیب بھی علمی نکات کے لبریز ہیں اور ہر ایک مکتوب اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسلام کے بہت سے شرائع و قوانین، احکام کی علل و مصالح اسباب خفیہ اور حکم غامضہ جس طرح ان مکاتیب سے سمجھ میں آتی ہیں از عہد اہم اور لا جواب ہیں۔

۹. تصفیۃ العقائد

اس رسالہ میں جو اردو زبان میں ہے سر سید احمد خان بانی علی گڑھ کالج کے پندرہ سوالوں کے جوابات ہیں۔ جن میں حضرت نالوتومیؒ نے سر سید احمد خان صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کی نیچریت کا نہایت لطیف انداز میں رد فرمایا ہے، اور سب کو لا جواب کر دیا ہے، اور ضمناً علم و حکمت کے بے شمار حقائق آگے آئے ہیں۔ آخر میں حضرت نالوتومیؒ کا ایک مکتوب ہے سر سید احمد خان صاحب کے نام جو اصحانہ اور مبلغانہ انداز میں احتیاق حق کے لیے لکھا گیا ہے۔

۱۰۔ اہل قرآنی

یہ مختصر سا رسالہ ہے فارسی زبان میں ہے جس میں مختلف آیات قرآنیہ کے بارہ میں مولانا محمد صدیق صاحب مراد آبادی نے سوالات حضرت نالوتومیؒ کی خدمت میں دیکھ کر بھیجے تھے۔ جن کے جوابات حضرت نے تحریر فرمائے ہیں اور بہت سے اشکالات کو رفع کیا ہے آخر میں مؤلفین کی حکیمانہ تفسیر ہے۔ اور مثنوی رومی کے ایک مشکل شعر کی شرح ہے۔ و حقیقت یہ بھی مکاتیب کے سلسلہ میں شامل ہے۔

۱۱۔ تحفہ الحیہ

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت نالوتومیؒ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رد لکھا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے۔ حضرت نالوتومیؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اور ان کی ہڈیاں اور دیگر

اجزاء کا استعمال کرنا اور ان سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کونسا نسا فیکے۔

۱۲۔ انتباه المؤمنین

یہ مختصر سالہ فارسی زبان میں ہے۔ اور ترمذی شریف کی اس حدیث کی شرح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کی ایک فضیلت کی خاص وجہ بیان فرمائی ہے۔ یہ مثال تحقیق پر مشتمل ہے۔ رسالہ کے آخر میں مولانا شاہ اسماعیل شہید کا ایک مکتوب عربی زبان میں ہے جو انہوں نے شیخ عبداللہ بغدادی کے نام لکھا تھا اور تقویت الایمان کے بارہ میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

۱۳۔ میلہ خدا شناسی

اس رسالہ میں اس مذہبی مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی روئیداد مذکور ہے جو ۱۲۹۳ھ میں شاہجمناپور میں ہوئی تھی جس میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے حصہ لیا تھا۔ ہندو، عیسائی اور مسلمان سب ہی اس میں شریک ہوئے تھے۔ اور اہل اسلام کو اس میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس بحث میں حضرت نانوتویؒ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حضرت کی تقاریر اور جوابات اس میں درج ہیں۔

۱۴۔ مباحثہ شاہجمناپور

اس مجموعہ میں حضرت نانوتویؒ کی وہ تقاریر ہیں جو آپ نے ۱۲۹۵ھ میں مختلف عیسائی پادریوں اور ہندو پٹتوں کے اعتراضات کے جوابات میں کی تھیں۔ پنڈت دیانند مہر سوتی۔ پنڈت اندرمین۔ پادری اسکات جو انجیل کا مفسر مانا جاتا تھا اور پادری ٹولس وغیرہ معترضین نے جو مختلف اعتراضات اٹھائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو کس چیز سے پیدا کیا ہے اور ذات باری تعالیٰ محیط کل کس طرح ہے؟ اور خدا تعالیٰ اگر عادل ہے تو پھر رحیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم کے کلام الہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بائبل کیوں الہامی نہیں اور وید کے الہامی ہونے میں کیا چیز مانع ہے؟ نجات کس چیز میں حاصل ہو سکتی ہے؟ وغیرہ۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی تقاریر میں ان سب اعتراضات کے جوابات باحسن طریق ذکر کئے ہیں۔ اور اسلام کی حقانیت کے عقلی و نقلی قومی دلائل بیان فرمائے ہیں جو تمام

اہل عقل و ضرر کے لیے سامان طمانینت پیدا کرتے ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھ مخالفین کے
دو کے لیے بے مثال قوی دلائل کا ذخیرہ آتا ہے۔

۱۵۔ توثیق الکلام فی الانصاف تحلف الامام

یہ اردو زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت نالوتویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام
کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنی ممنوع ہے نقلی دلائل کے ساتھ زیادہ تر عقلی انداز میں یہ مسئلہ
سمجھا دیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

۱۶۔ الدلیل المحکم

اس رسالہ میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تحقیق بیان فرمائی۔ دتوثیق الکلام
اور الدلیل المحکم وہ حقیقت ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زائد
ہیں ان دونوں کی شرح و تفسیل و اضافہ عنوانات تمہید مقدمات وغیرہ دارالعلوم دیوبند کے
استاذ مولانا سعید احمد پالن پوری لے کی ہے۔ اور اس کا نام ”کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟“
تجویز کیا ہے اور مکتبہ وحید یہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔

۱۷۔ لطائف قاضی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور تراویح کا مسئلہ اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۸۔ جمال قاضی

اس رسالہ میں حضرت نالوتویؒ کے دو مکتوب ہیں۔ جو حضرت مولانا سعید جمال الدین
دہلویؒ کے خطوط کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک مکتوب میں محدثین
کی تشریح ہے اور دوسرے میں سماع موتی کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا سعید جمال الدین دہلویؒ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ حضرت
نالوتویؒ سے ہم نے ”سؤالات ہندوہ۔ مینت۔ فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ جبر ثقیل وغیرہ
علوم میں، ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ واللہ اعلم کہ حضرت نالوتویؒ کو ان سائل
کے لکھنے کا موقع پیش آیا یا نہیں، اور یہ کہ یہ رسائل کس کے پاس ہیں۔ اسی طرح حضرت
مولانا سعید فخر الحسن گنگوہیؒ انصار الاسلام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اور جناب مولانا کی

وہ تحریریں جو زیر طبع اب تک نہیں آئیں۔ اور وہ کوئی سوچا ہوا ہوں گے ان کے شائع کرنے پر بندہ نے کمر ہمت باندھی تو ہے۔ خداوند کریم مدد کرے۔ آمین۔

۱۹۔ فیوض قاسمیہ

یہ مجموعہ حضرت نانوتویؒ کے کچھ مکاتیب پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے آپ سے دریافت کئے تھے۔ بعض میں شیخہ حضرات کے اعتراضات کے جوابات ہیں، اور کچھ اعتراضات وہ ہیں جو حضرت کی کتاب دریتہ الشیعہ پر اٹھائے گئے تھے ان کے جوابات دیے ہیں ایک مکتوب جمعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے نیز یہ کے ایمان اور عدم ایمان کی بحث۔ نذر لغیر اللہ کی تحقیق۔ علم غیب مختصر ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ سری و جبری قرآن کی حکمت بدعت و سنت کی تحقیق۔ تصویب کا مسئلہ۔ اور نفس کی تحقیق وغیرہ پر مشتمل ہے۔

۲۰۔ مصابیح التراویح

بزبان فارسی۔ بڑے سائز کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مسکوتہ تراویح کی وضاحت ہے اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تشریح اور سینکڑوں عدد رکعات تراویح کا ثبوت شرعی و عقلی دلائل سے، اور یہ کہ بیس تراویح پڑھنا سنت کی فرض ہے یہ بدعت نہیں اسکو بدعت شمار کرنے والے حضرات غلو و تعدی کا شکار ہیں اور زیادتی کے مرتکب ہیں۔ اور حدیث علیکد بسنتی و سنت الخلفاء العاشرین کی تشریح بیان کی گئی ہے۔

ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے یہ غیر مترجم ہے، اس کو ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند نے طبع کرایا ہے۔ یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے اپنے تلمیذ رشید مولانا سید احمد حسن امروہیؒ جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں تھے۔ ان کے ایک استفتا پر جو انہوں نے حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے جواب میں لکھی ہے نہایت اعلیٰ تحقیقات پر مشتمل ہے مولانا سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ۔

اس کتاب کا ترجمہ مولانا شعیب احمد صاحب دیوبند نے کیا ہے جو دارالعلوم کے نام سے شائع ہوا ہے مگر اس سے کتاب کا حق حل نہیں ہوتی ہے۔ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔

۲۱۔ الحق الصریح فی اثبات التزویج

یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں مصابیح التزویج کی طرح سینٹس تراویج کے اثبات میں لکھا گیا ہے یہ بھی ایک صاحب جناب عبدالرحیم خان صاحب کے مکتوب کے جواب میں حضرت نالوتوی نے لکھا ہے۔ اور اس میں سینٹس رکعات کی مخالفت کرنے والے حضرات کے تعصب و بہت وصرمی کو ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سائب بن یزیدؓ کی روایت پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس کا جواب حضرت نالوتوی نے دیا ہے اور متعصبین کی افسوسناک حالت کو خوب اشکارا فرمایا ہے۔

۲۲۔ اسرار الطہارۃ

یہ بھی مختصر سا رسالہ ہے اور اس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت نالوتوی کی تحریرات حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں طہارۃ کے اسرار و حکم اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ قصیدہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضو ہوتے ہیں اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں۔

۲۳۔ قصائد قاسمی

اس رسالہ میں حضرت نالوتوی کے چند قصائد ہیں ایک قصیدہ بہار یہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں زبان اردو میں ہے جس کے ایک ایک شعرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت و گماں و تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ ایک قصیدہ عربی زبان میں ہے جو ترکی خلافت کے خلیفہ وقت سلطان عبدالحمید کے بارہ میں لکھا ہے بڑا معیاری قصیدہ ہے زبان کے اعتبار سے کسی مقدم شاعر کی فصاحت و بلاغت سے کم نہیں اس طرح ایک قصیدہ فارسی زبان میں ترکی خلافت کے متعلق ہے۔ اس دور میں علماء و یوہنہ کا ایک بنیادی نظریہ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اتصال تھا جس کے نمائندہ ترکی تھے۔ ایک قصیدہ میں اپنے رفیق شہید حضرت حافظ صنامن کا مہر شہید لکھا ہے اور شجرہ منظرہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس مجموعہ میں کچھ قصائد دوسرے اکابر کے بھی ہیں مثلاً مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فیض الحسن

مولانا محمد یعقوب صاحب کا بھی ایک ایک قصیدہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔

۲۴۔ حاشیہ بخاری شریف

آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت نانوتویؒ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد علی سہانپوریؒ کے حکم سے بالکل اسی انداز میں جس طرح حضرت سہانپوریؒ نے لکھا ہے۔ تحریر کیلئے ہے۔
آخری حصہ کے مشکل مسائل کا خوب حل کیا ہے۔

۲۵۔ فتویٰ متعلقہ اجرت تعلیم

جس میں حضرت نانوتویؒ نے دینی تعلیم پر اجرت لینے کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر محققانہ طریق پر بحث کی ہے۔

۲۶۔ جواب ترمذی بستر کی

یہ رسالہ دراصل حضرت نانوتویؒ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کے اشارہ اور حکم سے آپ کے قلمیہ حضرت مولانا عبد العالیؒ نے حضرت نانوتویؒ کے افادات سے اور آپ کے طرز استدلال سے آریہ سماجیوں کے ایک رسالہ کے رد میں لکھا ہے۔ رسالہ آریہ سماجیہ بابت ماہ اساتذہ ۱۹۳۶ء بمقام ۱۲۹۶ھ میں لالہ انسداد لال آریہ سماجی نے اسلام کے متعلق بعض غلط قسم کے اعتراضات کئے تھے۔ انکا جواب اسی کی زبان اور محاورہ میں دیا گیا ہے یہ قدیم طباحت میں ۶ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ بھی بہت سے علمی افادات پر مشتمل ہے۔ اور اس کے عنوانات وغیرہ کا اضافہ اور تیسریل مولانا اشفاق احمد دیوبندی مدرس دارالعلوم نے کی ہے۔ اور براہین قاسمیکہ کے نام سے مجلس معارف القرآن کی طرف سے عمدہ کاغذ و کتابت کے ساتھ دیوبند سے طبع ہوئی ہے۔

۲۶۔ ہدیۃ الشیعہ

۱۲۸۳ھ میں شیعہ کے کچھ اعتراضات کے بارہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک خط حضرت نانوتویؒ کی طرف لکھا تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر روانہ فرمائیں۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے متفرق اوقات میں ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر ماہ صفر ۱۲۸۴ھ یعنی چند ماہ میں اس کو مکمل کیا اور اس کا نام ہدیۃ الشیعہ رکھا اس کتاب

میں شیعہ حضرات کے تمام اور مابہ الاقبیاز مسائل کا ذکر کیا ہے۔ خلافت، صحابہ کرام کا ایمان و مقام
 شیعوں کا عقیدہ و تفسیر، مباحث فذک، وراثت وغیرہ۔ حضرت نانوتوی نے قرآن کریم اور
 وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھر ان روایات سے بھی جو مسلم عند الشیعہ
 ہیں، تمام اعتراضات کے لیے مسکت جوابات دیے ہیں کہ ان کے جواب سے ان شاء اللہ
 شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔
 اور اس میں منطقی اصطلاحات وغیرہ کا ذکر بھی کم ہے۔ اس سے عام تعلیم یافتہ حضرات بخوبی استفادہ
 کر سکتے ہیں۔ اور اس کتاب میں ضمنی ایسے عجیب و غریب علمی نکات بیان کئے گئے ہیں
 جن سے اہل علم کو ایقان و اذعان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین
 قیم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ و غلط فہمی بھٹی، یہ کتاب اس پر دلیل ہیں ہے، یہ کتاب پاکستان
 میں دوبار طبع ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ کراچی میں۔ پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا محمد اسلم
 صاحب (سابق خطیب مسجد ہیڈ کوارٹر کراچی) نے کتاب میں جا بجا عمدہ مفید عزائمات قائم کئے
 ہیں جس سے کتاب کی اچھی شہرت و پھیل سے اس کتاب کے مضامین و مسائل زیادہ قریب الفہم
 ہو گئے ہیں ساتھ کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے نیر عطا فرمائے اور اس
 کی دوسری طباعت لاہور میں مکتبہ نغانیہ والوں نے کرائی ہے۔ بہر حال جو حضرات فرقہ شیعہ کے
 ساتھ مبتلا ہوتے ہیں ان کے لیے بالخصوص اور عام اہل علم کے لیے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ
 از حد ضروری ہے اور غایت درجہ کا مفید۔

۲۸۔ اجوبہ اربعین

یہ اردو زبان میں پہلی طباعت سے دو حصوں میں تقریباً اٹھائی صد صفحات پر مشتمل
 ہے اور اس کتاب میں شیعہ حضرات کے چالیس اعتراضات کے جوابات ہیں۔

مولانا سعید احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے توثیق الکلام کے مقدمہ میں حضرت
 نانوتوی کی کتابوں کا تعارف بھی مختصر طور پر کرایا ہے، اسی ضمن میں حضرت نانوتوی کی چند
 مزید کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

۲۹۔ اجوبۃ الکاملۃ فی الامولۃ الخاملۃ (اردو) کسی شیعہ کے پانچ لغو قسم کے

اعترافات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

۳۔ مکاتیب قاسمی (فارسی)

یہ مسائل سلوک پر چند مکاتیب ہیں۔

۴۔ الحفظ المقسوم من قاسم العلوم (عربی)

یہ جہت الذی لا یجوزی کاشیات اور سماع و غناء کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ حضرت نازکی
کے تلمیذ مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری کے نام یہ دو مکتوب ہیں۔ جو فصیح عربی زبان میں ہیں۔

واللہ اعلم

احقر عبد الحمید سواتی

خادم مذبہ نصرة العلوم کوہ بر النوالہ

ماہ شعبان ۱۴۱۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

(طبع اول ۱۲۹۱ھ از ناشر)

بعد حمد خداوند متعال و صلوٰۃ و سلام بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جمیع اصحاب و آلؑ بندہ احقر
و بے ثبات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ ان دنوں بعض عقل کے کچے مذہب کے متزلزل لوگوں نے
چند سوال شیعوں کی جانب سے پیش کیے، ہر چند کہ یہ مضامین قدیمی اور پرانے تھے جن کے جواب
بارہا علما اہل سنت و جماعت نے دیئے اور لکھے مگر عادت ان مذہب والوں کی ہے کہ انہی
باتوں کو رنگ بدل کر پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ اٹھائیس سوال اسی قبیل کے تھے، جواب
ان سوالوں کے مشفق و مکرم مولوی عبداللہ صاحب انیسٹروی فرزند رشید مولوی انصاری صاحب نے
لکھے تھے زال بعد ہی سوال جناب فخر الاماثل مرجع الافاضل جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی
کی خدمت میں پیش ہوئے، تو جناب موصوف نے بھی باصرہ احباب قلم برداشتہ ایک روز و شب
میں اس کے جواب تحریر فرمائے۔ یہ دونوں تحریریں بندہ کو ملے آئیں اور مناسب زمانہ یوں معلوم ہوا کہ یہ گہر
بے بہا یوں ہی چھپے مذہب میں بلکہ چھپکے مشتمل ہو جائیں اس لیے اس کی طرز مناسب یوں تجویز ہوئی کہ اول
سوال لکھا جائے بعد اس کے جواب جناب مولوی محمد قاسم صاحب کا، اس کے بعد جواب مولوی عبداللہ
صاحب کا اور ان جوابوں کا ایک حصہ قرار دیا جائے چنانچہ یہ حصہ اول نمبر اور ان جوابوں کے اخیر میں دونوں جواب
نے چند سوال علماء شیعہ سے کئے ہیں اگر کوئی صاحب اس رسالہ پر کچھ تحریر فرمائیں تو ان سوالوں کے جواب
لکھنے کی بھی محنت کریں اور بعد اس کے چند مسائل اور کہ مذہب شیعہ کے اصول مذہب سے ہیں اس پر کچھ تحریریں مولانا
مولوی محمد قاسم صاحب کی ہمارا کھائی ہیں اس کو مدد کر کے دوسرے حصہ قرار دیا اب یہ کل جوابات چابلی ہو گئے اور
اس مناسبت نام اس مجموعہ کا اجوبہ باربعین رکھا گیا، اللہ جل شانہ سعی احقر کی مقبول فرمائے۔

(مقدمہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی
رسوله سید المرسلین وآله وصحبه وازواجہ اجمعین

(سبب تالیف کتاب)

بعد حمد و صلوة کے یہ خادم خاص ثمہ قائم اپنے مخدوم و مکرم مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں عرض سلام و نیاز کے بعد عرض پر راز ہے کہ آج بروز چار شنبہ معلوم نہیں تاریخ ۱۶ ہے یا ۱۷ آپ کا والا نامہ لاوڑ سے میسر سے پاس آیا دیکھا تو ایک طواری کا طوار تھا شہیدان کے دوسروں کو بھی مات کیا، دیکھ کر دل بہت گھبرایا۔ جی میں کہتا تھا یہ ناگہانی بلا اوقات کھونے کے لیے کہاں سے سر پہ آپڑتی، پھر تیسرے حاصل نہ وصول، شیعوں کی راہ پر آنے کی امید نہیں ابھر دل کا اہل کا یہ خیال تھا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب ہی نے ان سوالوں کی اپنی لاجل سے کیوں نہ خبر لی، میں کجا اور دیوبند کجا، مگر کچھ آپ کا خوف کچھ حاجی صاحب کا لحاظ چارونا پچار قہر و ریش بر جان درویش۔ جب اور وقت فرصت نہ ملی تو اس وقت بعد مغرب لے کر بیٹھا اور اپنے اوقات کے غور پر کمر باندھی، مولانا امیری کم فرصتی کا کچھ حال نہ پوچھنے، صبح کو ۱۲ بجے، شام کو

لے دارالعلوم دیوبند کے اول صدر مدرس اور حضرت امام فوقانی کے استاذ زاوہ اور حضرت کے شاگرد بھی ۔

مولانا محمد علی صاحب کے فرزند۔ اس سے مراد حاجی ظہور الدین صاحب ہیں جو سوا حضرت مولانا زکریا کی خدمت میں
لے تھے ۱۲۔ ہرگز

دن چھپے پر کیا چھوٹتا ہوں نہ عقل ٹھکانے نہ ہوش بجا میں کہیں، دل کہیں، تپہ عقل کی نارمانی
اور اوپر کی بے سرو سامانی، اور اور نامہ بر یعنی حاجی ظہور الدین کو گھر کا یہ شوق کہ کل کے جاتے آج ہی
جانے کو تیار۔

(استاذ زادہ کی تعظیم و فرمانبرداری۔)

بہر حال یہ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ مجھ سا کاہل باوجود جھوم موال اور گم گشتی سامان کتب
اس ناامیدی پر کہ سائل کو خدا ہی راہ پر لائے تو آئے، قلم اٹھاتا ہوں اور بنام خدا جو کچھ خیال نارمانی
گفہ آ ہے لکھتا ہوں۔ پر یہ ڈر ہے کہ قلم کی باگ چھوڑ دیجئے تو پھر دیکھئے کب انتہا آتی ہے، اور
روکے تو کہاں تک روکے۔ اس شش و پنج میں بارہا یوں خیال آتا ہے کہ مولانا اس ناکارہ کو مٹا
رکھتے تو بہت مناسب تھا اور انصاف سے دیکھئے تو میری دشمنی بجا بھی ہے آپ کے ہوتے
میری کیا ضرورت؟ اور اگر آپ کو فرصت نہ تھی تو مولوی عبدالحق مولوی عبداللہ مولوی محمد حسن
مولوی فخر الحسن مولوی خلیل احمد مجھ سے کس بات میں گم تھے، پھر آپ کی (طوفان) اصلاح ہو
جاتی تو چاندی کا سونا بن جاتا، (ان علماء کے سامنے) قاسم کیا بکھنے لگا۔ مولانا آپ کا ارشاد بہر
یہ اپنی کیفیت بے اختیاری کا بیان تھا، انتقال امر میں بندہ نے چون تک نہیں کی یہ گشت نامی
نہیں آپ کے اخلاق پر ناز تھا۔

(ضمدی ہٹ و حرم کی اصلاح نہیں ہوتی۔)

دیکھئے یہ آپ کا خادم سرسبز باغیاز رکھ کر بسم اللہ کرتا ہے، مخدوم من! مجھ کو امید نہیں
کہ سائل راہ پر آئے، انداز سوال کچے دیتے ہیں کہ یہ اوپر کی بات نہیں اس میں تہ دل کا ملا ہے
ہاں خدا کو سب قدرت ہے ورنہ اپنا تجربہ اور پرانے افسانے سب اسی بات پر شاہد ہیں کہ
جیسے کنواں تو ایک پیشاب کے قطرہ سے ناپاک ہو جاتا ہے، اور قطرہ پیشاب بہت سے پانی
مثل دریا سے بڑے تو پاک ہو، ایسا ہی اہل اسلام کے بچہ بچانے کے لیے تو ایک قطرہ بھی کافی
ہے، اور اہل خطرہ بہت سے لاکھوں سے بھی درست نہیں ہوتے۔

(اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت نامہ)

بنی اسرائیل کو دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا احسان کیے۔ راہ اسلام تعلیم کیا
سوکیا! فرعون کے کس عذاب کا بچایا، تیسرے تسلیم احکام میں کس قدر قین پانچ کرتے تھے پہاڑوں
کو اٹھا اٹھا کر ان کے سر پہ معلق کر دکھایا، اور گرنے سے ڈرایا تب کہیں انہوں نے احکام کو تسلیم کیا۔
مخدوم من! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیسے کیسے معجزے دیکھتے تھے، اور باخبر نہ ہوتے
تھے، ہاں سامری نے ایک کرشمہ دکھایا اور سب کو گمراہ کر دیا، اس کرشمہ اور ان معجزوں کو کیا نسبت؟
غور سے دیکھئے تو یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا۔ نہ حضرت جبریل علیہ السلام گھوٹے پر
سوار ہو کے ان کی مدد اور حفاظت کے لیے آئے، نہ ان کے گھوٹے کی خاک پا سبز ہوتی، نہ یہ
آشیر و کچھ کر سامری اٹھا کر لاتا، نہ یہ کرشمہ دکھاتا، غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات
عظیمہ کہ کسی نبی کے ہوئے ہوں گے، کجا، اور یہ کرشمہ ظاہری کجا، کہ دھوکہ ہی دھوکہ تھا، اور وہ
بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل، پھر تیسرا ان معجزات کا کچھ اثر نہ ہوا، پر اس کرشمہ پر سات
بنی اسرائیل باوجودیکہ نبی زادے تھے، قدیم کے مسلمان تھے، نیک بد، بھلے بڑے کو پہچانتے
تھے، لٹو ہو گئے اور ایمان کھو بیٹھے!

مولانا یہاں بظاہر ہیں نظر آتا ہے سامریان شیعہ کی یہ دھوکہ بازی جتنا کام کر گئی ہے، میرے
جوابات و تدان شکن سے وہ امید نہیں۔ ہاں یہ بھی امید نہیں کہ علماء شیعہ میں اگر کچھ حیا ہو، تو چہرہ
اس طرف کو منہ بھی کریں۔

(اٹھائیسواں سوال واصل ایک ہی سوال ہے)

مولانا! ہر چند سوالات مرسلہ دیکھنے میں اٹھائیس ہیں، پر اہل فہم جانتے ہیں کہ وہ حقیقت میں
ایک سوال ہے، مطلب سب کا فقط اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی بڑائی ہے اور اس کی ویسی مثل ہے جیسے کسی حجام نے کہا تھا: استاد حجام نانی میں اور میرا بھائی
گھوڑا اور گھوٹے کا بچہ غلام کو آپ جانتے ہیں: سو جیسے اہل فہم کے نزدیک حجام کی یہ عبادت
ایسی نہیں کہ اس پر کان سکے، ایسے ہی اہل عقل کے نزدیک شیعوں کی یہ دھوکہ بازی اس قابل
نہیں کہ فریب کھائے، پر کیا کیجئے عقل بہت دن ہوتے اٹھ گئی، کوئی کوئی صاحب عقل نظر

آگے ہے۔ ناپاکیا پس خاطر اثناء روزگار اول ایک جواب اجمالی معروض ہے بعد ازاں تفصیل وار
 ہر سوال کا جواب عرض کروں گا آپ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے، کہ جواب اجمالی کس کے لیے ہے
 اور جواب تفصیلی کس کے لیے، یہ میں بھی ادروں کو بتانے کے لیے بتائے جاتا ہوں، مخدوم صاحب
 جواب اجمالی تو فقط اہل عقل اور انصاف کے لیے ہے، جن کی بصیرت و دانش تیز اور سینہ صاف
 ان کے حق میں ان اٹھائیس سناروں کی کھٹ کھٹ کے سامنے وہ اعمال ایسا ہوگا کہ انشاء اللہ
 جیسے لوہار کی ایک، اور جوابات تفصیلی ان کے لیے ہیں جن کو عقل سے بہرہ، نہ غم سے طلب
 اب قلم کو بہت تمام تمام کر مختصر مختصر عرض پر داز ہوں۔

(سب کا اجمالی جواب) ہم اقول جواب اجمالی ہے حاصل ان سب سوالوں کا اگرچہ بادی النظر
 میں جدا جدا معلوم ہوتا ہے بلکہ سارہ لوح قریوں سمجھتے ہوں گے کہ یونہی اتفاقی باتیں ہیں لیکن
 موافق مصرعہ مشہور ہے کہ

ہم خوب سمجھتے ہیں تیرے بھید کی باتیں

سوالات مذکورہ کا مطلب ہم سے پوچھتے، سائل کو نہ حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلب ہے
 نہ کسی کے اجماع سے غرض، اس کو اپنے مطلب سے مطلب ہے، غرض اصلی اس کی فقط یہ ہے کہ
 مستحق خلافت فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اور لوگ زبیدی خلیفہ بن بیٹھے، ان پر ظلم
 کیا، اور اس ظلم کا بار اپنی گردن پر لیا، بایں ہمہ وہ لوگ خطا وار، گنہگار، منافق، بے دین، بد آئین،
 بے وفا، سراپا وفا، دل کے نامور، نیتوں کے خراب تھے (معاذ اللہ) اگر بالفرض والتقدیر حضرت
 علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے، اور کسی کا خلیفہ ہونا جائز بھی ہوتا، تو ایسے اوصاف والوں کا خلیفہ
 ہونا تو پھر بھی جائز نہ ہوتا، جس نے ان سوالات کو لکھا ہے اس کی غرض اس کو تو معلوم ہی ہے
 پر جس نے غور سے دیکھا ہو گا وہ بھی سمجھ جائے گا کہ مطلب اصلی یہی ہے، اور سب باتیں ہیں۔
 اب ہماری بھی سنئے، سائل نے کچھ صراحت کچھ کنایہ اصحاب کرام حضرت خیر الانام صلی اللہ
 علیہ وسلم خصوصاً اصحاب ثلثہ فیہ پر اعتراض کئے، اور پھر ان میں کوئی دلیل ایسی نہیں، کہ جو کلام
 اللہ سے ماخوذ ہو، بلکہ فقط چند شعبے ہیں جن کا جواب عاقل کو تو بے تامل اور کم عقل کو بھڑکنے
 سے تامل کے بعد معلوم ہو جاتا ہے۔

(صحابہ کرام کی تعریف میں چار واضح ترین آیات)

پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریفیں عموماً اور خصوصاً کلام اللہ میں اتنی ہیں کہ گنیے
تو انھیں سائل سوالوں سے رکئی گئی، زیادہ ہوں گی، سب کی تو گنجائش نہیں، پر بمقدار عدد چار
یار چار آیتیں شائقوں کے لیے منقول ہیں۔ اول (پہلی آیت)

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِيمَانٍ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (پلے ۲) حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ اول ہجرت میں سبقت
کرنے والے اور انصار اور جن لوگوں نے ان کی خوبی اور احسان سے پیروی کی اللہ ان سے
راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور ابھی سے تیار کر رکھی ہیں ان کے لیے جنتیں جن کے
پچھے سے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے۔ یہ بڑی مراد ہے؟

اب دیکھئے اللہ تو بشارت آیت مسطورہ ان سے ایسا راضی ہوا کہ خدا اس کا ہزارواں
حصہ ہی اوروں کے نصیب کرے۔ پر سائل اور حضرات شیعوں تیسرا راضی نہیں کیے یہ وہی مٹنے کی
ایک ٹانگہ ہے کہ نہیں؟

دوسری آیت

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ
يُمْشَوْهُمْ رِجَالًا بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ
وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ○
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ
عَظِيمٌ ○ (پلے ۳)

اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے
اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر آئے، اور جان و مال سے خدا کی
راہ میں جہاد کیا، وہ لوگ سب میں ٹپے درجے والے ہیں،
اللہ کے نزدیک اور اصل مراد کو وہی پہنچے ہیں بشارت
دیتا ہے انکو ان کا رب اپنی رحمت کی اور اپنی خلدندی
کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لیے ہمیشہ کی راحت
اور نعمت اور پھر وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک
اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

اس آیت سے صاف روشن ہے کہ مہاجرین اولین کے برابر اس امت میں کسی کا

ترجمہ نہیں اس میں کوئی ہول امام ہوں یا امام زادے پھر تیسرے شیعہ بارہ کے بارہ اماموں کو اوروں سے افضل بتاتے جاتے ہیں اور اس پر بھی پس نہیں کرتے فوارہ لعنت بن کمر اپنی عاقبت رہی سہی بھی خراب کر لیتے ہیں۔

تیسری آیت

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ
أَخْرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن
يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ ۝

ترجمہ اس کا یہ ہے ہماری طرف سے ان لوگوں کو بھی اجازت ہوئی جن سے کفار قتل کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مظلوم تھے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ کون لوگ ہیں جن کو بے قصود ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، فقط اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

(پہا ج ج ۵)

پھر اس کے بعد انہیں لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ (ایضاً)

یعنی وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کا بادشاہ بنائیں تو وہ اوروں کی طرح عیش و عشرت میں نہ گزاریں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیک باتوں کا حکم کریں گے، بُری باتوں سے منع کریں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کامل، مکمل اور ہادی ہمدی ہیں بذاتِ خود تو ایسے کہ عبادِ ربی اور ممالی دونوں میں پورے، اور ان کے لیے ہادی ایسے کہ بھلے کام سے چوکنے نہ دیں، اور بڑے کام کے پاس پھٹکنے نہ دیں، اور کھئے خدا تو مہاجرین کی نسبت علی العموم لیاقت خلافت کی گواہی دے، پر حضراتِ شیعہ کی کچھری میں خدا کی بھی نہیں سنتے یہ بھی اندھیر نہیں تو پھر کب ہوگا خلافت اور امامت میں سوا اس بات کے کہ آپ بذاتِ خود خلیفہ اچھا ہو اور رعیت کا ہادی ہو اور کیا ہوتا ہے نبی کا یہی کام ہے، خلیفہ اور امام کا کام کیوں نہ ہوگا۔ ورنہ پھر نیابت کا کیا معنی؟

چوتھی آیت

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ
أَسْكَنُ اسلٰی یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

عَلَى الْكَافِرِ لِحَمَلِهَا بَيْنَهُمْ تَرَائِفٌ مِّنْهُمْ
سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

اور ان کے ساتھی اور ساتھ والے کافروں پر سخت آپس میں
جمل جب دیکھتے رکوع میں جھکے ہوئے بعد میں ٹپکتے گئے کہ
اللہ کا فضل اور اس کی رضا کی طلب رکھتے ہیں۔

(پانچ آفری آیت)

اس آیت کو دیکھتے تو صحابہؓ کے ایمان کی جدی تعریف، نعمتوں کی جدی تعریف، اعمال
کی جدی تعریف کرتے ہیں بشہادت احادیث ایمان تو اس سے زیادہ نہیں کہ خدا کے دوست
اپنے دوست ہو جائیں اور خدا کے دشمن اپنے دشمن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
مَنْ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ وَالْبَغْضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَ
فَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيْمَانَهُ۔
یعنی جس نے کسی سے خدا واسطے محبت کی اور خدا
جس کے واسطے بغض رکھا، اور خدا ہی واسطے دیا، اور خدا

(راز الخفا ص ۴۸)

ہی واسطے دیا، اور خدا ہی واسطے دیا، اور خدا

سو کوئی صاحب انصاف کر کے فرمائیں کہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكَافِرِ رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ کا
یہی خلاصہ ہے یا نہیں، پھر نیت اس سے بڑھ کر مقصود نہیں کہ طالب رضا ہو غفل اس سے
زیادہ کیا ہوگا کہ شب و روز نماز ہی سے مطلب ہے، اس پر بھی حضرات شیعہ کو پسند نہ آئیں تو
یہ معنی ہوتے کہ (بعد از اللہ) سب میں بڑا کافر اور بڑا ریاکار زندقی باز شراب خوار ہو۔ وہ قابل
خلافت اور امامت ہے۔

(صحابہ کرام کو نہ ملنے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے۔)
ان آیتوں کے بعد یہ غرض ہے کہ صحابہؓ نے جو کچھ کیا، بجا کیا یا بیجا، البوکر صدیق کو
خلیفہ بنایا پھر حضرت عمرؓ کو پھر حضرت عثمانؓ کو پھر حضرت علیؓ کو اگر یہ ترتیب حسب مرضی
شیعہ ہے تو فصحاً ورنہ یہ معنی ہوتے کہ صحابہؓ نے ظلم کیا، دین محمدی میں رخنہ ڈالا جن سے ہدایت
مقصود تھی ان کو دم نہ مارنے دیا، جنہوں نے نیا دین نیا آئین کر دیا، وہ مسند خلافت دیا بیٹھے،
باقی ان کے معین اور مددگار ہو گئے اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک عاقل سے لے کر
دیوانہ تک یہ بات جانتے ہیں کہ جیسے ہدایت کے برابر کوئی عبادت نہیں اسی وجہ سے
انبیاءؑ سب میں بڑھ کر ہے ایسے ہی گمراہ کر دینے کے برابر کوئی گناہ نہیں اس لیے شیطان کو
یہ منصب سپرد ہوا، سو در صورتیکہ (بزرگم شیعہ) ترتیب معلوم غلط اور خلفاء ثلاثہ ظالم اور بدین

اور باقی صحابہؓ ان کے مددگار، تو یہ معنی ہوں کہ نعوذ باللہ خدا نے اخوان الشیاطین کی اتنی تعریف کی جو اولیاء کو بھی نصیب نہیں۔

اب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ خدا کے قول و قرار کا اعتبار ہے، یا بھول چوک اور تقیہ کا احتمال ہے، اگر خدا کو خدا اور کلام اللہ کو کلام اللہ سمجھتے ہو تو ایمان لاؤ اور شیطان کے وسوسوں پر نہ جاؤ ورنہ اپنا کہیں اور ٹھکانا بناؤ۔

صاحبزادہ نے کلام اللہ کا حوالہ دیا ہے کسی پنڈت کی پوچھتی کا اشلوک، انہیں پڑھا ہے تیسرا اگر بوجہ و سبب معلوم نہ ہو ہے، تو ہم جانیں کہ خدا کا بھی اعتبار نہیں، پر یوں ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں، الغرض سائل کے اعتراض ہم پر نہیں خدا پر ہیں آگے تیجھے وہی جواب دے دیں گے، ہاں اگر یہ مطلب ہے کہ کلام اللہ پر ایمان اور صحابہؓ کے اعتقاد سے سرسے پائیک مسموم ہیں پر بطور تحقیق عرض سوالات ہے یہ عرض نہیں کہ دل کے پھپھوٹے پھوٹے اور سوال کے پڑھ میں طعنے لڑیے، بہت سے سوال لکھ بھیجے کسی سنی کو کیا عرض پڑی ہے کہ اپنے اوقات کو خواہ کر کے گائے سوالوں کے جواب میں کتاب کی کتاب لکھیں گا تو آپ کی تسکین دو باتوں میں ہوئی جاتی ہے۔

(حضرت موسیٰ و خضر کے واقعہ میں مشاہیر صحابہؓ کے طعن کا ازالہ یقینی ہے)

سورہ کہت میں سولہویں پارہ کے شروع میں دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کا سفر نامہ مسطور ہے۔ دیکھئے حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑ ڈالا پھر کشتی بھی کس کی، جنہوں نے بے یے دیے سوار کیا، اور یا سے پار کیا، کیا یہ بھی کوئی قصور ہے کہ بے وجہ ان کی کشتی توڑ ڈالی؟ اب آگے چلیے۔ آگے بڑھے تو کیا کیا، ایک بیگناہ نابالغ لڑکے کو ذبح کر ڈالا گناہ نہیں قصور نہیں؟ کسی کا خوبہ پھر یا کھیل ہی رہا تھا یا سر کریں ہے، دیکھئے یہ افعال حضرت خضر جن میں سرور مشابہ گناہ نہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کی سمجھ میں نہ آئے عقل کیسی، کچھ اور نبوت کس قدر تیسرا حضرت خضر کے پاس گئے، تو خدا کی تعریف کے بعد گئے، مگر بائیں جہہ صواب کو خطا اور فعل نیک کو گناہ ہی سمجھے، جب خضر نے بتلایا تو جاننا کہ کشتی کا توڑ ڈالنا ہی کشتی والوں کے حق میں اچھا تھا، اور نہ تیجھے سے کشتیوں کی پکڑ مٹتی۔ اگر صحیح سالم دیکھتے تو صاف کہہ کے پیاؤں کھینچ لیتے

بچائے طلع اپنی روزی سے مائدہ و موہیٹے ایسے ہی طفل مقتول اگر جوان ہوتا، تو جیسے شیر بجڑے
 سانپ کا بچہ بعد جوانی اپنے ہی اطوار کی کتاب ہے، یہ بھی اطوار کھنڈ اختیار کرتا، اور ماں باپ کو بھی کافر
 بنا ڈالتا، سو جیسے سانپ شیر بجڑے کے بچوں کا قبل جوانی ہی مار ڈالتا مناسب ہے ایسے ہی اس
 اس لڑکے کا مار ڈالنا بھی مناسب تھا اس صورت میں گو کسی قدر اس کے ماں باپ کو رنج و
 فراق کا صدمہ ہوا ہو پر ان کے حق میں یہ رنج ایسا ہو گیا جیسے بھوٹے میں نشتر مار کر جراح جب
 پیپ نکالتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے، پر ہمیشہ ہمیشہ کی تکلیف کے عوض اول تو اس تھوڑی
 تکلیف پر ملتی ہے، پھر جب مادہ فاسد نکلتا ہے، تو اس کی جگہ اچھا مادہ پیدا ہوتا ہے، اور
 تولد مادہ فاسد موقوف ہو جاتا ہے، ہاں تا دم بقار مادہ فاسد البتہ امید تولد مادہ صالحہ نہیں، سو
 یہاں بھی بعد مقتول ہو جانے طفل مذکور کے اس کے ماں باپ کو ایک دختر صالحہ ملی جس سے
 ایک نبی پیدا ہوا، اہل ان اگر طفل مذکور نہ مارا جاتا تو پھر تولد نبی کی کوئی صورت نہ تھی،

(صحابہ کرام کی تعریف خدانے قرآن میں باریبار کی ہے)

بالجملہ حضرات شیعہ کو اگر کلام اللہ کا اعتبار اور خدا کے قول و قرار پر اعتماد ہے، تو حضرات
 صحابہ کے اسی طرح معتقد ہو جائیں جیسے خدا کے کسے سے اپنی سمجھ کو ایک طرف ملاقا میں
 دھر حضرت خضر کے معتقد ہوئے۔

تمہیں کہو اگر خداوند کریم حضرت خضر کی ان باتوں کی ہندی کی چندی نہ بتا دیتا، تو پھر حضرت
 خضر سے زیادہ بڑا کون تھا، پھر جب خدا کا اتنا اعتقاد ہے کہ حضرت خضر کے ایسے ایسے فعلوں کے
 معتقد ہوئے، تو صحابہ کرام کی تو اس سے زیادہ ہی ہونا چاہیے، اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 علیہ وسلم کی اس میں تعریف کہ ان کی خوبی حضرت ہی کا فیض صحبت سمجھا جائے گا، ورنہ تم ہی کہو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کوئی کیا کہے گا، عجیب صاحب تاثیر تھے جن سے ساری عمر پانچ چار
 سے زیادہ مسلمان نہ گئے اور ہونے بھی تو ایسے دنیا دار کہ خدا پناہ میں رکھے، دوسرے خدا کی بات
 بھی نبی رہے گی، ورنہ آپ کی ان عیب جہنیوں سے خدا کا بھی اعتبار نعوذ باللہ نہ ہے گا، اور کیا
 رہا ہے، خدا نے خضر کی تعریف میں فقط اتنا فرمایا ہے۔

عَبْدُ اٰمِنٌ يَّبَادِنَا اَمِيْنٌ ۝ نَحْمَدُكَ مِنْ عِنْدِنَا وَكَلَمُنَا ۝ مَنْ لَّمْ نَاْخُلِعْاْ جِسْمًا فَحَقُّ

یہ ہے کہ ایک بندہ تھا ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے یہاں سے علم تعلیم کیا تھا۔

سو انصاف کر کے تم ہی فرماؤ کہ صحابہ کی ان تعریفوں سے جو اوپر، مذکور ہوئیں، ان دو باتوں کو کیا نسبت، پھر اگر اپنی غلط فہمی سے غار لگتی ہے، تو اول تو تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ نہیں، وہ کچھ کا کچھ مجھ گئے، اگر تم اٹا مجھ گئے ہو تو کیا قیامت ہے پس اگر تسکین نہ ہو، تو خدا کے اعتبار کے بھروسہ انہی روایات کی تکذیب کریے، جن سے خطائے صحابہ کچھ میں آتی ہے، اور ان روایات کے بھروسہ سے خدا کی تکذیب تو کچھ ثواب کا کام نہیں، یہاں تک تو جواب اجمالی تھا اور اہل انصاف کو اس کے بعد انشاء اللہ اور کسی بات کی جانب سے پھر شک نہ ہوگا۔

ہاں کچھ فہمان نا انصاف کا جواب، جن کی بات وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہو، ہم سے نہیں دیا جاتا، موافق مثل مشورہ گوہ کی دار و موت بخارج سے اپنی تسکین فرمائیں، ہم کس کو عبا کہیں کس کو برا۔

(صحابہ اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے)

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام شہادت حق میں تو دونوں مثل چشم و گوش قابل اتباع ہیں، ان کی محبت ان کا اعتقاد ایمان کے لیے الے ہیں جیسے رٹنے والے جانور کے دو پر اڑنے تو دونوں سے اڑے اور ایک بھی نہ ہو تو گر پڑے، صاحبو! حضرات شیعہ اور اہل سنت کا مقابلہ ایسا ہے، جیسے انصاری اور اہل اسلام کا مقابلہ، ہم تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد الے ہی حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی نبوت کے مقرر نہیں برا کہہ سکیں نہ ان کو، پر نصاریٰ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گستاخیاں کر اپنے اعمان ناموں کی دوستی کر لیتے ہیں، الے ہی اہل سنت کو تو ایک سے ایک زیادہ، سبھی کے غلام، سبھی کے ثنا خواں، پر شیعہ حضرات صحابہ کی نسبت وہی عمل کرتے ہیں جو یہود و نصاریٰ بہ نسبت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے ہیں، اب یہاں سے جوابات تفصیلی بہ ترتیب

سوالات لکھتا ہوں۔

سوال اول از جانب شیعہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے کوئی حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا نہیں؟
جواب: حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے لیے حکم خدا کے تعالیٰ اور حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہوتے، پر فہم کی ضرورت ہے، ورنہ کج فہمی ہے تو اس کے جواب کے لیے یہ شعر پیش کی مرقوم ہے۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نہ دلبر خطا اینجا است

(حکم) خدا کا حوالہ مطلوب ہے، تو لیجئے، خلافت کے لیے افضل ہونا افضل ہے، میا بخیرو کا خلیفہ بھی وہی ہوتا ہے جو اس کا شاگرد رشید ہوتا ہے، نبی کے خلیفہ میں یہ بات بدرجہ اولیٰ چاہیے، اور میا بخیرو اور لڑکوں کی مثال کی اس لیے ضرورت ہوئی کہ حضرات شیعہ کی عقل لڑکوں سے کچھ کم نہیں، شاید اگر سمجھیں تو مکتب کی بات سمجھ جاتیں، بہر حال خلیفہ کا افضل ہونا افضل ہے، سو حضرت ابو بکر صدیق کا افضل ہونا، دو طرح سے ثابت ہے، اور تنگی وقت اور جواب کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید ہم اور بھی عرض کرتے، پر اب دو ہی باتوں پر ٹالتے ہیں۔

(افضلیت صدیق اکبرؓ پر دو قرآنی دلیلیں)

ایک یہ کہ بشادۃ آیت اِنْ اَظْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰیْکُمْ سب میں افضل وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو، پھر سورۃ وائیل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں آپ ہی ارشاد فرماتے ہیں وَکَیْجَنَّبُہَا الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَا لَیْسَ لَہٗ بِکَیْفٍ جِس کے یہ معنی ہیں کہ بچایا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ سے وہ شخص جو سب میں زیادہ متقی ہے کون؟ جو اپنے مال کو پاک ہونے کے لیے دیتا ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں، یعنی حضرت بلالؓ کا آزاد کرنا محض اللہ کے لیے ہے۔ خدا کے لیے ہے، حضرت بلال کے کسی احسان کا بدلہ نہیں،

تطویل سے ڈرتا ہوں، ورنہ میں بہت کچھ اس میں انشاء اللہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا، پھر کیا کروں،
 اور حرم رائج، اور حرم آپ، فقط اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ کوئی حدیث ہو تو بتلاؤ، سو میں نے آیت بتلائی،
 ہاں یہ بات باقی رہی کہ یہ آیت ان کی شان میں ہے کہ نہیں؟ سو اس کی تصدیق کے لیے ساری
 تفسیریں موجود ہیں اور بھی نہیں، تو بیضاوی یا تفسیر عزیزی منگا لیجئے، باقی آپ کے یہ تخصیص ہی
 نہیں کی کہ حدیث ہو تو کن کی ہو، اور ظاہر بھی ہے، آپ ایسے دیوانے نہ تھے جو تخصیص کرتے
 حضرت صدیق ثقیل کے فضائل اگر ہوں گے تو سیفوں ہی کی کتابوں میں ہوں گے اور یہ نہیں تو پھر
 آپ ہی فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، ہندوؤں کی پرتھویوں اور یہود و نصاریٰ
 کی کتابوں سے کیونکر نکالے گا یہ بسط و تفصیل کہاں ہے علیٰ ہذا القیاس فضائل مرتضوی
 سیفوں اور شیعوں کے اور کس کے پاس ہیں۔

دوسری آیت جو صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔

الْمَنْصُورُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ
 الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
 إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
 فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ
 لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 السُّفْلَى وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ توبہ ص ۶)

حاصل یہ ہے اگر تم ہمارے رسول کی مدد کرو گے تو
 کیا ہوگا اللہ نے ایسے وقت اسکی مدد کی ہے جس وقت
 اس کو کافروں نے نکال دیا تھا جس حال میں کہ ایک وہ تھا
 اور ایک اس کے ساتھ میں فقط اور تھا جب کہ دونوں غار
 میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہ رہا تھا تو علیین
 مت ہو، اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی
 تسلی اس پر نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے تائید کی جو تم نے

نہیں دیکھے اور اللہ نے کافروں کی بات سنی کہ وہی اور اللہ کا بول بالا ہے۔

اس میں دیکھئے حقائق و وقایع تو بہت ہیں، پر عرض مختصر یہ ہے کہ اللہ نے ان اللہ مع
 فرمایا۔ اللہ معی ومعنا نہیں فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے، پر آنحضرتؐ نہ ہوں تو کیا کیجئے
 کہ جس طرح کی محبت خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ

لے شیوہ تفسیر مجمع البیان ص ۳۳ میں ہے ومعناہ فقد نصرہ اللہ من کل شئی الا من ابی بطل۔ یعنی اللہ

تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد بجز ابوبکر کے ہر ذریعہ سے الگ کر کے فرمائی۔ ۱۲ حافظ محمد محمد۔

کے ساتھ تھی ہاں اگر دونوں لفظ ہوتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ یہ اور قسم ہے وہ اور قسم اس صورت میں
بجز اس کے ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا مقام برابر ہو یا
اوپر نیچے بہر حال فاصلہ کی گنجائش نہیں سو برابر ہی تو ممکن نہیں ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی سرحد اسفل اور صدیق اکبر کی سرحد اعلیٰ دونوں ملے ہوئے ہوں سو ظاہر ہے کہ اس صورت
میں حضرت ابو بکر کا مرتبہ اور تینوں سے بلند ہو گا۔ یہ دو آیتیں تھیں۔ اب حدیث سن لیجئے۔

(حدیث سے صدیق اکبر کی افضلیت پر تین دلیلیں)

روایتی دلیل (۱) پر پہلے سن لیجئے کہ کلام اللہ و حدیث میں یہ کہیں نہیں کہ ماں باپ کے جوتیاں مت مارو
وہاں یہ ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهَا۔ یعنی ماں باپ کے رو برو آف بھی مت مکر،
اور جھڑک بھی مت، مگر عاقل اتنی بات سمجھ جاتا ہے کہ جوتیاں مارنا بدرجہ اولیٰ منع ہے، وہاں
دینداران شیعہ بوجہ کم عقلی کچھ متامل ہوں تو ہوں، مگر ہم جانتے ہیں وہ بھی نہ ہوں گے، ایسا بھی
عقل کا قحط پڑ گیا، بہر حال ایسا ہی صدیق اکبرؓ کی خلافت کو بھی سمجھئے، یعنی قریب وفات حضرت
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو امام نماز بنایا، ہر عاقل نے پہچان لیا کہ جو دین کا
امام ہو یعنی نماز پڑھائے وہی دنیا کا امام یعنی خلیفہ وقت بھی وہی ہو گا۔ کیوں کہ شیعوں کے طور پر
تو سوائے اشرف و افضل کسی اور کا امام بنانا جائز نہیں اور سنیوں کے نزدیک گویا جاز ہے پر فضل
یہ ہے کہ افضل ہو تو پھر اس اہتمام سے کہ اور لوگ اوروں کے لئے کہیں، اور آپ باہر مقام
صدیق ہی کو نماز پڑھانے کو فرمائیں، اب حضرات شیعہ انصاف فرمائیں، مرتے وقت تو
عام لوگ بھی خوف خدا کرتے ہیں، کسی کا بار اپنی گردن پر نہیں لیجھتے اگر امامت حضرت
علیؓ کا حق ہوتا تو اور کوئی دلائل دلاتا، پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ بھی ایسے وقت
میں ضرور ان کا حق دلا کر جاتے۔

حضرات شیعہ کچھ تو انصاف فرمائیں، جیسے جوتیوں کی نسبت صاف ممانعت سے
یہ زیادہ ہے کہ آف کرنی اور جھڑکنے سے منع فرمایا ایسے صاف خلیفہ بنانے سے یہ زیادہ
ہے کہ ان کو امام عام مقرر کر دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت علیؓ ہمیشہ ان ہی کے پیچھے نماز پڑھتے
ہے، اور اگر بالفرض یہ آیتیں اور یہ حدیث نہ بھی ہوتی تو کیا تھا، خلافت کے لیے وحی کی

ضرورت نہیں، فقط اتنی بات دیکھ لینی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں اور سربراہوں میں کون زیادہ لائق ہے کہ یہ بات تو معاملات سے اسی طرح معلوم ہو جاتی ہے، جیسے کسی بڑا عالم ہونا یا بڑا حکیم ہونا یا بڑا بہادر ہونا، علیٰ ہذا القیاس چونکہ یہ بحث جوابات سوالات اربعہ میں کسی قدر بسط سے لکھ چکا ہوں، اور وہ بھی ساتھ ہی مرسل ہیں تو یہاں اتنے ہی پر اکتفا لازم ہے۔ عرض ایک جواب تو فقط جواب ہی ہوتا ہے، اور ایک جواب باصوبہ، جس کے ہر پہلو سے اطمینان ہو، سو امام بنا دینا خلیفہ بنائیں۔ لہٰذا وہ ہے، علیٰ ہذا القیاس ایک حکم تو فقط حکم ہی ہوتا ہے، اور ایک اصل مطلب بڑھا کر کہا کرتے ہیں جیسے لَا تَقْلُ لِبُہَا أَفْ سَوِیہ نماز کا امام بنا دینا بھی ایسا ہی ہے۔

(دوسری دلیل)

علاوہ انہی بخاری شریف میں ایک حدیث ہے اس کو سب کو نہیں ملتا پر بقدر ضرورت اس میں سے ایک جملہ منقول ہے۔

لَقَدْ هَمَمْتُ إِذَا أُرِدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى الْبَيْتِ
وَأَبِئُكُمْ وَأَعْهَدُ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَفْ
يَحْمَنِي الْمُتَحَمُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَا أَلِلَّهِ
وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللَّهُ وَيَا أَلِلَّهِ
وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ۔

حاصل معنی یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تحقیق ارادہ کیا تھا میں نے اس بات کا کہ ابو بکر صدیق اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد و پیمان کر دوں تاکہ کل کو بولنے والوں کو کچھ گنجائش نہ رہے اور کسی تنہا والے کو قتل نہ ہو پھر میں نے کہا اللہ اور اہل ایمان بولوں گے۔

(بخاری ج ۱ ص ۸۴)

اور بخاری اور مسلم میں اس حدیث کی دوسری روایت میں بجائے لَقَدْ هَمَمْتُ إِذَا أُرِدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى الْبَيْتِ وَأَبِئُكُمْ وَأَعْهَدُ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَفْ يَحْمَنِي الْمُتَحَمُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَا أَلِلَّهِ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللَّهُ وَيَا أَلِلَّهِ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ابو بکر صدیقؓ کا لکھنا منظور تھا، پر یوں سمجھ کر کہ نہ خدا کو اور کوئی پسند آئے گا نہ مسلمانوں کو، آپ چپ ہو رہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس روز آپ نے قلم دواست منگایا، اور بزرگ شیعہ حضرت عمرؓ مانع ہوئے، کتابت خلافت صدیقی منظور تھی، پھر نہ جانے شیعہ کیوں براہمت ہیں اگر شکایت ہو تو سنیاں صدیقی کو ہو، شیعوں کو حضرت عمرؓ کی وار دینی پاس ہے کہ دلاوی سچے

باقی اس کا جواب کہ حضرت نے منع کیا ہے یا نہیں، اور بجا کیا یا بجا آگے آتا ہے۔ یہاں
فقط اس قدر قابل غرض ہے کہ یہ فرمانا کہ میں لکھ رہا ہوں کہ حاجت نہ رکھی غلیف کو دنیا ہے یا نہیں؟
(تیسری دلیل)

دوسری حدیث بھی بخاری اور مسلم ہی کی لیجئے۔

عن جبیر بن مطعم قال أمت رسول الله
صلی الله علیہ وسلم امرأة فکلمته
فی مشی فامرہا أن ترجع إلیہ قالت
یا رسول الله أریت أن جئت ولدًا
قال إلی کاذبًا تعنی الموت قال فإن
لہ تجدینی فإلی أبابکر۔
حاصل معنی یہ ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کسی بات میں آپ
کچھ غرض کی آپ نے فرمایا پھر آنا اس نے غرض کیا اگر
آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا انتقال ہو جائے آپ
نے فرمایا ابوبکر کے پاس آنا۔

(مسلم ص ۲۴۳ بخاری ص ۱۱۵ ترمذی ص ۲۹۹)

اب آپ ہی فرمائیے یہ غلیف بنائے سے زیادہ ہے یا نہیں؟۔ غرض اس قسم کے
امور بہت ہیں جو آپ کی خلافت پر دلالت کرتے ہیں، اور وقت اختلاف صدیق اکبر،
صحابہ کو ملحوظ ہے، شوق ہو تو کتاب ازالہ الخفا کو ملاحظہ فرمائیں۔

جواب مولوی عبداللہ صاحب

بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ جن سے صراحتاً اور کنایہ خلافت حضرت ابوبکر رضی
اللہ عنہ کی واضح اظہار من الشمس ہے، اس کا انکار بعینہ دوپہر کے وقت آفتاب کا انکار ہے
چنانچہ ان میں سے چند احادیث مذکور ہوتی ہیں۔ حالانکہ بعض خاص امیر المؤمنین علی رضی
اللہ عنہ سے مروی ہیں، بہ نظر منصفانہ دیکھ کر تصدیق خلافت حضرت صدیق کیجئے۔
(پہلی حدیث)

اخرج ابن سعد عن الحسن قال قال علی
ترجمہ: الحسن بن علی کی ہے یہ حدیث ابن سعد نے حسن

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرْنَا فِي أَمْرِنَا فَوَجَدْنَا
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَدَّمَ
أَبَا بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ فَرَضِينَا لَهُ نَا
عَنْ مَنْ رَضِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْهُ لِدِينِنَا فَقَدْ مَنَّا أَبَا بَكْرٍ لَهُ
(ازالة الخفاء ص ۶۸ بحوالہ استیعاب)

(دوسری حدیث)

وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ رَوَى ابْنُ جَهْمٍ
عَنْ سَفِينَةَ ابْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ قَالَ لَدِي بَكْرٌ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ
هُوَ أَوْلُ الْخُلَفَاءِ بَعْدِي

(تیسری حدیث)

الْحَدِيثُ الْمَذْكُورُ اخْرَجَهُ ابْنُ حَبَّانٍ
قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو يَعْلَى حَدَّثَنَا يَحْيَى الْحَمَّالِيُّ

سے حسن نے کہا کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ
دیکھا ہم نے اپنے امر میں اور پایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
کہ تحقیق مقدم کیا ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے میں پس
راضی ہو گئے ہم دنیاوی امور میں اس شخص سے
کہ جس سے حضرت راضی ہوئے امروں میں
پس مقدم کیا ہم نے ابو بکرؓ کو۔

اور کہا بخاری نے اپنی تاریخ میں کہ روایت کی ابن
جہم نے سفینہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے واسطے کہ یہ
خلفے ہیں میرے پیچھے

اور حدیث مذکور نکال ہے ابن حبان نے اس نے کہا حدیث
بیان کی ابو یعلیٰ نے اس نے کہا حدیث بیان کی یحییٰ الحمالی

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث و صوفی نے اپنی کتاب ماثبت باسنن میں ابن اثیر حنفی رحمہ اللہ کی
سے حسن بصری کی روایت حضرت علیؓ کو فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ قَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَبَا بَكْرٍ وَإِنِّي صَاحِبٌ وَعَبْدٌ مَرِيضٌ وَإِنِّي شَاهِدٌ
عَمْرٌ غَائِبٌ وَكَوْنُ شَاوٍ أَنْ يَقْدَرُ هُنِي رَضِينَا
لِدِينِنَا مَنْ رَضِيَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ لِدِينِنَا
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے ابو بکرؓ کو امام بنایا اور امتوں نے لوگوں کو نماز پڑھانے
میں بے شک موجود تھا غائب نہیں تھا میں بھلا چکا
تھا یہاں نہیں تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (راست گئے کہ)

کہا چاہتے کہ اگے کر دیتے پس ہم نے اپنی دنیا کے لیے کسی کو پسند کر لیا جس کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا (مخالفین غیر اللہ ورسول)

حدَّثَنَا حَرْجٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَهْمَانَ عَنْ
سَفِينَةَ كَمَا بَكَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَضَعَ فِي الْبِنَاءِ حَجَرًا
وَقَالَ لَا بَى بِكَرٍ ضَعِ حَجْرَكَ إِلَى جَنْبِ
حَجْرِي ثُمَّ قَالَ لِمَنْ ضَعِ حَجْرَكَ إِلَى
جَنْبِ حَجْرِ ابْنِ بَكْرٍ ثُمَّ قَالَ لِعِثْمَانَ ضَعِ
حَجْرَكَ إِلَى جَنْبِ حَجْرِ عُمَرَ ثُمَّ قَالَ
هَؤُلَاءِ الْخُلَفَاءُ بَعْدِي -

میں نے اس نے کہا حدیث بیان کی سعد بن جہمان نے
اس نے روایت کی ہے سفینہ سے اہر گاہ مسجد بنائی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے رکھا ایک پتھر اس کی بنیاد
میں اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ میرے پتھر کے برابر
میں تم پتھر رکھو۔ حضرت عمرؓ سے کہا ابوبکر کے پتھر
کے برابر تم اپنا پتھر رکھو۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو
فرمایا کہ تم عمر کے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھو، پھر
فرمایا کہ یہ میرے چھپے غیثہ ہیں۔

(چوتھی حدیث)

قَالَ ابُو ذَرَّةَ اسْتَدَاهُ لَوْ بَأْسَ بِهِ وَقَدْ اخْرَجَهُ
الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَصَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي
الدَّاءِ لَا تُلْ رَغِيهَا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّيِّينَ مِنْ بَعْدِي
اخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ عَرِيَّاضِ بْنِ
سَارِيَةَ زُرْعَمِي ص ٩٢ بَابُ الْاِخْتِذَاكَ سُنَّةَ وَتَجَنُّبِ رُبُوعِ

کہا ابو ذرؓ نے اس حدیث کی اسناد میں کچھ نقصان نہیں
اور لایات اس کو حاکم مستدرک میں اور صحیح کہا ہے اس کو
بیہقی نے دلائل وغیرہ میں کہ لازم پکڑو طریقے میرے
کو اور طریقہ خلفاء راشدین صہدیین کو میرے بعد۔
تخریج کی ہے حاکم نے حدیث عرباض بن ساریہؓ
سے۔

فائدہ اس میں سوچنا چاہیے کہ حضرت نے جو تعین کسی شخص کے خلفاء من بعد کی اتباع
کا حکم فرمایا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو خلفاء بعد وفات ہوں گے راشدین اور صہدیین
ہوں گے، من اتبع فاستدنی ومن خالف ففرونی۔

پانچویں حدیث :-

اخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ
سَلَمَةَ بْنِ كَهِيلٍ عَنْ ابْنِ الزُّعْرَاءِ عَنْ عَبْدِ
بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع کرو تم
ان کا جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کا حق
عمارت کی عادت اپناؤ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے

عليه وسلم إقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي
مِنْ أَصْحَابِي إِلَى بَكْرٍ وَعُمَرَوَاهُ
بِقَهْدِي عَسَارُكُمْ لَكُمْ لِعَهْدِ ابْنِ مَعْرُ
(ترمذی ص ۲۲۱ مناقب عبد اللہ بن مسعود)

(چھٹی حدیث - ۵ روایتیں -)

۱۔ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا خَيْرَ بَيْنِ
النَّاسِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، فَخَيْرٌ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ
الْخَطَّابِ ثُمَّ عَثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ (بخاری ص ۱۹۱)
باب فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه
وسلم) وَزَادَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ فَيَعْلَمُ
بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا يَنْكُرُهُ ۚ وَآخَرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ
قَالَ كُنَّا وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ نُفَضِّلُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعَثْمَانَ
۲ وَآخَرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
كُنَّا مَعَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ مُتَوَافِرُونَ -
لَقَوْلُ أَفْضَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ
نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عَثْمَانُ
ثُمَّ نُسُكْتُ وَآخَرَجَ الْيَتُومُذِيُّ
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ
لَا بِي بِكَرٍ يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ

عمر و پیمان کو مضبوط پکڑو۔

ترجمہ :- بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے
کہ حضرت کے زمانے میں ہم آدمیوں میں سے چھٹے
تھے سو چھٹے تھے ابو بکرؓ کو پھر عمرؓ کو پھر عثمانؓ کو اور
زیادہ کیا طبرانی نے کہہ میں کہ جانتے تھے اس بات
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکار نہیں فرماتے تھے
۲۔ اور روایت بیان کی ابن عساکر نے ابن عمرؓ سے
کہا کہ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہم میں موجود تھے ہم فضیلت بیان کرتے تھے۔
ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی۔

۳۔ اور روایت کی ابن عساکر نے ابی ہریرہؓ سے
کہا ہم لوگ جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم میں تھے کہ بہت جگہ کہتے تھے افضل امت
کے بعد نبیؐ اس امت کے ابو بکرؓ میں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ
پھر نکوت کرتے تھے۔

۴۔ اور روایت کی ترمذی نے جابر بن عبد اللہؓ سے کہا
کہ ہم نے ابو بکرؓ کے لیے بہتر آدمیوں کے بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر ابو بکرؓ نے
کہا اسنو اگر تم یہ کہتے ہو تو میں نے بھی حضرت سے

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال أبو بکر
 أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذَلِكَ فَقَدْ سَمِعْتَهُ
 يَقُولُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَجُلٍ خَيْرَ
 مِنْ عُمَرَ - (ترمذی ص ۳۹) مناقب ابی حصین الخطابی
 وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قُلْتُ
 لِأَبِي أَيْ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
 أَبُو بَكْرٍ قَالَ قُلْتُ لَعَنَ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُمَانُ
 قُلْتُ لَعَنَ أَنْتَ قَالَ مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ النَّبِيِّينَ (بخاری ص ۱۸۸)

(ساتویں حدیث)

وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَيْرُ
 هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ
 عَمْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الذَّهَبِيُّ هَذَا
 مُتَوَاتِرٌ هَذَا مُتَوَاتِرٌ عَنْ عَلِيٍّ فَلَعَنَ اللَّهُ
 الرَّوَافِضَ أَجْمَعِينَ - (مسند احمد ص ۱۱۱)

(اکٹھویں حدیث)

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ عَنْ ابْنِ الْخَطَّابِ
 قَالَ أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا
 إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 (ترمذی ص ۳۶)

فائدہ :- عمر کی جگہ ہے کہ ان کی تعریف ان کے ہم چشم و ہم عصر کی کرتے ہیں۔

(نویں حدیث)

وَأَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
 بْنِ أَبِي لَيْلَى أَنَّ عُمَرَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ ثُمَّ

مناسبت ہے کہ فرماتے تھے طلوع نہیں ہوا آفتاب
 کسی شخص پر کہ عمر سے بہتر ہو۔ اور روایت کی بنیاد علی
 محمد بن علی بن ابی طالب کے کما محمد بن علی کے کہ میں نے اپنے
 پاس یہ کہا کون آدمی بہتر ہے بعد رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کے کیا ابوبکر میں نے کہا پھر کون کہا
 عمر اور میں اس سے ڈرا کہ یوں کہیں پھر عثمان
 میں نے کہا پھر تم کہا میں تو ایسا ہی ہوں جیسے ایک
 اور شخص مسلمانوں میں سے ہو۔

ترجمہ

اور روایت کی احمد وغیرہ نے حضرت علیؑ سے
 کہا حضرت علیؑ نے بہتر اس امت کا بعد نبی
 کے ابوبکرؓ ہے اور عمرؓ ہے۔ وہی نے کہا کہ یہ قیامت
 حضرت علیؑ سے متواتر ہے متواتر ہے سوال اللہ و افضل
 کو لعنت کرے کیسے جاہل ہیں۔

اور روایت کی ترمذی نے اور حاکم نے عمر بن الخطابؓ سے
 کہا انہوں نے ابوبکرؓ کو سید و خیر و احب کہا
 اور ہم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 زیادہ محبوب ہیں۔

اور روایت کی ابن عساکر نے عبد الرحمن بن
 ابی لیلیٰ سے کہ عمرؓ منبر پر چڑھے پھر فرمایا اے لوگو

قَالَ اَلَا اِنَّ اَفْضَلَ هَذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا
اَبُو بَكْرٍ فَمَنْ قَالَ غَيْرَ هَذَا فَهُوَ مُفْتَرٍ
عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِي

(دوسری حدیث)

اخرج ابوالقاسم الطلحي في كتاب
السنه له من طريق سعيد بن عروبہ
عن منصور عن ابراهيم عن علقمة
قَالَ بَلَغَ عَلِيًّا اَنَّ اَقْوَامًا يَفْضِلُونَهُ عَلَى
اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ
وَاَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ
اِنَّهُ بَلَغَنِي اَنَّ قَوْمًا يَفْضِلُونَنِي عَلَى
اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ
فِيهِ لَعَاقَبْتُ فِيهِ فَمَنْ سَمِعْتَهُ
بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ يَقُولُ هَذَا فَهُوَ
مُفْتَرٍ عَلَيْهِ حَدُّ الْمُفْتَرِي وَقَالَ
اِنَّ خَيْرَ هَذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا
اَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاخْبَارِ بَعْدِ قَالَ فِي الْمَجْلِسِ الْحَسَنُ
بْنُ عَلِيٍّ فَقَالَ وَاللّٰهُ لَوْ سَعَى الثَّالِثُ
سَعَى عُثْمَانَ (ازالة الخبيث بوالكن في السنه ص ۹۸)

سنو بیشک افضل اس امت کے بعد حضرت کے
ابو بکر ہیں سو جو شخص اس بات پر خلاف کہے، اس کی
وہی سزا ہے جو بہتان باندھنے والے کی سزا ہو۔

ترجمہ: ابوالقاسم طلحی کتاب السنہ میں ابنہ سعید
بن عروبہ از منصور از ابراہیم از علقمہ روایت لاتے
ہیں کہ حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ ان کو حضرت
ابو بکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ منبر پر چڑھ
گئے تو اللہ کی تعریف و ثنا کے بعد فرمایا اے لوگو!
مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابو بکر
و عمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں نے اس کے متعلق
پہلے (سزا کا) اعلان کیا ہوتا تو ضرور سزا دیتا پس
آج کے دن کے بعد جس کسی سے میں نے سنا
کہ وہ یہ کہتا ہے تو وہ بہتان باندھنے والا ہے
بہتان تراش کی حد سے ملے گی۔ اور فرمایا اس امت
کے سب سے بہتر شخص حضرت ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں
پھر اللہ بہتر جانتا ہے۔ راوی کہتے ہیں اس
مجلس میں حسن بن علی بھی تھے فرماتے گئے اللہ کی
قسم اگر تیسرے نمبر پر افضل کا نام لیتے تو
عثمان کا لیتے۔

قائدہ: افسوس کی بات ہے کہ حضرات شیعہ حضرت امیر المومنین کے زمانہ میں نہ ہوئے
جو اسنی کے ہاتھ سے سواد جی یحنین کا منہ پائے۔

(گیارہویں حدیث)

واخرج عبد الرحمن بن حميد في مسند
ابو نعيم وغيرهما من طريق ابى الدرداء ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم قال
مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلَى أَحَدٍ
أَفْضَلَ مِنْ إِيَّيْكَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا
وَفِي لَفْظٍ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَعْدَ النَّبِيِّينَ
وَالْمُرْسَلِينَ أَفْضَلَ مِنْ إِيَّيْكَ

اور روایت کی عبد الرحمن بن حمید نے اپنی مسند
میں اور ابو نعیم وغیرہ نے ابوالدرداء سے کہ بیشک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب
نہ طلوع ہو نہ غروب ہوا کسی شخص پر جو بہتر الوجود
سے ہو مگر یہ کہ نبی ہو، (اور ایک روایت میں یہ
لفظ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد کسی بھی
انسانی پر نہ طلوع و غروب ہوا جو الوجود سے افضل ہو۔

فائدہ :- اس حدیث سے فضیلت خلیفہ اول کی ماسواۃ نبی و رسول کے تمام بنی آدم پر ثابت ہوتی ہے۔

(بارہویں حدیث)

فی الاوسط عن سعد بن زادة قال قال
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
رُوحَ الْقُدُسِ جِبْرِيلَ أَخْبَرَنِي أَنَّ
خَيْرَ أُمَّتِكَ بَعْدَكَ الْبُؤَيْكِرُ۔

طبرانی کی اوسط میں حضرت سعد بن زرارہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا روح القدس جبریل نے مجھے بتایا کہ آپ کے
بعد آپ کی امت کا سب سے بہتر شخص البو بکر ہے۔

فائدہ :- سنت جماعت کے نزدیک خلیفہ اول کی اس حدیث سے کئی فضیلت ثابت ہوئی کہ روح القدس جبریل ہی انجو بہتر و افضل
تمام امت کا فرمائے ہے۔ اُس کو بھی روح القدس کی غلطی پر محمول کریں گے۔ نفوذ باللہ من هذا الفرقۃ الطاغیۃ۔

(تیرہویں حدیث)

اخرج الشيخان عن عمرو بن العاص
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ
إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ
قَالَ أَبُو هَاشِمٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عُمَرُ

ترجمہ :- بخاری اور مسلم نے عمرو بن العاص سے روایت
کی ہے کہ عاصم بن عمرو بن العاص نے کہا میں نے عرض
کی یا رسول اللہ کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے
آپ نے فرمایا عائشہ میں نے عرض کی مردوں میں سب سے زیادہ کون ہے

فائدہ :- سؤد اللہ وجمہ الروافض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عائشہؓ اور ان کے باپ کو
سب آدمیوں سے زیادہ چاہیں اور یہ ان کی شان میں کیا کچھ زبان درازیاں کریں۔

(چودھویں حدیث)

اُخْرِجَ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَأَبِي بَكْرٍ عَمْرٍ هَذَانِ سَيِّدَا الْكُهُولِ أَهْلُ
الْجَنَّةِ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (ترمذی ص ۵۲)

اور ترمذی وغیرہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ
اور عمرؓ کے لیے یہ دونوں سردار ہیں بڑی عمر کے جنتیوں
میں اولین اور آخرین کے۔

فائدہ :- اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روافض کی مطلقاً سچ کنی کر دی ہے۔
کیونکہ شیخین کو سردار کھول جنت فرمایا معلوم ہوا کہ تادم واپس مومن کامل رہیں گے اور بعد انتقال
کھول جنت کے سردار بنیں گے پر یہ فرقہ باغیہ پھر بھی نہیں شرعاً کیا ڈر ہے اللہ یقیناً علی غیبہ
اگر کوئی بے وقوف اندھا دن کو رات بتلائے تو اس کا کیا علاج ہے۔

(پندرھویں حدیث)

اُخْرِجَ ابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ دُبْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ
إِسْلَامُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ سَبِيحًا بِالْوَحْيِ
مِنَ السَّمَاءِ وَذَلِكَ إِنَّهُ كَانَ تَاجِرًا بَانًا
فَرَأَى نَجُوبًا فَقَصَّهَا عَلَى جَدِّهِ الرَّاهِبِ فَقَالَ
لَهُ مِنْ أَيْنَ أَنْتَ قَالَ مِنْ مَكَّةَ قَالَ مِنْ
أَيِّهَا قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ أَيْ تَشِي أَنْتَ
قَالَ تَاجِرٌ قَالَ صَدَّقَ اللَّهُ رُيَاكَ
فَإِنَّهُ يُبْعَثُ نَبِيٌّ مِنْ قَوْمِكَ تَكُونُ وَزِيرُهُ
فِي حَيَاتِهِ وَخَلِيفَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ فَأَسْرَهَا
أَبُو بَكْرٍ حَتَّى بَلَغَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَجَادَعَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الدَّلِيلُ
عَلَى مَا تَدْعُنِي قَالَ الْمُرَايَا الَّتِي رُئِيتُ
بِالشَّامِ فَعَانَقَهُ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَ

ابن عساکر نے ربیع بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت
ابو بکرؓ کے اسلام کا باعث وحی آسمانی تھی اور قصہ اسلام
یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ شام کے ملک میں سوداگری
کرتے تھے، آپ نے ایک خواب دیکھا، اس کو بخیر
راہب سے بیان کیا، اس نے کہا تو کہاں کا رہنے والا
ہے، انہوں نے جواب دیا مکہ کا اس نے کہا کن
سے قبیلہ سے ہے، انہوں نے کہا قریش میں سے
اس نے پوچھا کیا کام کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ
سوداگر ہوں، اس راہب نے کہا اللہ تعالیٰ تیرا خواب
سچا کرے، اللہ تعالیٰ تیری قوم میں ایک نبی بھیجے
گا تو اس کا اس کی زندگی میں وزیر ہوگا اور بعد اس
کی وفات کے خلیفہ ہوگا، اس بات کو حضرت
ابو بکرؓ نے پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی

قَالَ أَشْهَدُ أَنْكَ رَسُولُ اللَّهِ

(الرياضة النظرة من سحر القضاة)

اللہ علیہ وسلم بحوث ہوئے سو حضرت کی خدمت
میں آئے اور یہ کہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے
دعویٰ پر کیا دلیل ہے فرمایا وہی خواب جو ملک شام میں
تو نے دیکھا تھا ایرہنتے ہی حضرت کو لگے لگایا اور
آپ کی پیشانی پر برسر دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں
کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔

فائدہ یہ خیال کرنے کی جگہ ہے کہ کتنی پیشتر حضرت کی تبلیغ رسالت کے حضرت ابو بکر کو بشارت وزارت و خلافت کی مل گئی۔

(سوالوں پر حدیث)

وَاخْرَجَ الْحَاكِمُ عَنِ النَّاسِ بَيْنَ مَا لَكَ قَالُ
 يُعْثَنِي بَنُو الْمُصْطَلِقِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَنْ نَدَفَعُ زَكَاةَنَا
 إِذْ حَدَّثَ لَكَ حَدَّثُ فَقَالَ إِذْ فَعَوْهَا
 إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقُلْتُ ذَلِكَ لَهُمْ قَالَ
 قَالُوا اسْأَلْهُ إِنْ حَدَّثَ بِأَبِي بَكْرٍ حَدَّثَ
 الْمَوْتَ فَأَيُّ مَنْ نَدَفَعُ زَكَاةَنَا فَقُلْتُ
 لَهُ قَالَ إِذْ فَعَوْهَا إِلَى عُمَرَ قَالُوا فَأَيُّ
 مَنْ نَدَفَعَهَا بَعْدَ عُمَرَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ
 إِذْ فَعَوْهَا إِلَى عُثْمَانَ (إزالة الخفا ص ٨٩)

(مشترکوں کی حدیث)

عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَصْمَةَ قَالَ بَلَغَ عَلِيَّ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
عَلَى لِأَعْرَافِي إِمَّتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

اور روایت کی حاکم نے حضرت انس بن مالک سے کہا بھیجا مجھ کو بنی المصطلق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہ ہم زکوٰۃ کس کو دیں جب آپ کو کوئی حادثہ پیش آئے آپ نے فرمایا ابو بکرؓ کو دو سو میں نے یہی جا کر بنی مصطلق سے کہہ دیا انس کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ حضرت پوچھو کہ اگر ابو بکرؓ کو حادثہ موت پیش آئے تو کس کو زکوٰۃ دیں سو میں نے حضرت سے جا کر عرض کیا آپ نے فرمایا عمرؓ کو دو سو میں نے کہا بعد حضرت عمرؓ کے کس کو دیں میں نے حضرت سے یہ جا کر کہا آپ نے فرمایا عثمانؓ کو دو سو

سہل بن حنفیہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ ربیع کا کیا حضرت
علی کریم اللہ وجہہ نے اعرابی سے کہا کہ حضرت کے پاس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْأَلَهُ إِنْ أَلَى عَلِيٍّ أَجَلُهُ مَنْ يَقْضِيهِ فَإِنِّي أَدْعِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَقَالَ يَقْضِيكَ أَبُو بَكْرٍ فَخَرَجَ إِلَى عَلِيٍّ فَخَبَّرَهُ فَقَالَ ارْجِعْ وَاسْأَلْهُ إِنْ أَلَى عَلِيٍّ أَجَلُهُ مَنْ يَقْضِيهِ فَإِنِّي أَدْعِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَقَالَ يَقْضِيكَ عُمَرُ فَخَرَجَ إِلَى عَلِيٍّ فَخَبَّرَهُ فَقَالَ ارْجِعْ فَاسْأَلْهُ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ فَقَالَ يَقْضِيكَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلِيٌّ لَا أَدْعِي إِلَى رَأْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْأَلَهُ إِنْ أَلَى عَلِيٍّ عُثْمَانُ أَجَلُهُ مَنْ يَقْضِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَلَى عَلِيٍّ أَبِي بَكْرٍ أَجَلُهُ وَ عُمَرُ أَجَلُهُ وَعُثْمَانُ أَجَلُهُ فَإِنْ اسْطَغَتْ أَنْ تَمُوتَ قَتَلْتُ .

(ازادۃ المفید ص ۱۱۲ بحوالہ ماریلی)

تو تو بھی مر رہا ۔

جا اور یہ پوچھ کر اگر آپ کی وفات شریف ہو جائے تو ادا کون کرے گا اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا آپ نے فرمایا ادا کچھ کو ابو بکر کریں گے ، وہ اعرابی حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی آپ نے فرمایا پھر جا اور پوچھ کر ابو بکرؓ کا بھی انتقال ہو جائے تو کون ادا کرے گا ۔۔۔ اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پوچھا آپ نے فرمایا ادا کچھ کو عمرؓ کرے گا ۔ پھر حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی حضرت علیؑ نے کہا پھر جا اور پوچھ کر بعد حضرت عمرؓ کے کون ہے آپ نے فرمایا عثمانؓ ادا کرے گا حضرت علیؑ نے لہو لائی سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا اور پوچھ کر اگر عثمانؓ کی وفات ہو جائے تو کون ادا کرے گا اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب ابو بکرؓ کی موت اور عمرؓ کا انتقال ہو جائے اور عثمانؓ دنیا سے جلت کر جائے اگر تو مر نیکی طاقت رکھتا ہے

فائدہ :- حضرت شیعوں خواہ مخواہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے اپنی جان کیوں تباہ کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہو کر کیوں ردِ سیاہ بنے ہیں حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کو خود ان سے پہلے اپنی خلافت کا خیال تھا جو اس دیہاتی کو بار بار بھیج کر خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت کرائی اور خیال خلافت حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو کس واسطے نہ ہو کیونکہ ایسی قرابتِ قریبہ اور خصوصیت خاصہ یعنی ازواجِ حضرت فاطمہؓ کا اور دوسرے کو کب حاصل تھا پر انہوں نے جو خلفاء ثلاثہ کے وقت میں دعویٰ خلافت

نہ کیا تو کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔

(شیعہ تقیہ کا ازالہ)

اور عید تقیہ حسب ظنون شیعہ کے ہم گور خستر جانتے ہیں

اول۔ تو اس حدیث کے خلاف ہے، دوسرے بمقابلہ حضرت امیر معاویہؓ اور خوارج کے کیوں تقیہ نہ کیا، حتیٰ کہ شہید ہو گئے، اور کونسا وقت تقیہ کا ہوگا، اور جن لوگوں نے بمقابلہ امیر معاویہؓ کے امیر المومنینؓ کا ساتھ دیا وہ ہی بمقابلہ خلفاء ثلاثہ کے بھی ساتھ دیتے، اور یہ تقیہ کی بات ایسی متعريفات ہے کہ ذرا بھی پاؤں نہیں چلتے، حضرت حیدرؓ کے مقابلہ میں کیا کہیں گے، انور باللہؓ منہا کیا دونوں سے ترک فرض عین ہوا۔ ایک بات ہم اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؓ اپنی خلافت میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلفاء ثلاثہ کی تعریف اور فضائل بیان کرتے تھے، اگر وہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ امیر المومنینؓ کیسے شیر خدا تھے کہ بعد اقبال سالہا سالہ کے بھی خلفاء کے خوف سے ان کی تعریف کرتے تھے، افسوس کہ شیر خدا ہو کر مردوں سے خائف ہو۔ علی بن ابی طالبؓ تو ایسے بزدل و نامرد نہ تھے کوئی اور علی ہوں گے کہ جن کے یہ شیعہ متبع ہوئے ہیں، اور ان کے متعلق ایسی ایسی نامردیاں بیان کرتے ہیں اور اگر بالفرض والتقدیر ان کے مقتدا، علی بن ابی طالبؓ ہی ہیں تو یہ امور ان کی طرف نسبت کرنے صرف ان شیعہ کی حماقت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "واما دشمن بہ از نادان دوست" مگر ان کا بھی کیا قصور ہے؟ الا نادیر بقہ صافیہ۔ جیسے خود ہیں ویسی ہی باتیں کرتے ہیں۔

(اٹھارویں حدیث)

وعن جبیر بن مطعم ان امیرہ انت	ترجمہ ابو جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکلمتہ	عورت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی
فی شئ فامرہا ان ترجع الیہ قالت	امریں آپ کے گفتگو کی آپ نے اس کو فرمایا کہ پھر آنا
فان لم تجدک کا نہا تقول الموت	اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں گویا یوں کہتی

قال ان لم تجد يني فاني ابا بكر
 اخبرني البخاري ومسلم والترمذي و
 البزار وابن ماجه
 بخاري ومسلم والترمذي والبيهقي وابن
 ماجه

سوال دوم از جانب شيعه

اجماع اصل حل وعقد کی صفت بیان کیجئے۔

جواب سوال دوم :-

اجماع اہل حل وعقد کی حقیقت اور صفت تو اتنی ہی ہے کہ سب اہل حل وعقد ایک بات پر متفق ہو جائیں اس میں پوچھنے ہی کی کون سی بات ہے جو حضرت کے سنیوں کو دھکا دے۔
 (اہل حل وعقد کی تعریف :-)

ہاں یہ پوچھنا نہ نظر ہے کہ اہل حل وعقد کس کو کہتے ہیں تو اس کا جواب ہم سے لیجئے، آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ہم جیسے بے سوسا مان نہ کوئی ہمارا نہ ہم چہ کسی کے۔ ایک وہ لوگ جو تھوک دار ہوتے ہیں، جیسے آپ کے رئیس، یا چودھری، کم سے کم ایسے کچھ جیسے دیوبند کے منڈ، جن کے کسی کام میں کھڑے ہو جانے سے دس آدمی کھڑے ہو جائیں، بیٹھ جانے سے دس آدمی بیٹھ جائیں، سو ایسے آدمیوں کو اپنی اپنی حیثیت کے موافق اہل حل وعقد کہتے ہیں، حل کے معنی کھولنا، عقد کے معنی باندھنا، سو یہ لوگ بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، کہ ان کے باندھے بندھتی ہے، اور کھولے کھلتی ہے، ایسے لوگ اگر کسی کے ساتھ عہد و پیمان کر لیتے ہیں تو ان کے ذریعہ اور ان کے منہ دیکھنے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور تابعداروں کے ذمہ بھی وہ عہد لازم ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی پیر یا کوئی مدرس کسی سے کچھ عہد و پیمان کرے، تو اس کے مریدوں اور شاگردوں کے ذمہ بھی اس کی وفا لازم ہے، چنانچہ مشائخ اور بزرگوار سے بھی عیاں ہے کہ سارے جہان میں یہی دستور ہے، اور اس قانون کو ہر ایک نے تسلیم کر رکھا ہے، یہاں تک کہ اگر دو بادشاہوں میں لڑائی بھڑائی کے بعد صلح ہوتی ہے،

تو وہ لڑائی اور صلح ہر سپاہی، اور ہر منشی کی صلح، اور لڑائی کبھی جاتی ہے مگر اہل عقل پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قافلہ کا افسر کسی سے کچھ عمدہ و پیمان کرے گا تو وہ عمدہ و پیمان اس کے اتباع و اطاعت کے ذمہ لازم ہوگا، ایک کا عمدہ و پیمان دوسرے کسی قافلہ کے افسر یا اس کے اتباع و خدام کے ذمہ لازم ہوگا۔

(حضرت امام حسینؑ و زین العابدینؑ کا مقام)

اس سے حضرت سید الشہداء شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کو گنجائش جوت گیری نہیں کیونکہ وہ بجائے خود ایک سردار عظم اور افسر عالم تھے، اوروں کی بیعت سے، یزید کی بیعت ان کے ذمہ لازم نہ ہوتی تھی، جو کوئی عقل کا پورا جس کو دستوں کے پینے کی جرات نہیں، بوجہ بیعت اہل شام جو یزید پلید کے ہاتھ پر کر چکے تھے، حضرت امام ہمامؑ پر اعتراض کئے یا مذہب اہل سنت پر آواز نہ بھینکے، ہاں اتنی بات باقی رہی کہ کبھی بعض بزرگ بوجہ کمال خاک کا اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھ کر گوشہ عافیت قبول کرتے ہیں، اور اپنی طرف ہرگز گمان نیک نہیں کرتے جیسے حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام بوجہ خاکساری بوقت دعا اس قسم کے مضامین کہا کرتے تھے، کہ الہی شیطان نے میری باگ پکڑ لی ہے، اور میرے اوپر غالب آ گیا ہے۔ چنانچہ صحیفہ کاملہ میں جو مجملہ کتب معتبرہ شیعہ میں ہے، اس قسم کی دعائیں موجود ہیں، سو اس قسم کے لوگ بوجہ خاکساری، اپنی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے، اور اوپر کے لوگ بوجہ کمال عقیدت، ان کی بیعت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے اہل دیوبند اپنے بیماروں پر کرم دوم (دعا) کرنے کے لیے حاجی عابد حسین کا قدم رنجہ فرمانا غنیمت سمجھتے ہیں، اور خود حاجی صاحب کے پوچھنے تو بوجہ خاکساری اپنے بڑا کسی کو سمجھتے نہیں۔

(دوستوں میں خنکی و شکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔)

سوالیے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول بیعت نہ کرنے کو خیال فرمائیے، بایں ہمہ جہاں دوستی اور محبت ہوا کرتی ہے وہاں رنج بھی ہوا کرتے ہیں، پر اس رنج میں اور اعداء کے رنج میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے، یہاں جوش محبت ہوتا ہے، وہاں زورِ عدوت اول جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لوگوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے لیے گھیر لیا، اور

اس وقت چار ونا چار ان کو بیعت کا (قبول) کرنا اسی طرح ضروری ہو گیا جیسے بارہا جہی صاحب کو بوجہ مننت سماعت، اہل دیوبند جامع مسجد کا اہتمام سر پر لینا ضروری ہو جاتا ہے یا مولوی محمد یعقوب صاحب کو باوجود اس شدت انکار کے وعظ کا فرمانا۔

تو اس وقت حضرت علیؑ کو ایسا رنج ہو گیا، جیسے دیوبند کی شادیوں ٹیموں میں کسی بھری کے باعث بھائی روٹھ جاتے ہیں۔

(ایک مثال)

تھوڑے ہی دن گزے مولوی ذوالفقار علی صاحب کے بڑے صاحبزادے کی شادی میں برادری کے بھائی اتنی بات پر روٹھ گئے کہ کھانے کا انتظام طالب علموں کے کیوں سپرد کر دیا، یہ کام ہم سے کیوں نہ لیا، سو جیسے ان صاحبوں کو خدا نخواستہ مولوی صاحب کے کوئی رنج نہ تھا، ہاں تازہ برادری کہیے، اس لیے تھوڑے سے تعلق کے بعد شیر و شکر کی لہر ریل ملی کر ولیمہ کا کھانا نوش فرما گئے، اور اس سب کے تدارک و تلافی میں اتنی بڑی عزت ملے گئے۔ ایسے ہی حضرت علیؑ کو خیال فرمایئے، اس سے ظاہر کی بے اعتنائی پر جس میں واقع میں ایسی ہی بے اختیاری تھی، جیسے مولوی صاحب کی بے اعتنائی کہ کچھ جان بوجھ کر بھائیوں کی ضد سے نہ بھٹی۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رنج ہو گیا، سو وہ رنج نہ تھا، تازہ محبت تھا، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عرض حال کے بعد وہ رنج تبدیل بخوشی ہو گیا، اور علیؑ الاما علان یہ فرمایا کہ ہم کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کلام نہیں، ان کی بزرگی کا شک نہیں، ہاں ہم کو یہ اُمید نہ بھٹی کہ بیعت کے وقت ہم کو پوچھنے کے بھی نہیں، اور پھر مجمع عام میں بیعت کی، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ قدر شناسی کی کہ کاھیکہ ہوتی ہے، منبر پر کھڑے ہو کر بقسم یہ کہا کہ مجھ کو خُشنی قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاں ولیؑ اور ان کے ساتھ محبت آتنا اپنی قرابت کا پاس ملنا، اتنی محبت اور اپنا عذر بیان کیا اگر نسی مثل شیر و شکر و زون ہو گئے وہ مثل ہے کہ مدنی اور مدنی علیہ تو راضی ہو گئے پر ایراعیہ رنج کھیاں راضی نہیں یہ تحقیق موافق مذہب اہل سنت تھی۔

مذہب شیعہ کے اصول پر جواب

پرموافق اصول شیعہ اس کا اور جواب ہے، یعنی اول اول حضرت علیؑ کا ارادہ ہی نہ تھا کہ بیعت کیجئے، اپنا حق کسی کو کیوں دیدیجئے، مگر آخر کار موافق سنت خداوندی نعوذ باللہ بآواقع ہوا، یعنی یہ سمجھ میں آیا کہ حق میرا نہیں اس منصب کا مستحق میں نہیں ابو بکرؓ ہیں، اور کیونکر نہ سمجھتے شیعوں کا مانند بد فہم تو نہ تھے جس کو خدا تعالیٰ کے رسول اللہ علیہ وسلم امام نماز بنائیں، منج ساری خلیفہ مقرر کھیں، وہ بھی خلیفہ نہ ہو تو اور کون ہو، دنیا میں یقین ہی حاکم ہیں، خدا رسول یا تیسرے منج جسے شریعت میں اجماع کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تو ایک بھی نہ تھا، بہر حال اول سے معتقد خلافت اول کسوا بعد میں سمجھو، حضرت علیؑ کے شریک بیعت ہونے میں کچھ شک نہیں۔

(فقہ کے عذر رنگ ازالہ)

باقی یہ عذر بوجہ کہ تفسیر تھا، ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی زبردستی تھی، قدر و امان انھوں نے کے سامنے گوز شتر کے بھاؤ بجاتا ہے، اس متاع بے بہا اور گومر بکھا کو پیرا میں بانڈھ کر رکھ چھوڑ لکھنو کی نوابی جب کبھی بجال ہوگی کام آئے گا، غضب نہیں کہ شیر خدا کو گیدڑ سے بھی پرے کر دیا، اور شاہ مردان کو عمرہ توں سے بھی زیادہ بے عزت بنا دیا، صاحبزادے ایسے غیر مذکور عراق کی تیسلس ہزار فوج جبار و کرار سے بھی نہ چھپے جان نازنین پر کھیل گئے، خانماں کو غارت کر دیا عزت دنیا کو خاک میں ملا دیا، پر اپنی بات سے نہ ٹلے، اور ادھر سے فقط اتنی درخوا کہ ایک بیعت کر لو پھر جو چاہو سو کرو اگر یہی تفسیر تھا تو کس دن کے لیے تھا، باب کو چاہیے تھا کہ بیٹھے دو چار فیروزہ ہی رہتے، پھر اس قصہ اور اس قصہ میں زمین و آسمان کافرق نہیں؟ یزید فقط دشمن دینا تھا، ابو بکرؓ و عمرؓ حسب مشولہ شیعہ دشمن دین، اس لیے تبرا کے وقت انہیں کو نشانہ بناتے ہیں، اور اپنی تعریفیں انکی شان میں سناتے ہیں۔

(شیعوں کا تفسیر قرآن کے مخالف ہے، ہم اور اس غیرت اور بے عزتی کی بات بھی جانے

وہ حکم خدا بھی یہی ہے کہ خدا کی راہ میں جان پر کھیل جاتے، عزت کا پاس نہ کرے، کسی کے بھلا
 بڑے لکھنے سے نہ ڈرے، چنانچہ اچھے بندوں کی تعریف میں فرماتے ہیں،
 يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَهُ يَحَافُونَ
 کس کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور
 کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔
 لَوْمَةً لَا يُصِيبُ (پ)

اس سے مراد کوئی سمجھ گیا ہو گا کہ اچھوں کو نہ خوف جان چاہیے نہ پاس آبرو والے ہی صحابہ کرام
 کو فرماتے ہیں،

فَكَانَ مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ رِثْيُونَ
 كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
 (پ ۶۷)
 جس کے یہ معنی ہیں، بہت سی ایسی نبی گزریں جن کے
 ساتھ بہت سے اللہ والوں نے کافروں کے ساتھ جہاد کیا، پھر
 نہ وہ سست ہوئے، نہ ہارے نہ گھبرا کر کافروں کے
 سامنے ہجرت کرنے لگے،

سو آپ ہی فرمائیے تفتیہ میں سوا ان تین باتوں کے اور کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر کلام اللہ
 میں کہیں بھی نامردوں اور کم ہمتوں اور بے غیرتوں کی تعریف ہوتی، تو یوں بھی ہی، اور اگر یہی
 سچ ہے کہ خدا خواستہ تفتیہ تھا، تو پھر اگر رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو امام کیا بھی ہو گا تو
 خدا نے معزول کر دیا، کیونکہ ایسے جان کے بچانے والوں سے آگے کو کیا امید اور بظہر امید ہوتے
 در در از شیخین کو خلیفہ کر دیا۔ سو یہی سچ معلوم ہوتا ہے کیونکہ الحمد للہ ویسا ہی ظہور میں آیا
 در دم دشام تو در کنار ایران کو بھی مسلمان کر دیا۔

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

مجمع ہونا قضاۃ و امراء اور رؤساء اور علماء کا اجماع اہل حل و عقد کہلاتا ہے، یعنی
 ایسے لوگ مجمع ہوں جن کے ہاں ہر بندے، اور کھولے کھلے، چنانچہ حضرت عمرؓ و دیگر
 مساجدین اور انصار تھے، کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت خلافت کی اور وہی
 بیعت تاحیات حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بلا منازعت و تنازع و بلا انکار منکر قائم رہی
 اور تمام اہل حل و عقد کا مجمع ہونا ضرور نہیں ہاں اکثر کا اجتماع ضرور ہے تاکہ اکثر حکم اسکل

ہو جاتے، جیسا کہ خلافت اربعہ کی خلافت میں ہوا، اور ابوبکر کی خلافت و فضیلت کا کوئی بھی منکر نہ تھا، حتیٰ کہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ امام باقرؑ نے فرمایا
 لَمْ يَكُنْ بِمُنْكَرٍ فَضْلُ أَبِي بَكْرٍ وَفَضْلُ عُمَرَ وَلَكِنْ تَرَجَّهَ بِهِ فِي حَضْرَةِ ابُو بَكْرٍ فِي بَدْءِ كَامَلِهِ
 ہوں اور حضرت عمرؓ کی بزرگی کا منکر منکر ابوبکر فضل میں عمرؓ سے۔

ہیں عمرؓ سے۔

اخرج ابوالقاسم عن عبد خیر صاحب
 لَوَاءِ عَلِيٍّ اَنْ عَلِيًّا قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَقَلِّ
 مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هَذِهِ الْاُمَّةِ
 بَعْدَ نَبِيِّهَا فَقِيلَ لَهُ بَلَى يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
 قَالَ ابُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ قِيلَ فَيَدْخُلُهَا
 قَبْلَكَ يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ عَلِيٌّ هُنَا
 اِمِّي وَالَّذِي فُلِقَتِ الْحَبَّةُ وَبَرَأَتِ النَّفْسُ
 لِيَدْخُلَ فِيهَا وَافِيَ لِمَنْ مَعَكُمْ مَعَاوِيَةَ
 مَوْقُوفٌ فِي الْحِسَابِ
 (ازالہ الخفا بحوالہ ابوالقاسم ص ۶۸)

ابوالقاسم نے حضرت علیؑ کے علمبردار عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا تم کو یہ بتاؤں کہ سب سے پہلے جنت میں اپنے نبی کے بعد اس امت کا کون سا شخص جنت میں جائے گا۔ کہا گیا ضرور بتائیے تو حضرت علیؑ نے فرمایا وہ ابوبکر میں پھر عمر میں سوال ہوا کہ امیر المؤمنین آپ سے بھی پہلے وہ داخل ہوں گے فرمایا ہاں! اس اللہ کی قسم جس نے دانہ پھاڑا اور دوس بدن کو پیدا کیا وہ یقیناً داخل ہوں گے جب کہ میں معاویہ کے ساتھ حساب میں کھڑا ہوں گا

فائدہ :- افسوس ہے کہ حضرت علیؑ اور امام باقرؑ تو ابوبکر صدیقؓ کی یہ کچھ فضیلت فرمائیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ پر یہ تصریح تمام فوقیت دین اور روافض خذلہم اللہ ان کی خلافت سے منکر ہوں اور ان کے کیا منکر میں بکر اپنے اندر سے منکر ہیں۔

سوال سوم از جانب شیعہ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر جو اجماع ہوا وہ بموجب طریقہ معتز اہل اسلام کے واقع ہوا یا نہیں۔

جواب سوال سوم۔ واقعی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر ایسا اجماع ہوا جیسا اہل اسلام میں

پاس ہے، بلکہ کسی اور بات میں ایسا اجماع ہوا ہی نہیں، یہاں تک کہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک
 سب متفق ہو گئے، حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ سیری بیعت نہ کرنے سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا
 ہے کہ حضرت علیؑ ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ برحق نہیں جانتے، خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بلا کر تنہا
 شکوہ و شکایت دوستانہ کر کے وعدہ بیعت کیا، اور اگلے روز مجمع عام میں آکر بیعت کی۔ اگر
 جی میں نہ تھی تو اس وقت تک کسی نے خدا نخواستہ گلے پر پھیری نہ رکھی تھی، اور رکھتے بھی تو کیا تھا،
 اماموں کی موت موافق عقیدہ شیعہ اور شہادت کلینی ان کے اختیار میں ہے۔ باقی شیعوں کا
 یہ رائےوں کا سارونا کہ یوں گلے میں رسی ڈال کر لائے اور یوں ظلم و ستم کیا۔ شیطانی خواب ہے۔
 جن حضرت علیؑ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ کس پانچ سے کیا ملے جہاں کبھی اور چھینو لے تھے؟

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

اجماع خلافت حضرت ابو بکرؓ پر بطریق معینہ اہل اسلام ہی ہوا، کیونکہ اجماع دین میں اکثر
 علماء و مہنداران اور مسلمانوں کا معتبر ہے، جیسا کہ صاحب آثار نے بیانات باقرار علماء شیعہ لکھتا ہے۔
 "قولہ: یہ امر کہ سب مسلمانوں نے جو اس وقت تھے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی، باقرار
 علماء شیعہ ثابت ہے کہ شریف مرتضیٰ کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کی جلد ۲ میں منقول
 ہے جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بایں الفاظ فرمایا ہے

جمیع مسلمانان بابو بکر بیعت کروند و اظہار رضا (تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور
 و خوشنودی باور و سکون و اطمینان بسوئے اپنی رضا و خوشی ظاہر کی اور ان پر اطمینان و سکون کا اظہار
 او غور و تدوین گفتند کہ مخالفت او بدعت کفرندہ کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والا
 و خارج از اسلام است۔ بدعتی اور اسلام سے خارج ہے)

سبحان اللہ کیا دین اور ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی عداوت کے
 دین محمدیؐ کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مجاہدین اور انصار اور مجاہدین تھے اور
 جن میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ بھی داخل تھے ان سب کو سرائے و کنایہ کافر بناتے ہیں۔
 نعوذ باللہ من ذلک انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اجماع اہل مل و عقد کا یہ ہوا کہ اس قدر لوگوں نے

متفق المفظ ہو کر بخوشنودی تمام حضرت ابوبکرؓ سے بیعت قبول فرمائی اور اس جگہ اولاد بائے
 لیے غور کرنے کا مقام ہے کہ جب صاحب بحار النوار کہ جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے زبان فارسی
 ”جمع مسلمانان ابوبکر“ صاحب بیعت کردند و اظہار رضا مندی لکھا کیا ہے بلکہ ہو حضرت اشعور اگر
 حیا دار ہوں تو ڈوب مرنے کا مقام ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جب جمع مسلمانوں نے بخوشنودی
 تمام حضرت ابوبکرؓ سے بیعت قبول کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی تو مسلمانوں میں ہی
 شامل ہیں اور نہ یا بحار النوار جو نہایت معتبر کتاب ہے اور مجتہد صاحب کی تکذیب کرو یا لعنوا باللہ
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جمع مسلمانوں میں سے استثنا کرو یا موجب عبارت بحار و ترجمہ مجتہد
 کے تم خود بد غشی اور غار جی بنو فقط

سوال چہارم از جانب شیعہ

اجماع اہل حل و عقد جو اور پر خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے واقع ہوا ہے اس میں کون
 کون سے فضائل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قابل ہامت کے دیکھے۔
 جواب سوال چہارم

عینی باتیں خلیفہ میں چاہیں سب خلیفہ اول میں موجود تھیں۔ اعلم الناس۔ افضل الناس۔
 اشجع الناس، اقلی الناس، از حد الناس، ارحم الناس اعلی الناس، اور سوائے اسکے بقے وصف شیعوں نے
 خلافت کے لیے تجویز کئے ہیں سب ان میں تھے سند مطلوب ہو تو جواب سوالات سوم کو
 منجملہ جواب سوالات اربعہ کے جو ان ۲۸ جوابوں کے ساتھ مرسل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

جواب ثانی از مولوی عبد الصاحب

فضل ابوبکرؓ کا صحابہؓ کے نزدیک منجملہ متواترات تھا اور بہت سی احادیث ان کی فضیلت
 کی زبان زد تھیں چنانچہ جو احادیث کہ فضائل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سوال جواب اول میں مذکور
 ہوئیں وہی فضائل موجب خلافت ہونے اور ماسوا ان کے اور فضائل لا تعدا ولا تحصى ہیں
 بخلاف طوائف کے ذکر نہیں کیا۔ نقل مشہور ہے آدمی کے لیے ایک بات کافی ہے اور عاقل کو

ایک اشارہ پس ہے اور آیات قرآنی سے بھی فضائل بے شمار ثابت ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ آیت :-

ثَانِي اَشْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُولُ
لِصَاحِبِهِ لَا تُخْزِنُ اِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
ترجمہ :- دوسرا دوس میں کا جب دونوں غار میں تھے
جس وقت کہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا غمگین مت
ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ ۶۱)

فائدہ :- اس میں دوسرے کا احتمال بھی نہیں اوّل تو ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب فرمانا۔ دوسرے معیت خداوندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل کیا سبحان اللہ وصل علی اس شخص کی بزرگی پر جس کے ساتھ خداوند دو جہان ہوا ایک فرقہ کیا اگر اس سے تمام عالم باغی ہو جائے تو بھی کیا ہو سکتا ہے ایسے شخص سے محرف ہونا اپنی ذات بتاتی ہے اور دوسری آیت یہ ہے :-

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقَاتِلْ اُولَئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً
مِّنَ الَّذِينَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا
ترجمہ :- برابر نہیں ہو سکتے تم میں وہ لوگ جنہوں نے
فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ لوگ مرتبہ میں
بہت بڑے ہیں ان لوگوں جنہوں نے خرچ کیا
بعد فتح کے اور جہاد کیا۔

(حمایت رسول میں ابوبکرؓ کی بہادری اور قتال)

اور قتال کرنا قبل فتح کے حضرت ابوبکرؓ کا بے انتہا روایت ثابت ہوتا ہے چنانچہ
حضرت علیؓ کریم اللہ وجہ سے روایت ہے :-

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اَخْبِرُونِي
بِاشْجَعِ النَّاسِ قَالُوا اِلَّا نَعْلَمُ فَمَنْ قَالَ
اَبُو بَكْرٍ - لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ قُرَيْشٌ قَهْدًا
مِّنْ حَبِيْبِهِ وَهَذَا يُبَلِّغُهُ وَهُمْ يَقُولُونَ
اَنْتَ الَّذِي جَعَلْتَ الْاُولِيَّةَ اِلَهُمَّ
ترجمہ :- حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے
کہا اے لوگو مجھ کو بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے
لوگوں نے کہا ہم تو نہیں جانتے آپ ہی بتائیے
کون ہے؟ کیا ابوبکرؓ ہیں۔ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جب کہ قریش
ایذا دیتے تھے کوئی آپ کو ہٹانے کے بل گزرتا تھا۔

وَاحِدًا قَالَ قَوْلَ اللَّهِ مَا دَنَى مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا
 الْيُوكَرُ يَضْرِبُ هَذَا وَيُجَبِّي هَذَا
 وَيَلْتَلِ هَذَا وَهُوَ يَقُولُ وَيَلْكُمُ
 الْقَتْلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّي اللَّهُ ثُمَّ
 رَفَعَ عَلَى بَرْدَةٍ كَانَتْ عَلَيْهِ فَبَكَى حَتَّى
 ابْتَلَّتْ لَحْيَتَهُ ثُمَّ قَالَ آمَنُ مِنَ الْ
 فِرْعَوْنَ خَيْرٌ مِنْ أَبِي بَكْرٍ فَكَتَبَ
 الْقَوْمُ فَقَالَ أَلَا يُجَبِّي قَوْلَ اللَّهِ لَمَّا
 مِنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِنْ مُثَلِّهِ الْفِرْعَوْنَ
 وَذَلِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ وَهَذَا
 أَظْهَرَ (اعلم)

راز الہ النخا ص ۲۲۹ و ص ۲۹۸ بحوالہ الاستیعاب

اور کوئی منہ کے بل اور یہ کہتے جاتے تھے تو ہی ہے
 وہ شخص کر بہت سے معبودوں کے ایک ٹھہرایا۔
 حضرت علیؑ کہتے ہیں قسم اللہ کی ہم میں سے سوا
 ابو بکر کے اور کوئی حضرت کے قریب نہ ہوا اور ابو بکر
 کسی کو مارتے تھے کسی کو گھس کے بل گراتے تھے
 اور کسی کو پشانی کے بل۔ اور یہ کہتے تھے خرابی ہو
 تمہارے لیے کیا مارتے ہو تمہارے شخص کو جو کہتا
 ہے پروردگار میرا اللہ ہے پھر حضرت علیؑ نے
 اپنی چادر جو اوڑھے ہوئے تھے۔ اٹھائی اور
 لٹے یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہو گئی پھر کہا قسم
 دیتا ہوں میں ساتھ اللہ کے آیا ہوں آل فرعون
 کا بہتر ہے یا ابو بکر پر لوگ چکے تھے آپ نے کہا
 مجھ کو جواب کیوں نہیں دیتے قسم ہے اللہ کی البتہ
 ایک ساعت ابو بکر کی بہتر ہے مومن آل فرعون
 جیسے شخص سے وہ تو ایسا شخص تھا کہ ایمان اپنا
 پوشیدہ رکھتا تھا اور یہ بسا شخص ہے کہ اپنے
 ایمان کو ظاہر کیا۔

(ابو بکر صدیقؓ کی غیر ایمانی)

دیگر حدیث محبوب سبحانی مع آیت قرآنی

عن ابن جریر قال حدثت ان اباقحافة
 سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَصَكَهُ الْيُوكَرُ صَكَةً فَتَقَطَّ فَذَكَرَ
 ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 ترجمہ ابن جریر سے روایت ہے کہ ابو قحافة نے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا اس پر ابو بکر نے ایک ٹانچہ بوقحافہ
 کے مارا کہ ابو قحافہ زمین پر گر پڑے پھر حضرت نے
 اس کا ذکر فرمایا کہ ابو بکر کی تو نے ایسا کیا کہا قسم

فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَفَعَلْتَ هَذَا فَقَالَ وَاللَّهِ
لَوْ كَانَ السَّيْفُ قَرِيبًا مَنَى لَضَرْبَتُهُ
فَنَزَلْتُ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ (بخاری ص ۲۹۸)

اللہ کی اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو بے شک
اس کے مارتا تب یہ آیت نازل ہوئی نہ پائے گا تو
اس گمراہ کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت
کے دن پر کہ دوست رکھیں وہ ان لوگوں کو جو
اللہ رسول سے دشمنی رکھتے ہیں اگرچہ ان کے

باپ ہی کیوں نہ ہوں آیہ

(بعد از رسول ابو بکر و عمرؓ ہی کفار کے دل میں کانٹا تھے)

دیگر واقعہ غزوہ احد میں مذکور ہے کہ ابوسفیان نے ندا کی۔

هَلْ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ وَهَلْ فِي الْقَوْمِ
إِبْنُ أَبِي قُحَافَةَ وَهَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ
ترجمہ: آیا قوم میں محمد موجود ہے آیا قوم میں ابو قحافہ
کا بیٹا ہے آیا قوم میں عمر بن خطاب ہے

(بخاری غزوہ احد ص ۵۷۹)

فائدہ :- اس کا پوچھنا اس غرض سے تھا کہ اگر خدا نخواستہ یہ اشخاص نہ ہوتے تو ہمارا کام بن
گیا اور ہم نے میدان جیت لیا اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی آنکھوں میں بھی یہ ہی لوگ اتنی قریب
سے کھٹکتے ہیں۔

سوال پنجم از جانب شیعہ

آیا کوئی فضیلت حضرت ابو بکر صدیقؓ میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ مرتضیٰ میں نہ تھی۔

جواب سوال پنجم

اس سوال کا اگر یہ مطلب ہے کہ توصاف حمیدہ میں سے کوئی ایسا وصف بناؤ جو حضرت
ابو بکر صدیقؓ میں ہو اور حضرت علیؓ میں نہ ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے غلط فہمی خدائی ان میں تھی اور ان میں
نہ تھی پر اس سے سائل کو کوئی نفع نہیں اگر دو شخصوں میں برابر اوصاف ہوں تب جسے
خلیفہ بنا دیں بجا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کمی بیشی کا فرق بتلاؤ تو یہ ہمارے ذمہ ہے مگر ہم
جواب سوم میں منجملہ جوابات اربعہ میں بالاجمال اس کا جواب دے چکے ہیں۔ الغرض اوصاف
میں بلکہ تمام اوصاف میں ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ صحابہ سے بڑھ کر تھے اس میں حضرت علیؓ

ہوں یا اور کوئی۔ چنانچہ خود حضرت علیؑ ہی فرماتے ہیں کہ سب میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں
 سند مطلوب ہو تو بخاری میں دیکھ لیجئے بروایت محمد بن الحنفیہ فرزند ابی بکرؓ حضرت خیر خدایہ ولایت
 موجود ہے بالجملہ اور عالم تھے تو ابوبکرؓ اعلم تھے اور زائد تھے تو ابوبکرؓ از حد تھے اور راحم تھے تو
 ابوبکرؓ رحم تھے۔ علیؑ ہذا لقیاس۔

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

چند فضائل تو در باب خلافت مذکور ہو چکی ہیں اور دیگر فضائل بھی بہت ہیں۔
 (سفر ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ کا ایثار ضرب المثل ہے)

مثل فقہا اس رات کے جس رات کو تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقصد ہجرت نماز میں
 تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہوا کہ سب عیال و اطفال کو کفار میں چھوڑ کر حضرت
 کے ہمراہ رہے اور باوجود تلاش شدید و دواویہ (دور و دھوپ) کفار کے حضرت کے ساتھ
 غار میں رہے اور اس غار میں حضرت کے آرام کیلئے اپنا کپڑا بچاڑ کر سانپ بچھوڑ کے سوانوں
 میں دیا جب کپڑا نہ رہا اور ایک سوراخ باقی رہ گیا اس پر اپنا پاؤں لگا کر بیٹھ گئے اور حضرت
 اپنے سر مبارک کو حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر رکھ کر بے فکر ہو کر آرام فرماتے گئے اس اثناء میں حضرت
 ابوبکرؓ کے پاؤں میں چند بار سانپ نے کاٹا، حضرت خلیفہ نے بسبب خیال بے آرامی حضرت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دم نہ مارا، حتیٰ کہ بے اختیار حضرت خلیفہ کے آنسو جاری
 ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے حضرت نے فوراً بیدار ہوئے
 ہی کیفیت پوچھ کر اپنا سب مبارک لگا دیا فوراً شفا ہو گئی۔

شیعوں کو اتنی ہی بات فرق مراتب کے لیے کافی دوائی ہے کہ حضرت علیؑ کی آنکھوں
 میں بوقت بھیجنے خیبر کے رسول مقبول نے لب مبارک لگایا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں۔
 دوسرے کہ حضرت امیر المومنین کی آنکھوں میں بغرض خیبر بھیجنے کے لب لگایا اور حضرت
 ابوبکرؓ صدیقؓ کے پاؤں میں بے غرضانہ کہ ماسوائے فرط محبت کے دوسری وجہ نہ تھی۔

اور اس واقعہ ہجرت میں سواری حضرت ابوبکرؓ کی معرفت تیار ہوئی زاوہ راہ ان کے

گھریکا غلام ان کا غار میں دو دو لانا تھا۔ پٹان کا خبر کفار کی اور تمام دن کے منصوبے رات کو کر سنا تا۔ غلام ابو بکرؓ کا رفیق رہا تھا۔ اجیران کا رہبر تھا۔ غرضیکہ سفر ہجرت کو رفاقت صدیقی ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ ماسوا ابو بکر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر پر لے کے کون ہاتھوں کے بل سپاڑ پر چڑھا تھا اور کس کی طرف ایسی مددیں پہنچیں ہنر

دوست آں دائم کہ گیر دوست دوست در پشایاں حالی و در ماندگی
(ابو بکر صدیقؓ سب سے بڑے عاشق رسولؐ تھے۔)

اور منجد فضائل کے گفتگو کرنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا لوم بدو لوم حدیبیہ کے اور رونا حضرت ابو بکرؓ کا بسبب غایت رازدانی کے بوقت فرمانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
إِنَّ عَبْدَ أَحِبِّهِ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ - (بخاری ص ۱۱۱ مسلم ص ۲۴۲)
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے دنیا پسند کرے یا آخرت۔

اور خطبہ پڑھنا حضرت ابو بکرؓ کا بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تسکین دینا لوگوں کو اور کھڑا ہونا مقدمہ بیعت میں واسطے خیر خواہی مسکین کے۔ پھر اہتمام کرنا جوش بھیجنے کا حسب ارشاد رسول مقبول کے ملک شام کی طرف اور قتال کرنا مرتدین سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "أَنْتَ عَيْتِيُّ اللَّهِ مِنَ النَّارِ" فرمانا بے مثال فضیلت ہے اور طبرانی نے اسے عمدہ سے کہا ہے۔
(حضرت ابو بکرؓ خدا اور رسول کی شہادت صدیق ہیں)

اخرج الطبرانی بسند صحيح جيد عن حكيو ترجمہ: حکیم بن سعد سے روایت ہے کہ اس میں نے
بن سعد قال سمعت عليا ومجلى لاندل علیؓ کو کہتے تھے اب قسم کھاتے تھے کہ بے شک
اللہ اسمہ الی بکر صدیقاً من السماء اللہ نے حضرت ابو بکرؓ کا نام صدیق آسمان سے
الریاض النضرہ ص ۹۸ بحوالہ عمر قندی صاحب الصفوۃ اتار ہے۔

لے ابواسحاق اسبغی ابو بکرؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے حضرت علیؓ سے کتنی بارنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رشاد فرماتے اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کا نام اپنے نبی کی زبان پر صدیق رکھا۔ (۲) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آسمان کا موعظ کر لیا گیا نصرت شیعۃ الوجود است اس میں یہ مکتوباً محمد رسول اللہ و ابو بکر الصديق خليفتي والرياض النضرہ ص ۹۸ بحوالہ

غرضیکہ صدیق نام پانا اور جبل احد کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اسکن یا احد فانک
 علیک نبی وصدیق و شہیدان اور سب مسلمانوں کا متفق ہو کر خلیفہ بنانا اور کھوکھیاں
 میں کہ احاطہ تقریر و تحریر سے باہر ہیں خدا کا فضل ہے اہل سنت جماعت کی کتابیں بہت ملی
 ہیں۔ حضرات شیعہ کی کتابوں کی طرح مفقود و محبوب نہیں اگر کچھ سنیقہ کتاب مینی کابے تو دیکھ لیجئے
 ورنہ خواہ مخواہ دخل و معقولات مذبحیے اور بحث و مباحثہ کی ٹانگ نہ توڑیے۔
 (کتاب شیعہ سے صدیق ہونے کا ثبوت)

اور اگر ہماری کتابوں کے دیکھنے کا شعور نہیں تو اپنی ہی کتابیں دیکھ کر ذرا تشرمند بھیجئے
 دیکھو کشف الغمہ کہ جو تمہارے یہاں نہایت معتبر ہے تمہارے یکے پترے کھولتی ہے۔

سُئِلَ الْإِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ عَنْ حَلِيَّةِ الشَّيْفِ
 هَلْ يُجُوزُ فَقَالَ نَعَمْ قَدْ حَلَّى أَبُو بَكْرٍ
 الصِّدِّيقُ لِسَيْفِهِ فَقَالَ الرَّادِيُّ الْقَوْلُ
 هَكَذَا قَوَّبَ الْإِمَامُ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ
 نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ
 الصِّدِّيقُ فَمَنْ كَمْ يَقُولُ لَهُ الصِّدِّيقُ
 فَلَا صَدَقَ اللَّهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
 ترجمہ: امام ابو جعفر (باقر) علیہ السلام سے پوچھا گیا
 کہ تلوار کو زیور لگانا یعنی سونے چاندی سے آراستہ
 کرنا آیا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں ابو بکر صدیق نے
 اپنی تلوار کو زیور سے آراستہ کیا۔ راوی نے کہا تم ایسا
 کہتے ہو؟ یہ سن کر امام اپنی جگہ سے کود کر اٹھے پھر فرمایا
 ہاں صدیق۔ ہاں صدیق۔ ہاں صدیق۔ پھر جو شخص ان کو صدیق
 نہ کہے اللہ اس کی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔

ف۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اول تو خود بخود امام محمد باقر نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو صدیق
 فرمایا اور اس کے فعل کی سند ذکر فرمائی چونکہ سائل رافضی تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ
 بھی صدیق فرماتے ہیں حضرت امام محمد باقر یہ لفظ سننے ہی طیش میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا
 ہاں صدیق، ہاں صدیق جو اس کو صدیق نہ کہے اللہ اس کو دین و دنیا میں سچا نہ کرے۔ اے
 حضرات امامیہ اس وقت میں تم سے بطور زنادگی کے پوچھتا ہوں خدا کے لیے سچ تو بتاؤ کہ

تسلے لگے تو اس قدر حضرت صدیق کے محبوب و متبع میں تم کس کے پیرو ہوئے ہو اور اماموں تک سے بھی تقیہ کر رکھا ہے اور ایک نصیحت بہ نظر دوستانہ کہتا ہوں کہ صاحب الحیاء والا ایمان سے اعراض نہ کرو تا کہ کچھ حصہ حیار کا تم کو بھی مل جائے۔

سوال ششم از جانب شیعہ

حضرت علی مرتضیٰ میں کون سے ایسے فضائل ہیں جو حضرت ابوبکر یا دیگر صحابہ میں نہ تھے جواب سوال ششم۔ اس سوال میں سوال پنجم ہی کو الٹ لیا ہے سو اس کا جواب بھی اسی کے جواب میں موجود ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

معلوم ہے کہ جمیع صحابہؓ میں فضائل جبرئیلہ میں یہ تفاوت موجود ہے کہ ایک بات ایک میں ہے اور دوسرے میں نہیں اسی قیاس پر حضرت علیؓ میں دامادی کی فضیلت ہے حضرت ابوبکرؓ میں نہ تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں دوسری باتیں جاتی تھیں اور بروقت ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا اس مکان میں تہا رہنا بے شک فضیلت ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونا کچھ کم نہیں بلکہ باری وجہ زیادہ ہے کہ بوجہ حمایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخالفت کفار کو حضرت صدیق سے زیادہ تھی کیونکہ جتنا کوئی اپنے دشمن سے مرتبط ہوتا ہے اتنا ہی خار گزار ہے۔ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے بسبب کم عمری کے کچھ مزاحمت نہ تھی دوسرے یہ کہ جس حال میں کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے۔ پھر ان سے کیا پرغاش تھی اسی لیے ان کو بھی کچھ نہ کہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر ان کے بیٹے بیٹی اسما کے ملا نچہ مارا۔

(حضرت علیؓ کے مخصوص فضائل)

اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بھی بہت فضائل ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک نہ لیجانے پر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا یہ ملال یہ کہہ کر دور کیا۔

أَمَّا تَرْضَى أَنْ تُكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ
هَارُونَ مِنْ مُوسَى عَزَّ وَجَلَّ لَا نَبِيَّ
بَعْدِي - (ترمذی ص ۲۱۴ مسلم ص ۲۴۸)

ترجمہ ارکھتا تو اس بات سے راضی نہیں ہوتا کہ میری
نسبت ایسا ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ کی
نسبت تھی سوائے اس کے کہ وہ نبی تھے میرے بعد
نبی نہیں۔

اور فتح خیبر کے لیے یہ کہہ کر جب حضرت امیر المومنین کو مرحمت فرمایا۔

أَوْعُظِينَ الرَّايَةَ غَدًا جَدًّا يَفْتَحُ اللَّهُ
عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّ
اللَّهُ وَرَسُولَهُ، أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْبَزْزَارُ عَنْ
سَهِيلِ بْنِ سَعِيدٍ - (ترمذی ص ۲۱۴ مسلم ص ۲۴۹)

ترجمہ البتہ دوں گا میں جھنڈا کل کو اس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ
اسکے ہاتھ سے فتح دے گا دوست رکھتا ہے
وہ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اللہ رسول
اس کو دوست رکھتے ہیں۔

اور ایک یہ فرمانا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي سُرَيْحَةَ
وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ (أَبِي سُرَيْحَةَ هُوَ حَذِيفَةُ بْنُ أَبِي سَيْدٍ صَاحِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)
اور اہل بیت میں دعا کر کے داخل کیا جو قصر عبا مشورے اور مواخات کے وقت یہ
فرمایا انت اخي في الدنيا والآخرة اخبرني الترمذي عن ابن عمر - تو میرا بھائی ہے دنیا اور
آخرت میں۔ اور انا مدينة العلم وعلى بابها وغير ذلك اخبرني الترمذي
والحاكم عن علي ترجمہ :- میں شہر علم کا ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ فضائل بے انتہا
میں لیکن ایسے فضائل جزئیہ خلقات اربعہ میں بلکہ اکثر صحابہ میں پائے جاتے ہیں بخوف و لازمی
عبارت کے ذکر نہیں کئے اور فضیلت جزوی سے فضیلت کلی ثابت نہیں ہوتی۔

(حضرت عمر و عثمانؓ کے مخصوص فضائل)

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بَنِي عَمْرٍاءَ رِوَايَةً أَنَّ
اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ
اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ
وَقَلْبَهُ (ترمذی ص ۲۰۹ ح ۲۰۹)

ترجمہ ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے
کیا حق کو عمرؓ کی زبان پر اور اس کے دل پر

وَأَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ عَنْ
عُقَيْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ نَبِيٌّ مِنْ
بَعْدِي لَكَانَ عُمَرُ وَتِرْمِذِيُّ ص ۲۹۳

اور جیسے حضرت عثمان بن عفان کی شان میں وارد ہوئی۔

(حضرت عثمان کی فضیلت میں احادیث)

أَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ
بَيْنَهُ حِينَ دَخَلَ عُثْمَانُ وَقَالَ أَوَاكُفُنِي
مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ (مسلم ص ۲۹۳)
مَا أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ النَّسَائِيِّ وَالْحَاكِمِ
وَصَحَّحَهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ
قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِالْفِ دِينَارٍ فِي كُمِهِ حِينَ
جَهَرَ جَيْشُ الْعُسْرَةِ فَتَرَاهَا فِي حُجْرِهِ
قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُهَا فِي حُجْرِهِ وَ
يَقُولُ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ
الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ (ترمذی ص ۲۹۳)

وَأَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ النَّسَائِيِّ قَالَ لَمَّا
أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِجَبْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ
عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ

اور روایت کی ترمذی اور حاکم نے اور تصحیح کی
عقبة بن عامر سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اگر ہوتا بنی میرے بعد تو البتہ عمر ہوتا۔

ترجمہ امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے کپڑے درست کئے جب آپ کے پاس حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے فرمایا کہ شرم کرو
میں اس شخص سے کہ جس سے فرشتے شرم کرتے
ہیں۔ ترمذی اور حاکم نے انس سے روایت کی
ہے اور تصحیح کی اس کی عبد الرحمن بن عمر سے کہا
آئے عثمان بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزار دینار
کے کہ جب کہ جیش العسرة کا سامان کیا اور لا کر آپ کی
گود میں ڈال دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان دیناروں کو الٹے پٹٹے تھے اور فرماتے تھے۔
نقصان نہیں کرتا عثمان کو۔ کوئی عمل بعد کا آج
کے دن دوبار فرمایا۔

اور روایت کی ترمذی نے انس سے کہا جب
کہ حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت
رضوان کا تو عثمان بن عفان حضرت کی طرف سے
مکہ والوں کے پاس قاصد گئے تھے لوگوں نے حضرت

وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ قَالَ قَبَّاحُ
النَّاسِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةٍ إِلَى اللَّهِ وَحَاجَةٌ
رَسُولِهِ فَضَرْبَ بِإِحْذَى يَدَيْهِ عَلَى
الْأُخْرَى فَكَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ
أَيْدِيهِمْ لَنَفْسِهِ

(ترمذی ص ۲۱۱)

سے بیعت کر لی آپ نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور اس
کے رسول کے کام کے واسطے گئے ہیں اور اپنے
ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ایک ہاتھ جو حضرت عثمان کے واسطے
تھا بستر تھا اور لوگوں کے (سب) ہاتھوں سے
جو ان کے لیے تھے۔

غرضیکہ اکثر احادیث فضائل میں وارد ہوئی ہیں کہ وہ فضائل ایک کے دوسرے میں نہیں پائے
جاتے فضائل جبرئیل سے علوم مرتبہ نہیں ہوتا ہاں جس طرح اجماع امت خلافت پر مرتبہ مرتبہ
چلا آیا ہے۔ اسی طرح فرق مراتب بھی ہے کیونکہ مجموعہ فضائل سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

سوال ہفتم از جانب شیعہ

سوائے حضرت مرتضیٰ کے کسی اور صحابی کے لیے کبھی روٹمس واقع ہوا؟
جواب سوال ہفتم

(روٹمس کی روایت شیعہ کے لیے مفید نہیں)

آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا طبرانی اور طحاوی نے بایں طور نقل کیا ہے کہ خیمہ
کی راہ میں بعد عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے
بعد غروب آفتاب آنکھ کھلی تو حضرت علیؑ سے پوچھا تم نے عصر کی نماز پڑھی اپنے عرض کیا

اے مومنین شیعہ بھی صلح مدینہ کے قصہ میں حضرت عثمانؓ کی اس فضیلت کا اقرار کرتے ہیں بڑی کھنی حضرت رسولؐ نے
اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر عثمانؓ کی بخت لینے کیلئے مارا جب عثمانؓ نے کہا کہ عثمانؓ بڑے خوش نصیب ہیں کہ طرف و غور کیا ہو گا اپنے نبیؐ کا
حضرت عثمانؓ اپنے بغیر طوف نہیں کیا چنانچہ جب واپس آئے تو حضورؐ نے پوچھا کیا تو نے طوف کیا؟ عثمانؓ نے کہا جب آپ طوف نہ کر سکے ہیں مجھی پر کیا
(حیات القلوب ص ۲۱۱)

کوئی نہیں آپ کے دعا فرمائی خدا تعالیٰ نے آفتاب کو پھر مٹایا پہاڑوں پر دھوپ نظر آنے لگی۔ اس وقت
 کامر چند صحاح ستہ میں پتہ نہیں اور ابن جوزی نے جو بڑے محدث ہیں اس روایت کو منہدم و مضموعاً
 یعنی تھوڑی حدیثوں میں شمار کیا ہے پر اور محققوں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ سو ہمیں بھی یہی بات

لے بے اللہ الرحمن الرحیم۔ رد شمس کا معجزہ، درخبر سے دلیلی پر مقام صحابہ میں ظاہر ہوا۔ اور یہ حدیث۔ حضرت سہمت
 عیسیٰ سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اس حدیث بات میں امام طحاوی نے شکل الآثار علامہ زکریا نے شرح مؤسب اور حافظ ابن کثیر نے
 البدایہ میں قاضی عیاض شرح شفاء میں بولنا نامہ منہدم و مضموعاً ہے۔ حضرت مولانا شاہ صاحب کشمیری سے فیض ابدی کتاب الجہاد میں اور دوسرے حضرات
 نے بھی ذکر فرمایا ہے امام طحاوی فرماتے ہیں ہذان حدیثان ثابتان ودوالہما۔ ثلث شرع امامی الاجاب کے مقدمہ ص ۵۵ تا ۵۸ میں
 بھی اس حدیث پر مفصل بحث ہے اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے شیخ جلیل الدین سیوطی نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ
 کشف العیس عن حدیث رد شمس لکھا ہے جس میں اس حدیث کے طرق و اسانید پر بحث کی ہے اور اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔ علامہ زکریا نے بھی
 شرح مؤسب میں اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے علامہ عینی نے مہر حق سے مسوطاً نقل کیا ہے ضحاک نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے
 گویا کہ امام طحاوی اس حدیث کی تصحیح کرنے میں متفرد نہیں بلکہ متقدمین و متاخرین میں بہت سے حضرات نے امام طحاوی کی موافقت کی ہے اور
 امام ابن تیمیہ کے قول پر ترجیح دی ہے۔ المعتمد من المحقق من شکل الآثار میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ثلثہ النفس ص ۱۰۷ میں
 ثلث سے معاذ صریح نہیں اس لیے کہ ثلثہ نفس کے یہ الفاظ ہو سکتا ہے کہ اس رد شمس کے واقعے سے پہلے ہوں اور رد شمس بعد میں۔ خود دونوں
 میں تطبیق ہو گئی۔ خفاجی مصری شرح شفاء میں کہتے ہیں اس حدیث پر بعض شریعت نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اسکا رواد
 مطعون ہیں۔ واصل یہ حفاظ ابن جوزی کے کلام کو جو ہے ہے حالانکہ اس کی اس کتاب کا اثر حصہ مہمور ہے۔ وقد قل خاتمة
 المحقق السیوطی وکذا السخاوی ان ابن الجوزی فی موضوعہ عملاً بخلاف کثیراً۔ یہاں تک کہ بہت سی احادیث صحیحہ بھی اس میں
 ذکر کردی ہیں جیسا کہ ابن صلیح نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود طرق اسکی صحیحہ پر شاہد ہیں۔ مصنف نے بھی اس کی تصحیح کی ہے اور اس سے پہلے
 امام طحاوی ابن شابرین، ابن مندہ، ابن مردودہ اور طبرانی نے مجہم میں اسکو حسن کہا ہے۔ ابن جوزی نے جن پر کلام کیا ہے ان میں احمد بن صالح
 بھی ہے جو ابوہریرہ سے ہے حالانکہ وہ حفاظ الثقات ہے، اصحاب سنن نے اس روایت کی بنا پر اس کی ترویج کے لیے ہی کافی ہے کہ بخاری نے
 صحیح میں اس سے روایت نقل کی ہے تو امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن جوزی یا دوسرے حضرات جنہوں نے اس کو موضوع میں شمار کیا ہے ان کی یہ بات قابل توجہ
 نہیں۔ احمد بن صالح المصری ابیہر بن عبد اللہ من العاصم، امام نسائی نے بھی اہم قید کی ہے اس پر کلام کیا ہے ابن سعید، اسکی تائید نقل کی ہے
 ابن حبان اپنے تصنیف کے ساتھ کہتے ہیں کہ جس پر کلام کیا گیا ہے وہ احمد بن صالح الشعمونی ہے اور امام نسائی نے اس کو احمد بن صالح مصری کہا حالانکہ وہ
 احمد بن بخاری سے تفسی، ابوہریرہ کے رواد میں ہے۔ کذا فی التقریب۔ واللہ اعلم محمد شرف۔

پسند ہے کچھ اپنی محبت کا تقاضا کچھ شیعوں کی خاطر اس پر بھی وہ نہ سمجھیں تو انہیں خدا جگے۔

(وعلیٰ نبوی سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے)

ہمیں معلوم نہیں اس سوال میں سائل نے کیا فائدہ سمجھا ہے اگر یہ قنابل ہے کہ یہ معجزہ حضرت علیؑ کے نام لگ جائے تو اس کی امید بے جا ہے۔ اگر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے ہاں حضرت علیؑ کی کارگزاری اور خاطر دینی البتہ باعث و عاملہ کہ ہوئی سو یہ کون سی بڑی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ اولیٰ بات ہے۔ اس سے پہلے مکہ میں کفار کی استدعا سے معجزہ شوق القمر ہوا تھا تو کفار کی کیا فضیلت نکلتی تھی۔ اور اگر اس میں کچھ فضیلت ہے تو فقط اتنی ہے کہ ان کی یہ خدمت پسند آئی سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکرؓ کی خدمت گزریاں اس سے زیادہ پیش نظر تھیں۔

(حضرت کی ابو بکرؓ کی احسان شناسی)

بخاری اور مسلم وغیرہ صحاح میں موجود ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں ارشاد فرمایا کہ بتنا ابو بکرؓ کا احسان میرے ذمہ ہے اتنا کسی کا نہیں پر ان کو قضاء نماز کا اس (خدمت) کی وجہ سے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا ورنہ ان کے لیے دعا کرتے تو مغرب چھوڑ مشرق سے آفتاب نکل آتا بایں جہ یہ دعا تھی۔ اور دعا میں بے اختیار ہی ظاہر ہے خدا کو اختیار ہے چاہے قبول کرے چاہے قبول نہ کرے اور قبول کرے تو خدا کے نزدیک بڑی بات نہیں پر قابل تعریف یہ بات کہ خدا ساتھ ہو جائے سو تم بھی جانتے ہو کہ ان اللہ مفت کے کیا معنی ہیں اور یہ کس کی شان میں ہے یا رغار کون تھا اور سکنت خداوندی کس پر نازل ہوئی اور اس کو بھی جانے دیجئے اگر یہ آفتاب کا لوٹ آنا حضرت علیؑ کی خاطر ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر نہ تھا آپ کی دعا کا اس میں اثر نہ تھا اور تھا تو برا کے نام تھا ظاہر کا بہانہ تھا ورنہ اصل میں حضرت علیؑ ہی کی خاطر تھی تو پھر کیا اس سے کچھ فضیلت لازم نہیں آتی ورنہ حضرت علیؑ اور صحابہ تو درکنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو جائیں گے۔ ادھر یہ معجزہ اول حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں حضرت سلیمان سوا حضرت علیؑ اور سب کے افضل ہو جائیں گے۔ منکر تمہیں فرماؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت

موسیٰ حضرت علیؑ علیہ السلام ہیں یا حضرت سلیمانؑ کی حدیث تو سنی ہوگی اس میں دیکھیے
 خلافت کس کس کی طرف بغرض شفاعت بیا میں گے اس میں کہیں سلیمان (علیہ السلام) کا ذکر نہیں

جواب ثانی از مولوی عبدالمصاحب

یہ بھی فضیلت جزوی ہے اور یہ فضیلت بہ نسبت فضیلت حضرت ابوبکرؓ کے کہ حضرت نے
 فرمایا مردوں میں سب سے زیادہ مجھ کو ابوبکر محبوب ہے۔ اور یہ نسبت فضیلت حضرت عمرؓ کے کہ لَوْ كَانَ
 نَبِيٌّ مِنْ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرُ۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور یہ نسبت فضیلت حضرت
 عثمانؓ کا اَوْ اسْتَحْيِي مِنْ رَجُلٍ تَتَكَبَّرُ مِنْهُ الْعَلَائِكَةُ دیکھا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے
 فرشتے حیا کرتے ہیں (کچھ معتد بہا نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ روزِ شمس فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی دعا سے ہوا ہے اس میں کوئی فضیلت حضرت علیؓ کی نہ حاصل ہوئی کیونکہ حضرت رسول
 مقبول جس کے واسطے دعا فرماتے روزِ شمس ہو جاتا پر چونکہ ان سے کبھی در باب صوم و صلوات
 مابینت نہ ہوئی اس لیے ان کے لیے دعا روزِ شمس بھی وقوع میں نہ آئی و تحقیقت امیر المومنین
 کی فضیلت اس میں ظاہر ہوتی کہ خاص ان کی ہی دعا سے روزِ شمس ہوتا اور کسی کی دعا سے نہ ہوتا اور
 یہ کہیں ثابت نہیں سائل کو شرم نہیں کیا حضرت علیؓ کے فضائل تھوڑے تھے جو اس کو بڑے اہتمام
 سے جداگانہ سوال قرار دیا اور ایک قاعدہ اور بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جو معجزہ نبوی ہے اس سے
 خواہ مخواہ غیر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اگر اس کو تم نہ مانو تو اکثر معجزوں سے کفار کی فضیلت
 نکل آئے گی۔ تتبع فضائل جمیع صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہ حضرت کے مرغوب و
 محبوب تھے لیکن مقتضای آیت کریمہ

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ يَتَخَلَّفُونَ فِي الْأَرْضِ

(کہ اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے
 والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو ضرور بر ضرور زمین

میں خلیفہ بنائے گا۔ الخ)

کے خلفاء ایمان اور اعمال صالحہ سے مشرف ہو کر بہرہ اندوز خلافت جہات اربعہ ہوئے۔ جانتا
 چاہیے کہ خداوند کریم نے خود ان کے ایمان اور اعمال صالحہ اور خلیفہ بنانے کے لیے اتنی مدت

پیشتر خبر دی افسوس ہے کہ جو امر خداوند تعالیٰ کی مرضی سے روافض اس کو نہ مانیں یہ وہ مثل ہے کہ بادشاہ کا مال صرف ہوا اور خزانچی کی جان سوکھی یہ کیسے مسلمان ایماندار ہیں کیا اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ حکم خداوندی نہ مانیں گے اگر یہ بات ہے تو بیشک پختہ مومن ہیں۔

سوال ہشتم از جانب شیعہ

حضرت علی کے لیے پیغمبر خدا نے یہ فرمایا یا نہیں کہ وہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسول خدا اس کو دوست رکھتے ہیں یا یہ کہ لڑائی خنق کے دن کی حضرت علیؑ کی افضل ہے تمام امت کے اعمال سے جو قیامت تک کریں۔
جواب سوال ہشتم۔

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا کہ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ ہمارا عین ایمان ہے پر اس سے افضلیت کا ثابت کرنا ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔

۱۔ چہ خوش گفت ست سعدی و رزینی کہ عشق آسان نمود اول وے افتاد مشکلا
صاحب اول تو خدا تعالیٰ پرستی کی نسبت فرماتا ہے ان اللہ یحب المتقین۔ دوسرے متبعان سنت کو ہدایت ہے۔

ان کُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاسْبِعُونِیْ بِحُبِّکُمْ
اللّٰهُ وَلَغَفِرَ لَکُمْ ذُنُوبَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِیْمٌ
جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ کو تم سے محبت ہو جاوے گی اور اللہ قہار ہے
سب گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔
(ال عمران ۴۷)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بات ہر مومن کو نصیب ہو سکتی ہے ورنہ ہدایت کے کیا معنی ہیں۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہوتی تو پھر یہ ارشاد ایسا تھا جیسے یوں کہتے تم خدا ہو جاؤ (اور یہ ناممکن ہے) اور ہم

لے یعنی مقصد اصلی پر دلالت بالکل نہ ہو نہ بدعتی کھینچ تان کی جلتے شاعر کے شعر میں تین غلطیاں ہیں۔ زمین کتاب مولانا جامی کی ہے سعدی کی نہیں پیر مصر عثمانی دیوان مافلا کہ ہے۔ ۱۲ مہر محمد

نے وبالہنہ امانا کہ یہ امر اوروں کو حاصل نہیں یا بدشعوری حاصل ہے پر اس کو کیا کیجئے۔ خدا تعالیٰ حضرت
ابوبکرؓ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں اس سے زیادہ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَتَّخِذِ اللَّهُ بِقَوْمٍ
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعِزَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (آیت المائدہ ۸۴)

عالمی معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے
تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو ملے آئے گا جن سے خدا
کو محبت ہوئی اور خدا سے ان کو محبت ہوگی مومنوں کے
سامنے ذلیل۔ کافروں کے رد و بددینے عزت (علیہ)
والے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی کے برا کرنے سے
خوف کریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ ہے
اور بہت وسعت والا دانہ ہے۔

اول تو یہی فرق دیکھئے کہ وہ حدیث ہے اور یہ آیت دو سکا اس میں فقط محبت ظاہر نہیں ہی
کا ذکر نہیں یہ سننے والے چوڑے فضائل اور بھی ہیں اور پھر کس انداز سے فرماتے ہیں یہ ہمارا فضل ہے
ہر کسی کو نہیں ملتا جس کو ہمارا جی چاہتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ بہر حال یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ
اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں پہلے سے نازل فرمائی گئی ہے دلیل مطلوب ہے تو سنئے۔ اس
آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ ان سے وہ
لڑیں گے جو خدا کے پیارے اور ایسے ہوں گے سوا آپ ہی فرمائیے کس کے زمانے میں
لوگ مرتد ہوئے اور کون ان سے لڑا باقی حضرت ابوبکرؓ کو اگر نعوذ باللہ مرتد کتے ہو تو یہ فرمائیے
بجز کفار ان سے اور کون لڑا حضرت علیؓ لڑے یا حسینؓ لڑے اور اگر آپ کے نزدیک کفار ہی
خدا کے پیارے اور موصوف باوصاف مذکورہ ہیں تو مبارکباد ہم ہائے تم جتے۔
(خوارج بدعتی تھے)

صاحبو۔ باقی خوارج کو مرتد نہیں کہہ سکتے وہ بدعتی تھے مرتد جب ہوتے جب کہ کلام اللہ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جاتے۔ سو کلام اللہ کی نسبت ان کا اعتقاد تو انہیں
حدیثوں سے ثابت ہے جن سے ان کی مذمت نکلتی ہے۔ ہاں یہ بات بدی رہی کہ وہ
بدعت کس وجہ کی تھی کفر کے درجہ کو پہنچ گئی تھی یا ابھی سرحد اسلام ہی میں تھی بہر حال مرتد ہونا

اور ہے اور بدعتی ہونا اور جیسے شرابی ہونا اور ہے اور زانی ہونا اور ۔ اور اگر بالفرض اس کو ارتداد ہی کہتے ہیں تو وہ ارتداد اس ارتداد کے برابر نہیں اسی لیے خوارج کے قاتل ایسے عظیم المرتبہ نہ ہوں گے جیسے قاتلان مرتدان زمانہ صدیق اکبرؓ اور حتیٰ یہ ہے کہ خوارج بدعتی ہیں پر پرے درجے کے بدعتی جیسے شیعہ ویسے ہی خوارج ۔

(شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں)

ہاں بوجہ سب و شتم افضل الصحابہؓ اگر روافض کو خوارج سے بڑھ کر کئے تو بجا ہے۔ چنانچہ محدثوں میں جو روافض کی مذمتیں ہیں وہ خوارج کی مذمتوں سے بڑھ کر ہیں۔ ہائے افسوس یہ فرقہ بھی اگر اسی طرح لشکر آرائی کرے گا اور صحابہؓ سے برسرِ رخاش ہو کر سرِ قلم کرانا تو کیا اچھا ہوتا یہ جھگڑا ہی چمک جاتا۔

اب رہی یہ بات کہ ایک جماد خیر تمام اعمال امت سے بڑھ جائے یا روں کی گھڑی ہوئی بات ہے۔ حدیث اور کلام اللہ میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔

جواب ثانی از مولوی عبد الصاحب

(حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جماد و اتفاق)

قول اس کا کہ وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتے ہیں الخ یہ الفاظ بعینہ اس قوم کے حق میں خداوند تعالیٰ نے فرمائے ہیں جو مرتدین کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ قائم کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُجِبُّهُمْ
يُجِبُّونَهُ أَذِلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةَ عَلَى
الْكَافِرِينَ۔

اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی مومنوں کے سامنے نرم۔ کافروں کے رو بہ بڑے سخت (

لے شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان ص ۱۲۱ میں ہے۔ ان اوصاف والوں میں کئی اقوال ہیں سب سے پہلا قول یہ کہ حضرت ابو بکرؓ آپ کے ساتھی مراد ہیں جو مرتدوں کے ساتھ لڑے۔ حسن بصری۔ قتادہ۔ ضحاک و ثنا گریہ ان عبد اللہ بن عباسؓ کی یہ تفسیر ہے دوسرا قول (مسند کی گائی) یہ ہے کہ انصاف میں ابو محمد

مصدق اس آیت کے خلیفہ اول اور ان کے معاون میں اور وجہ فرق کی کچھ نہیں حضرت امیر المومنین
 کرم اللہ وجہہ بھی ان کے شامل مورد ان الفاظ کے میں علاوہ بریں جیسے رو حدیثیں حضرت علی کی
 فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ ویسی ہی ایک آیت اور ایک حدیث ابو جعفر کی فضیلت میں
 منجملہ چند آیات و احادیث کے بیان کی جاتی ہیں۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ
 وَقَاتِلَ أُولَئِكَ أَكْثَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ
 أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا وَكَلَّا وَكَدَّا
 اللَّهُ الْحُسْنَى - (پہا المہدیہ ۱۱)

اس کے صدق حضرت ابو جعفر میں جب اللہ تعالیٰ ان تمام صحابہ کی جانب خطاب فرما کر عظیم ہوا فرماتے تو پھر کیا حجت باقی رہ گئی اور حدیث یہ ہے۔
 (حضرت ابن عمرؓ روایت ہے کہ فرماتے ہیں میں نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ کے پاس
 ابو جعفر صدیقؓ بیٹھے تھے آپ پر ایک چوڑا تھا جیسے
 پر کانٹے سے ٹانگ رکھا تھا تو جبریل علیہ السلام تر
 آئے اور فرمایا اے محمد! ابو جعفر کو کیا ہو گیا کہ اپنا چوڑا سینے
 پر کانٹے سے ٹانگ رکھا ہے تو آپ نے فرمایا اے جبریل
 اس نے (سدا مال) فتح مکہ سے پہلے مجھ پر خرچ کر دیا ہے
 تو جبریل فرماتے گئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ابو جعفر کو سدا دیتے
 ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابو جعفر سے پوچھیں کیا وہ اس فقر
 میں مجھ پر راضی ہے یا ناراض؟ ابو جعفر صدیقؓ نے فرمایا
 کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے
 راضی ہوں۔ انا عن ربی راض۔ انا عن ربی راض۔

راضی ہوں۔ راضی ہوں۔ راضی ہوں۔ راضی ہوں۔
 غور کرنے کی جگہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جس کو صحابہ سے عظیم درجہ کا فرماتے اور سلام کہ
 کر بھیجے اور رضا جوئی کا طالب ہو اس کا کیا کچھ مرتبہ ہو گا وہ بہت محب و محبوب اور جو کہ اپنے
 حدیث خندق کی تحریر فرمائی ہے اہل سنت کی کتب معتبرہ میں پتہ ہی نہیں ایسے تو بے ٹھکانے

کی بات نہ فرمائیے یہ دین کا مقدمہ ہے۔

سوال نہم از جانب شیعہ

شیخین یا دیگر صحابہ داخل امت ہیں یا نہیں؟
جواب سوال نہم بدرجہ صحابہ کرام و افضل ترین امت محمدی ہیں۔

شیخین اور دیگر صحابہ داخل امت محمدی کیا سر دفتر امت محمدی ہیں اعتبار
نہ آئے تو کلام اللہ کی سند لیجئے خداوند کریم سورت تحریم (آیت نبرہ) میں فرماتا ہے۔
يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ۔ اس آیت کے معنی اوپر کے ٹکڑے
سمیت یہ ہیں اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو شاید تمہارے گناہوں کا بھی اللہ
کفارہ کر دے اور داخل کر دے تم کو ایسی جنتوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یا کس دن
جس دن کہ نہ رسوا کر دے گا اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے پھر اس کے
بعد اور تعریف فرماتے ہیں مگر ہمیں اختصار منقول ہے مطلب یہ ہے کہ عام مومنوں کو یہ ارشاد
ہے کہ اگر توبہ خالص کر کے لاؤ گے تو شاید تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ عنہم
اجمعین کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ اب دیکھئے الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ کا ترجمہ بھی ہے
کہ جو لوگ ایمان لائے نبی کے ساتھ سو تم ہی فرماؤ وہ صحابہ ہیں یا نہیں۔ ہاں اگر فقط اَمَنُوا فرماتے
تو یہ بات سب کو عام ہو جاتی مگر اس صورت میں یہ کلام اللہ لغو ہو جاتا۔ اس وقت میں
اس مثل کے کیا معنی تھے۔ عام لوگوں کا جو حال ہو گا۔ ————— وہ عام لوگوں
کے لیے تو یقینی ہے دوسرا اتنی بات کے لیے اور توبہ کرانے کی کیا ضرورت بنتی تیسرے
عام لوگوں کو نبی کے ساتھ اتنی مشارکت کی امید کہاں ہے بہت سے نام کے مسلمان اس روز
رسوا ہوں گے اور بہت سی رسوائیوں کے بعد کہیں جنت میں جائیں گے۔

بہر حال اَمَنُوا کے مصداق صحابہ کرام ہیں اور وہ بایں وجہ سر دفتر امت ہیں کہ ان
کے لیے روز قیامت رسوائی کا اندیشہ نہیں اور دوسروں کو ان کی محبت بشرط توبہ خالص عتر
ائے توکے ورنہ استحقاق کی تو کوئی صورت نہیں چنانچہ اس لیے علی کے لفظ کو زیچ میں لائے

ورنہ فقط اس میں کیا کمی تھی کہ یوں فرمائیے تَوَلُّوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یَّكَفِّرْ عَنْکُمْ سَيِّئَاتِکُمْ
جس سے خواہ مخواہ بھی آسان رہا البسم ثابت ہو جاتا اور بیچ میں ایک لفظ ہے معنی نہ آتا اور کلام
قدیم یوں غیر فصیح و بلیغ مثل کلام احمقان بے عقل نہ ہو جاتا ؟

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

جانتا چاہیے کہ قیامت تک جو شخص اتباع کرنے والا طریقہ رسول مقبول کا ہو گا وہ امتی ہو گا
چہ جائیکہ صحابہ کرام کہ وہ تو ماسوائے اطاعت خدا اور رسول کے مصاحبیت کا بھی درجہ لے کر
کسی نے درجہ صدیقیت اور کسی نے فاروقیت اور کسی نے ذی النوریت اور کسی نے امدیت
کا اڑایا علی رغم انوف المخالفین۔

(عشرہ مبشرہ کا ذکر خیر۔)

ترجمہ ۴ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
دس آدمی جنت میں ہیں ابو بکر جنت میں ہیں اور
عمر جنت میں ہیں اور عثمان جنت میں ہیں اور علی
جنت میں ہیں طلحہ جنت میں ہیں اور زید جنت میں ہیں اور عبد اللہ
بن عوف جنت میں ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنت
میں ہیں اور سعید بن زید بن عمرو جنت میں ہیں اور
ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

اَخْرَجَ الْبُؤَيْعِيُّ عَنْ حَدِيثِ قُتَيْبَةَ
بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ النُّسَيْبِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ
عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ
عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةٌ فِي الْجَنَّةِ الْبُؤَيْعِيُّ
فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي
الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي
الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ
بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ ابِي وَقَاصٍ
فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ بْنُ عَمْرِو
فِي الْجَنَّةِ وَالْبُؤَيْعِيَّةُ ابْنُ الْجَرَّاحِ فِي
الْجَنَّةِ۔ رَاۤى الزُّنَافِرَ صَاحِبِ الْبُجَاهِ مِنْهُ الْبُؤَيْعِيُّ

(ہر مسلمان امت نبی میں داخل ہے)

یہ سب لوگ عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ متبعین سنت رسول امین امسی اور جنتی ہیں بعنوان عشرہ
 عظیم جمعین اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ امسی ہیں اور امسی ہونے میں
 ازواج مطہرات اور دیگر اہل بیت اور صحابہ سب برابر ہیں اور اس کو امت اجابت کہتے ہیں۔
 صحاح میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت نازل ہونے
 وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایے) سب قریش کو عام
 خاص کر کے پکارا اور سب کے یہی فرمایا۔

انْقِدُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَعْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ترجمہ :- اپنی جانوں کو
 بچاؤ آگ سے میں نہیں بے پروا کر سکتا تم سے اللہ کے معاملے میں اور یہ بعینہ حضرت سید النساء
 فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابلاغ میں سب برابر ہیں اور خاص کر
 شیخین کی شان میں تو امام محمد باقر سے صاحب نصوص کی روایت ہے۔

أَنَّا قَالَ لِرَجُلٍ مَعَهُ فَأَمْسُوا فِي الْبَيْتِ عَمْرٍ
 وَعَمَّا لَا تَخْبِرُونِي هَلْ أَنْتُمْ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ
 الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ
 يَبْتَغُونَ قِتْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا
 يَنْصَرُونَ اللَّهُ رَسُولَهُ قَالُوا لَا قَالَ
 فَأَنْتُمْ مِنَ الَّذِينَ تَبْجُونَ اللَّهَ وَالْإِيمَانَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ يَخْتَلُونَ مِنْ هَاجِرِ الْيَهُودِ
 قَالُوا قَالَ أَمَا أَنْتُمْ فَتَدْبِرُونَ
 أَنْ تَكُونُوا أَحَدَ هَذَيْنِ الْفَرِيقَيْنِ وَ
 أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكُمْ لَكُمْ مِنَ الَّذِينَ

ترجمہ :- انہوں نے ایک جماعت سے جو ابو بکر اور
 عمر اور عثمان کے معاملہ میں کھود کر رہے تھے کہا
 بتلاؤ تم مجھ کو تم ہو مہاجرین ہیں سے جو نکالے گئے
 اپنے گھروں سے اور خدا کے لئے اپنے مالوں سے
 تلاش کرتے ہیں اللہ کے فضل کی اور خوشنودی
 کی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی
 کہا انہوں نے ہم ان میں سے نہیں کہا امام نے
 تم ان لوگوں میں سے جو جنسوں نے ٹھکانہ دیا اور ایمان
 کو اپنے دلوں میں درست رکھتے ہیں ان لوگوں کو
 جو ان کی طرف ہجرت کر آئے انہوں نے کہا ہم ان

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِآيَاتِنَا وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (رحمہ ۱)

میں سے بھی نہیں کہا امام نے تم تو بری ہو چکے ان لوگوں
فرشتوں میں شامل ہونے سے اور میں گواہی دیتا ہوں نہیں
ہو تم ان لوگوں میں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
اور جو لوگ آویں گے بعد ان کے کہیں گے رب ہمارے
بخش دے ہمارے لیے اور ہمارے ان بھائیوں کے لیے جو
ایمان میں ہم سے پہلے گزرے اور ہمارے دلوں میں
کینہ مت کر ان لوگوں کا جو ایمان لائے بے شک
تو مہربان ہے بخشنے والا۔

فائدہ ۱: خیال کرنے کی جگہ ہے کہ امام محمد باقر نے آیات کی سند لاکر شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل
ثابت کئے اور تمہارے دلوں میں غل یعنی کینہ ثابت کیا اور آیات بالا کے عدم مصداق ہونے
کا خود ہم سے اقرار لے لیا اور تمہارے دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر گواہ بنے تو اب بتاؤ کہ
تمہارا کیا دین و ایمان رہا۔

سوال دہم از جانب شیعہ

شیخین جمیع غزوات نبوی میں ثابت قدم رہے یا کبھی پس پا ہونے کا اتفاق ہوا؟
جواب سوال دہم ویازدہم

حضرت علیؑ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے اور نہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ طرہاں غرض
سائل کو ہم سمجھتے ہیں اس لیے گو وہ صاف نہیں پوچھنا پر ہم صاف جواب دیتے ہیں
سائل حضرت عثمانؓ پر آوازہ کہتے ہیں مگر اس بیوردہ دست و پا زنی سے کیا فائدہ ہوا حقیقت
حال ہم سے نیچے۔

جبکہ احد میں لشکر ظفر پیکر جا بجا معرکہ آرا تھا باطل و خداوندی و برکت نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم آثار فتح نمایاں ہوئے مشرکین بھاگے اہل ایمان نے غنیمت پر ہاتھ مارنا شروع کیا مشرکین
نے کھینک گاہ سے نکل کر پھپھالیا ہمارا اوصہ شیطان نے با آواز آواز اِنْ مُحِبِّدًا قَتَلَ کَہر سنا یا

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مائے گئے۔ اور پھر تو سر پر وہ بلائے ناگہانی اور صدمہ
صدمہ جانی اس بیتیابی میں معرکہ آرائی سے حاصل نظر آئی۔ منہ غم۔

جس کے ہم عاشق بن گئے تھے اب وہ جاناں ہی نہیں

اس رنج و غم میں خادمان دور آفتادہ کا پاؤں اکٹھا کیا اور نہ اکٹھا کرنا تو ان کی محبت پر لطف اور
ان کی جانبازی پر حرف تھا اگر وہیں مجھے ہستے تو ہم جانتے کہ ان کو صدمہ ہی نہ تھا۔ غرض
وہ ایمان دار تھے ایمان داروں کو یہ صدمہ ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا ان کو ہوا پر بے ایمانوں کو محبت
کی کیا قدر محبت نبوی ہوئی ہو تو جانیں۔ بہر حال جو لوگ دیدار مبارک سے مشرف تھے جسے حضرت
علیؑ ابو بکر حضرت عمرؓ ان کے دل ٹھکانے تھے اور جو لوگ دور کے محدثوں پر تھے اس خبر پر شہر
سے پہوش ہو کر افعال و خزاں مدینہ کی طرف رداں ہوئے ان میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔
(اللہ نے تو معاف کر دیا پر شیعوں نے نہ کیا۔)

پر چونکہ یہ حرکت قابلِ ترحم اور لائقِ قدر شناسی تھی نہ موجبِ عتاب سرزنش۔ خداوند کریم
نے اس ظاہری خطا سے درگزر فرمایا اور برسرِ سکین یہ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَفَى الْجُفَيْنِ
إِنَّكُمْ أَنْتَ لَكُمْ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا
كَبَرْتُمْ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ
عَفُورٌ حَلِيمٌ (پ ۷ ع ۷)

پر اس کو کیا کیجے حضراتِ شیعہ خدا کی بھی نہیں سنتے خیر وہ نہیں سنتے تو اہل ایمان
تو ان (شیعہ) کی نہ سنیں ورنہ اللہ سے لڑائی طہری وہ معاف کئے جائیں تم نہیں کرتے۔
صاحب اور صاحب ہوتے کون ہیں۔ خدا نہیں خدا کے بیٹے پوتے بھائی بھانجے ایک راندہ دراندہ
حق ہیں جو الٹی ہی بکے جاتے ہیں اور خدا سے نہیں شریکے بالکل نہ یہ قصور حقیقت میں
قصور ہے نہ یہ خطا حقیقت میں خطایوں خدا کے سامنے ہماری عبادت بھی خطا ہے نہ
اس سے کوئی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے نہ لیاقت خلافت میں بٹا گنا ہے ورنہ ہم تو
نہیں کہتے حضرت یونس علیہ السلام جو بے وجہ بھاگ گئے ان کی شان میں حضراتِ شیعہ شاید

اور بھی کچھ زیادہ کہیں اور منصب نبوت سے محضول فرمائیں کوئی پوچھے کہ خدا کا واسطہ نبوت کو اتنی باتوں سے ملنے سے نہ جائے اور خلافت کی ریاست چھین جائے فقط۔

جواب ثانی از جانب مولوی عبد الصاحب

(حنین میں ثابت قدم صحابہؓ)

حنین کسی غزوہ میں پہلے نہیں ہوئے سب غزوات میں ثابت قدم رہے یہ اشاعت دین ان کی ثابت قدمی کا ثمر ہے کہ بعد فتح ملک عرب ملک شام و روم و ایران و توران میں اسلام شائع ہوا اور مسلمان ان ملکوں کے عمدہ نشان ہیں غزوہ اعداء حنین میں اول غنیمت مسلمان کے قدم اٹھ گئے تھے پر اکثر صحابہؓ خاص کر حنین نے میدان جنگ نہیں چھوڑا اور شمشیر زنی سے منہ نہیں موڑا اور بے ترقیبی صفوف کے ہو جانے سے بھاگنا نہیں کہلاتا چنانچہ حنین میں یہی واقعہ ہوا کیونکہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت ابن مسعودؓ و حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ و حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث و حضرت ربیعہؓ بن الحارث بن عبد المطلب و حضرت عقیلؓ بن ابی طالب و دیگر اہل بیت اس جگہ موجود تھے حضرت عباسؓ پر کاب راست ہتھے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیانؓ پر کاب چپ یا حضرت ابوسفیانؓ باگ بغداد کی تھامے ہوئے تھے اور یہ سب لوگ دائیں بائیں موجود تھے چونکہ اس غزوہ میں صحابہؓ نے اپنی کثرت اور کفار کی قلت دیکھ کر خیال کیا تھا کہ ان کو طرفہ العین میں ہزیمت دے دیں گے۔ اپنی کثرت دیکھ کر استمداد خداوند کریم سے غفلت ہوئی اللہ تعالیٰ کو یہ تغافل پسند نہ آیا اور ان کے متنبہ کرنے کے لیے قدمے تزلزل اور تفرق ڈال دیا جب اس غفلت سے ہوشیار ہو گئے حضرت عباسؓ کے پکارنے کی آواز سے بیک بیک کہتے ہوئے بجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے اور کفار کو زیر و زبر کر دیا۔

لے شیخ تفسیر مجمع البیان میں ثمة انزل الله سيكته على رسول الله وعلى المؤمنين (پھر اللہ نے رست و سلی تادیبے رسول پر اور مومنین پر) کے معنی میں لکھا ہے حين دجفنا اليه وقا نلوه يعني اللہ نے مومنین پر سلی اور رحمت اس وقت آئی جب ان کفار کی طرف پھرتے آئے اور ان جنگ کی معلوم ہوا کہ ایسے صابکینہ مومنوں کو بھگنے کا طعن و نفاق قرآن کا انکار اور اپنے ایمان کا خاتمہ کرنا ہے معاذ اللہ! البھ

اللہ تعالیٰ نے مقرر بھی جیسا کہ کلام میں مذکور ہے۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے قہداری مد کی بہت سی جگہ
 لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ اور جنین کے دن جب کہ خوش کیا تم کو تمہارے زیادہ ہونے
 وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا
 نے سورہ تمہارے کام نہ آئی

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ پھر اللہ نے ٹھنڈک اتاری اپنے رسول پر اور سب
 وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ حُبُودًا لَمْ مومنوں پر اور اتارا ایسا سحر جس کو تم نے نہیں دیکھا۔
 شَرَّكَاءَ (توبہ ۴۳)

فائدہ (برائے ازالہ طعن) خیال کی جگہ کہ جب خداوند محرم کو صحابہ شاکرہم کی اتنی بھی غفلت گوارا نہ
 ہو تو حضرات شیعوہ ان کو کفر و فسق کی کس مزے تہمت لگاتے ہیں چاند پر خاک ڈالے سے کیا ہونا
 ہے آپ ہی غبارے اندھے دلتے ہیں۔ اور اگر یہ اعتراض اشارہ حضرت عثمان کی طرف ہے تو
 بڑی ہی حماقت ہے، سلنا اگرچہ ان سے خطا صادر ہی ہوئی کیا حرج ہے۔ ہم امام کی معصومیت
 کے قائل نہیں جو تم و مذاہن اعتراض تو کرو بلکہ ہم بہ نسبت خلیفہ کے ان شرائط کے قائل ہیں۔ مسلم
 عمرہ مذکورہ عاقل بالغ قریشی۔ قادر براہیاء علوم و شیعہ واقامت ارکان اسلام و امر بالمعروف و نہی
 منکر و قیام امر بجا و وقفا و اقامت حدود۔ علاوہ بیس جب اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ان کی
 معافی ہو گئی پھر کیا جبرگذا باقی رہ گیا اور نیز تا سب بھی مثل بے گناہ کے ہوتا ہے۔ التائب من
 الذنب کمن لا ذنب لہ و گناہوں سے تائب اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ نہ کیا۔
 ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا و جو توبہ کرے اور اچھے عمل کرے
 وہ اللہ کی طرف لڑ رہا ہے) سے واضح ہے جب کہ ہمارے نزدیک امامت کے واسطے
 معصومیت کی شرط نہیں اس لیے گناہ عثمانی موجب عدم قابلیت خلافت نہ ہوا لیکن لمقابلہ
 حضرت امیر معاویہ و یزید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت حسن و زکریا فرض عین کرنے
 سے حسب ظنون شیعوہ کے قابل عمدہ امامت نہ ہے اس بات کا کیا علاج کریں گے۔
 کس مزے سے ان کو قابل امامت کہتے ہیں اور دوسروں کی عدم قابلیت مزہ پر لاتے ہیں۔

سوال یا زعم از جانب شیعہ

حضرت علیؑ بھی کسی غزوہ میں پس پا یعنی فرار ہوئے یا نہیں۔

جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے وہ کیوں فرار ہوئے وہ تو اسد اللہ
الغالب تھے اپنا یہ مذہب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی کو برا کہیں خصوصاً ایسے اکابر کو نحوذ باللہ منہا۔
یہ کمال حضرات شیعہ ہی میں ہے کہ نہ ہوائی بات کو اپنے عقیدہ فاسد کی تائید کے لیے جس
طرح چاہیں بنالیں۔

(ثابت قدمی کی فضیلت سی مذہب میں ہے شیعہ میں نہیں)

ہمارے ظنون و کتب کے بموجب تو جان بازی کے معرکوں میں استقامت کرنا حضرت
علیؑ کرم اللہ وجہہ و خلفاء ثلاثہؑ کی فضیلت ہے۔ پر روایت کلینی و دیگر کتب معتبرہ شیعہ کے بموجب
کہ ائمہؑ اپنی موت و حیات پر قاصد میں کچھ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی
اور خلفاء ثلاثہؑ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کو شیعہ امام ہی نہیں جانتے۔

باوصف حسب ظنون شیعہ خلفاء ثلاثہؑ اہم نہ تھے اور بایں جنت اپنی موت و حیات پر قادر
نہ تھے پھر جانبازی کی لڑائیاں لڑتے تھے کس قدر مطیع حکم خدا و رسول تھے اسی واسطے آیت
إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةُ۔

(ترجمہ :- بیشک اللہ نے مومنوں کے مالوں اور جانوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔)

(پک ع ۳) کے مصداق تھے

(ایک شبہ کا ازالہ)

اور اگر حضرات شیعہ اپنے خیال خام کے یعنی ائمہؑ کے موت و حیات پر قادر ہونے پر اسی
آیت سے استدلال پکڑیں اس طرح کہ بیع و شراء اپنی ہی ملک میں جاری ہوا کرتی ہے دوسرے
کی ملک میں نہیں ہوتی بے شک ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں پر اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں
کہ خداوند کریم نے مومنین کا لفظ فرمایا اور یہ وصف قرار دیا یقاتلون فی سبیل اللہ تو

غصہ ہوئیں اہل سنت کو ان کے غصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہوں جیسے دوستوں میں کچھ
 بحث و تکرار معمولی دیکھ کر بعض سادہ لوح یوں سمجھ جاتے ہیں کہ ان میں آپس میں رنج ہو گیا ۔
 سوال نمک کے بعد جو حضرت فاطمہؓ بوجہ ندامت طلب ناحق شرمندہ ہوئیں اور آمد و شد کم اور
 ربط و ضبط سابق کم ہو گیا ۔ ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ بوجہ کمال نیاز مندی و رولت پر حاضر ہوئے
 اور اس احتمال پر کہ آپؐ خفا ہی ہو گئی ہیں جو وہ بات نہ رہی عذر معذرت کی عفو و تغیر عیاں وہاں
 رنج ہی کیا تھا جو جبکہ اچھلتا راضی رضا ہو کر اپنے گھر کو چلے آئے اس قصہ کو ظاہر بینوں نے
 رنج پر محمول کیا حقیقت شناسان دانشمند نے اس طرف ندامت مذکور کا خیال کیا اس طرف
 احتیاط اور ادب نبوی کا احتمال جمایا سو آپؐ ہی فرمائیے کہ اس صورت میں طرفین کا کیا قصور
 رہا حضرت فاطمہؓ زہراؓ کا بر لعل علی فدک کا سوال کر لینا کیا برا ہے ہاں بعد طلب البتہ ندامت
 عمدہ اوصاف میں سے ہے جو سوا اہل کمال اور کسی سے متصور نہیں اور حضرت ابو بکرؓ نے
 ادب اور احتیاط فرمائی یہ بے جا کیا یا یہ بے با تھا کہ ویسے ہی اپنے غرور افضلیت اور نخوت
 خلافت میں پڑے رہے اور خبر نہ لیتے بہر حال یہ بات اچھی ہے جس میں ممدوح خدا یعنی
 ابو بکر صدیقؓ پر بھی حرف نہ آیا اور جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تعریف نکل آئی یا یہ کہ
 ان پر ظلم کا داغ لگے جس سے اتمام کار بخود باللہ فہم و فراست خداوندی کو بٹا گئے ۔ اور ان پر
 حسد دنیا کا احتمال جو جس سیدۃ النساء ہونے میں شک و شبہ پیدا ہو ۔

(مسند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اگر یہ عذر ہے کہ حدیث مذکور غلط ہے تو یہ دوسرا اعتراض ہے بلکہ اس صورت میں
 یہ اعتراض بھی اس حدیث کے غلط ہونے ہی پر موقوف ہو گا سو پہلے اس کو غلط ٹھہرائیں جب
 کہیں اس بات کے لیے منہ پھیلائیں ۔

مگر یہ یاد ہے کہ حدیث مذکور غلط ہو جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات
 النبی ہونا اور قبر میں اسی بدن سے زندہ ہونا پہلے غلط ہو گا سو تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی سی قدر دانی ہے کہ جیسے اور شیعہ مرکز ناپاک ہو جاتے ہیں اور پھر طعنہ مور و مار بن جاتے
 ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی جسم بے جان ہو گئے ؟ اور جیسے اور اینٹ

پتھر میں آپ کا بدن بھی بے جان ہو گیا۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ آپ کی حیاتِ نذیر پر وہ موت
 اسی طرح مستوی ہے جیسے چرخ کو ہنڈیا میں رکھ کر سر پوش ڈھک دیجئے یہ نہیں کہ جیسے چرخ
 روشن ہنڈیا میں ہو یا ہنڈیا کے باہر اس کے روشن ہونے میں کچھ کلام نہیں بلکہ ہنڈیا میں ہو تو
 نور منشر اکٹھا ہو جاتا ہے اور اس کے اندر ہی سما جاتا ہے جس سے بہ نسبت سابق ہم تو زیادہ
 سمجھتے ہیں آپ اپنی کیئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔

بہر حال جمائے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اس لیے
 آپ کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

(حضرت فاطمہؓ کا سوال بے خبری سے تھا)

ہاں حضرت فاطمہؓ کو اس (حدیثِ ماترک صدقہ) کی خبر نہ تھی بوجہ غلطی اول بار طلب
 فذلک میں قدم بڑھایا جب معلوم ہوا اور حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے بھی گواہی دی چپ ہو
 رہیں اور پھر اس بات میں کلام نہ کی سو یہی حدیثوں میں موجود ہے کہ مرتے دم تک پھر گفتگو نہ آئی
 جس کو حضرات شیعوں نے موافق مثل مشور کے بھوکے کو دو اور دو چار روٹیاں ہی نظر آتی ہیں ترک
 کلام پر مہمل کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس صورت میں فقط مہرج خدا یعنی صدیق اکبرؓ ہی کو عیب نہیں
 لگتا بلکہ خدا تک اور اور حضرت فاطمہؓ تک پہنچتا ہے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا اس
 حدیث پر گواہی دینا بجائے اور مسلم میں موجود ہے اور حضرت فاطمہؓ کے غلط سمجھ جانے سے
 گھبراتے ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؓ کا قصہ پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔
 اس سے نبیوں کا غلط سمجھ جانا ثابت ہوتا ہے حضرت فاطمہؓ کو ولی ہیں بالجملہ حضرت
 ابو جبر صدیق رضاؓ پر کوئی اعتراض ممکن نہیں حدیث مذکور غلط کہو گے تو بہت سے ارکانِ دین
 ڈھانے پڑیں گے۔

(حدیث من اغضبہا کا نشان و روح حضرت علیؓ کے حق میں ہے)

اب رہی بات کہ اگر حضرات شیعوں کا مسلک اختیار کیجئے تو البتہ حضرت علیؓ
 تک یہ اعتراض جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ابو جبر کی بیٹی
 سے نکاح کا ارادہ کیا تھا حضرت فاطمہؓ نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شکایت

فرمائی اس پر آپ نے خطبہ فرمایا اور یہ ارشاد کیا۔

فَلِكَلِمَةٍ يَضَعُهَا مَنِّي مَنٌ اَغْضَبُكَ
(خاتمہ میرے بدن کا حصہ ہے جس نے اسے ناراض
کیا اس نے مجھے ناراض کیا)

اب فرمائیے یہ کس کو سناتے ہیں ابو بکر صدیقؓ کو یا حضرت علیؓ کو پھر ابو بکر کے پاس
ارشاد نبوی ﷺ لا تودث ما تریکنا صدقة کا بھی سہارا تھا حضرت علیؓ کو ابو جہل کی بیٹی
سے نکاح کے لیے کس نے کہا تھا علاوہ بریں بارہا معاملات خانگی ہیں باہم رنج کا اتفاق
ہوتا تھا چنانچہ جس روز لقب ابو تراب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مشرف
فرمایا اس روز بھی رنج باہمی کے باعث حضرت امیر خفا ہو کر مسجد میں آ بیٹھے تھے۔

جواب سوال سیزدہم ۱۳

نبی کی عدول حکمی کو کون نہیں جانتا کہ بڑی ہے اگر بطور مقابلہ ہو تو کفر ہے اور بطور دیگر
دیگر ہے توفیق پر بحکم اللہ صحابہ کرامؓ خصوصاً چار بار اور عشرہ مبشرہ وغیرہ مشاہیر صحابہؓ میں
سے کوئی شخص اس بید میں مبتلا نہیں ہوا ہاں بطور شیعہ البتہ کسی قدر الزام حضرت امیر کو لگ
سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تہجد کے لیے حضرت امیر کو اٹھایا
حضرت نے جواب دیا پر مخالفت طبع نبویؐ دیا عرض کیا جب خدا کو منظور ہو گا ہم کو بھی
اٹھیں گے ابھی نہیں اٹھتے سو آپ ناچار یہ کہتے ہوئے چلے آئے۔ فَكَانَ الْاَوَّلُ
اَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا يَعْنِي النَّاسُ بَعْدَ رَجْعِكَ الْوَلَدِ۔ (بخاری ص ۱۱۲ ذی الحجۃ ۱۹۳)

(قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں)

باقی حضرت عمرؓ کی طرف اگر عنایت ہوئی ہے اور اس پیرایہ میں کچھ قصہ قرطاس
کے اشارے کئے تو اس کا مفصل جواب تو آپ ہدیتہ الشیعہ میں ملاحظہ فرمائیں آیت
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاٰتَوْا الْجَزَاءَ لَیْکُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِنْ اُولِی الْاَمْرِ فَاُولَئِکَ
نَزَوْنٰ بِہَاں بھی کچھ بالا جہال سن لیجئے۔

مشورہ دینے کو عدول حکمی کہنا انہیں کا کام ہے جن کو سر و دم کی تمیز نہ ہو۔ رہی یہ
بات کہ حکم معلوم مشورہ طلب تھا یا نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں

بھی گنجائش مشورہ ہے یا نہیں۔ سوا قول کا جواب قیاسی ہے کہ بشمول آیت الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ
 لَكَ دِينَكَ بروح حجة الوداع نازل ہو چکی تھی۔ دین میں تو کمی اور کسر باقی ہی نہ تھی جو اس حکم
 کو دنیا حکم خداوندی تصور فرمائیں اور یوں کہیں کہ حکم قابل مشورہ نہ تھا۔ اور دوسری بات کا جواب
 یہ ہے کہ قابل مشورہ ہونا تو درکنار خدا تعالیٰ کی طرف ارشاد ہے وَمَا أَرْسَلْنَا فِي الْأَرْضِ
 بِعَنِّي مُشَوَّرَةً كَرِيماً کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے اور یہی وجہ ہوئی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے دوبارہ تحریر حکم معلوم تا وقت وفات کچھ نہ فرمایا ورنہ حکم خدا ہوتا تو ہم تو نہیں کہہ
 سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ خدا کی عدول حکمی کاشیوں کو منسوب کرنا پڑے گا۔ بالجلد
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بھی پسند خاطر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی اور امر قہوا
 حضرت عمرؓ کی نسبت نہ تھا بلکہ اوروں کے اختلاف کے باعث تھا جو دور بدل ہوئی
 اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اور اکثر شیعہ اس پر بھی نہیں ملتے تو یہ کہنا ہی
 پڑے گا کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے بھی اور رالیوں کی مانند خدا کو منظور ہوئی ورنہ حضرت عمرؓ بندہ
 تھے خدا نہ تھے اور نعوذ باللہ شیعوں کے (اعتقاد میں) خدا ہی تھے چنانچہ شیرینہ کا ان کے
 ذکر لفظ کرنا کچھ اسی کا پتہ دیتا ہے تو (ہم اے اعتقاد میں) خدا سے بڑے نہ تھے چھوٹے تھے
 مکرر وہی ہوتی اور تاکید فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نہ جانے دیتے۔ لیکن کوئی صاحب
 انصاف کہیں کہ حضرت علیؓ کے جواب میں تاویل مشورہ کی گنجائش نہیں ورنہ آپؓ یہ نہ
 فرماتے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا تب یہ بات کوئی مشورہ طلب نہ تھی اس
 کی بجائے برائی کو کون نہیں جانتا۔

(دوبارہ نہ لکھوانے کے مصلح)

ہاں کتاب معلوم کے لکھوانے میں یہ احتمال تھا کہ کلام اللہ کی نسبت پھر یہ اعتقاد
 نہ ہے گا۔ جیسا خود فرماتے ہیں وَذَرَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّلشَّيْءِ جَسَّاسِ
 محال یہ ہے کہ اتاری ہم نے تیری طرف وہ کتاب جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہر پہلے
 فرما چکے۔ اِلَىٰ تَارِكٍ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمَا بِهَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي۔

لے حدیث ثقیلین سلم ص ۲۶۹ میں ہے اس کو تین حضرات تابعین یزید بن حیان۔ حصین بن سیرہ عمر بن مسلم
 بقید حاشیہ نقل کیا

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں تم میں کتاب اللہ اور عترت کو چھوڑے جاتا ہوں اگر دونوں کو بچٹے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ سواب وہ تیسری چیز تھی تو کتاب اللہ کا تبیان لکھ لکھی ہونا اور یقین کا مایہ ہدایت ہونا دونوں غلط ہو جائیں گے اور اگر انہی دونوں کی تائید تھی تو اب ہی کیا کمی رہ گئی باقی شرح حدیث ثعلبیین زیادہ مطلوب ہو تو جواب سوم منجملہ جوابات اربعہ مشارالہما کو ملاحظہ فرما دیجیے۔

بقیہ حاشیہ :- روایت کرتے ہیں اس کی ایک سند ابی حیان عن یزید بن حیان ہے۔ دوسری سند محمد بن فضل عن ابی حیان عن یزید بن حیان۔ تیسری سند جابر عن ابی حیان اور چوتھی سند سعید بن سروق عن یزید بن حیان ہے۔ یہ حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کے پاس پہنچتے ہیں۔ حصین بن سبرہ۔ زید بن ارقمؓ صحابی سے کہتے ہیں کہ زید اپنے بہت جلدی پائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ سے احادیث سنی ہیں آپ کے ساتھ جہد میں شریک ہوئے ہیں آپ کی اقتدار میں نمازیں پڑھی ہیں بے شک آپ نے غیر کثیر حاصل کی ہے۔ اے زید آپ ہمیں حضور کی کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے حضور سے سنی ہو۔ زید نے کہا اے بھتیجے بخدا میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور حضور کے ساتھ جو میرا زمانہ تھا وہ پرانا ہو چکا ہے۔ اور بعض باتیں جو میں حضور سے یاد رکھتا تھا وہ بھول گیا ہوں۔ اب میں جو بات بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو بات مجھے محفوظ ہوگی میں اس کو بیان کروں گا اور جو بات مجھے محفوظ نہ ہوگی میں اس کو بیان نہ کروں گا۔ پھر انہوں نے حدیث ثعلبیین بیان کی جو انہیں یاد تھی۔ فافہم، پھر حضرت زیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام میں جس کو غم کہتے ہیں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی وعظ و نصیحت فرمائی پھر اپنے فرمایا۔ اما بعد اے لوگو بے شک میں انسان ہوں قریب کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آجائے اور میں اس کی بات کو قبول کروں (یعنی عالم آب و گل سے چلا جاؤں) اور میں تمہارے درمیان دو ورنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں ان میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے (قرآن کریم) اس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو مخطبوطی سے پکڑو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے پاس میں آپ کے برائیچھنے کیا اور ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا (یعنی دوسری ورنی چیز) کہ میں اپنے اہلبیت کے پاس میں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں یہ بات آپ نے ہمیں مرتبہ فرمائی۔ حصین نے کہا اے زید حضور کے اہل بیت کون ہیں کیا آپ کی بیویاں اہل بیت نہیں؟ (یہ لکھا اگلی بیویاں تو اہل بیت ہیں لیکن آپ کے اہل بیت (باقی ص ۱۱۱))

(حسبنا کتاب اللہ سے حضرت عمرؓ کا مقصد تکلیف کتابت بچانا تھا)

اور اگر حضرت عمرؓ کی اس عرض کو کہ حسبنا کتاب اللہ جس کو شیعہ عدول بھی سمجھتے ہیں ممانعت تکلیف بھی بنائے اور اہل عقل یہی سمجھتے ہیں تو پھر اعتراض کی یہ بات اور قابل تعریف ہو جائیگی بلکہ جن لوگوں نے آپ کی اس تکلیف کو اور وہ بھی اس شدت مرض میں باوجودیکہ کتاب اللہ بقیہ حاشیا۔ وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے حصین نے کہا وہ کون ہیں؟ زید نے کہا وہ آل علی۔ آل عقیل آل جعفر آل عباس ہیں۔ حصین نے کہا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ زید نے کہا کہ ہاں۔ جبریہ کی روایت میں کتاب اللہ کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ اس میں ہدایت اور نور ہے جس نے اس سے تسک کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اس سے چوک گیا وہ گمراہ ہوگا۔ اور یہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سنو! میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ چکا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب ہے یہ جبل اللہ ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو ترک کر دیا وہ گمراہی پر ہوگا۔ اور اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ہم نے زید بن رقیم سے کہا۔ آپ کے اہل بیت کون ہیں آپ کی ازواج؟ زید نے کہا کہ نہیں۔ بخدا عورت ایک نماز تک مرد کے پاس ہوتی ہے پھر مرد اس کو طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے خاندان اور قوم کی طرف واپس لوٹ جاتی ہے۔ درحقیقت آپ کے اہل بیت آپ کے اصل اقرباء اور آپ کا عصہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حصین بن سیر، وغیرہ کو اصرار تھا کہ آپ کے اہل بیت صرف آپ کی ازواج ہی ہیں تو زید نے ان کا انکار کیا کہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بے شک اہل بیت ہیں لیکن اہل بیت صرف یہ ہی نہیں بلکہ آپ کا عصہ اور خاندان کے لوگ بھی اہل بیت ہیں تم صرف عورتوں میں ہی اہل بیت کو بند کرتے ہو یہ درست نہیں۔ عورتوں کا اہل بیت ہونا تو منکب بھی ہو سکتا ہے۔ اور عصہ کا اہل بیت ہونا غیر منکب ہے حضور کی نساء تو نص قرآنی سے اہل بیت ہیں داخل ہیں لیکن اہل بیت ہونا صرف ان میں ہی منحصر نہیں دوسری نقات میں زید کا انکار ساقی کے اصرار کے مقابلہ میں ہے جو صرف نساء کے اندر ہی اہل بیت کو منحصر مانتا ہے اب یہ بات کہ موطن کی روایت یا دوسری روایات میں دو وزنی چیزیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا ہے۔ ان میں اور مسلم کی اس روایت میں بظاہر تعارض سامعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حدیث کی تاویل توجیہ اور اس کا مفہوم معلوم کر لینے کے بعد یہ تعارض نہیں رہتا کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت کا ذکر اور اہل بیت کا ذکر اس میں تعارض نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ کو قانون کی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ سنت رسول اللہ واصل کتاب اللہ کی شریعہ ہے جیساکہ امام شافعیؒ امام ابن تیمیہؒ شاہ ولی اللہؒ مولانا گنگوہیؒ اور دیگر متعین محدثین نے بیان کیا ہے باقی صفحہ ۱۱۲ پر

موجود اہل بیت موجود کسی اور ہدایت نامہ کی حاجت نہیں گوارا کیا البتہ ان کو کچھ کہا جائے تو کہا جائے
 پر ہمارا یہ مشرب نہیں جہاں سے نزدیک مشورت میں کبھی صحت کبھی غلطی ہوتی رہتی ہے ہاں حضرات
 شیعہ برا کہیں تو کہیں پر انہیں برا کہیں گے تو حضرت عمرؓ کو جیلاکتا بھی ذمہ ہے گا۔ ادا کریں تو
 فیجا ورنہ قیامت کو دیندار رہیں گے۔

بائی حضرت عمرؓ کے جیسا کہنے سے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے یہ
 سمجھ لینا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت کو جواب دیا یہ بھی طرفہ خوش فہمی ہے اجماعی صاحب! اگر کوئی
 میزبان کسی مکان کے سامنے دو چار روٹیاں رکھ کر اور روٹی لینے جائے اور وہ مکان یہ کہے کہ بس
 یہی بہت ہیں تو عاقل کے نزدیک تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اور روٹی کی ضرورت نہیں۔ پانی
 کا انکار اس سے نہیں نکلتا۔ ہاں یہ تو فوں کی زبان اور اصطلاح میں اگر اس کے یہی معنی ہوں
 تو ہوں اور اگر کسی اور بات پر یہ ناک منہ چڑھایا جاتا ہے تو اس کو اول بیان کریں ورنہ ہمارا
 کیا قصور؟ بایں ہمد جواب اجمالی جو اول معروض ہو چکا گفتہ ناگفتہ سب اعتراضوں کے لئے
 وندان شکنی کے لیے کافی ہے۔

جواب سوال سینر دہم ۱۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی اگر بطور مقابلہ و انکار ہے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں جہنا

بقیہ حاشیہ: باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو شرح قرآن ہے اس کو معلوم کرنے کے لیے تمام
 بعد میں آنے والی امت کے لیے خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ ہیں بالعموم جس پر حدیث علیکم سنتی و سنتہ الخلفاء
 الارشادینؓ اور مانا علیہ و اصحابیؓ ہاں ہے لیکن اس کے ذائع میں سب اہم اور قریبی ذریعہ اپنے اہل بیت ہیں۔ یہاں کہہ دوں کی
 روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در کو تمام اہل ارض میں عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی جانے والا نہیں تو اہل بیت کا قرب اور تعلق اور شاہد جو
 دوسروں سے زیادہ ان کو مال تھا اسکی بنا پر سنت کا معلوم کرنا بہت نزدیک لوگوں کی نسبت اہل بیت ہی زیادہ ہیں تو آپؐ کسی مقام میں نہیں فرما
 یعنی سنت کا ذکر کیا کہ کسی مقام میں شارحین سنت کا اطلاق کیا مگر اہل بیت کا دونوں کا مطلب ایک دوسرے کے ساتھ مطابق ہے اس میں تخاصن نہیں ہے
 اور کسی پرین سیکر قاک کی روایت بھی زیادہ چسپاں معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اور شاہدین قرآن دونوں ایک جیسے سے جدا نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ عرض کوثر

ہے ورنہ خدا کو اختیار ہے چاہے نچٹے چاہے چھوٹے باقی اس پر سوال سے غرض اصلی جو ہے اس کی جڑ پہلے جواب میں کٹ چکی ہے مگر قیثہ زنی کا دماغ نہیں۔

جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب

(اطاعتِ حکم کی کئی صورتیں ہیں)

نبی کو شخصہ دلانا بہت بُرا ہے اور نافرمان کا ماؤنی جہنم ہے۔ مگر ماننا چاہیے کہ درباب امثال امر قاعدہ اصول کا یہ ہے کہ جیسا امر ہو ویسا ہی اس کا امثال کبھی تو امر و جو کے لیے ہوتا ہے جیسے اَقِمْو الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ اور کبھی نبی بصورتِ امر ہوتی ہے اس کا عدم امثال بہتر ہے اور کبھی تو امر شفقتِ رحمت کا ہوتا ہے اس کا بھی امثال و جواب نہیں جیسا کہ کھانے میں مکھی گھسنے کے باب میں فرمایا فَاْمُتَلُوْهُ رُوْبُوْکُمْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا غرضیکہ ایک امر کا دوسرا امر سے بہت فرق ہے اللہ کریم امر فرماتا ہے۔

مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُکْفُرْ ترجمہ (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ظاہر ہے کہ یہ الفاظ امر کے ہیں اور مراد امثال امر نہیں۔ باختیارِ صیغہ کلمہ اور بدلتِ حالت محل کے یہی ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بحکمِ آیت و شاورہم فی الامر کے حضرت کی خدمت میں اپنی رائے ظاہر کرنے کی اجازت تھی اور بعد ارشادِ غرض و سکار کی گنجائش تھی اس کو کوئی عدول بھی نہیں کہہ سکتا۔

(حضرت علیؑ سے بظاہر بھی دفعہ عدول بھی ہوئی)

کیونکہ ایسے ایسے خلافتِ امر تو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرف بھی نسبت ہو سکتے ہیں اہلِ تو خاص اسی مقدمہ میں لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والوں کو عام حکم فرمایا تھا اس میں حضرت علیؑ بھی شامل تھے۔ دوسرا رسول اللہ علیہ وسلم کے قول کو مقابلہ قول حضرت عمرؓ کے نہ مانا۔

قیس سے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا بِالْقَوْلِ رَبُّنَا لَا یَسْمَعُ اِنْ تَفْعَلُوْا اٰیٰتِہٖ لَکُمْ لَعْنَتُہٗ وَیَظْہَرُ لَکُم مِّنْہٗ اٰیٰتٌ کَثِیْرَةٌ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر اور اس سے بہت چلا کے بات مت کہو کے کیوں خلافت

کیا وہ تو در بقول شیخ معصوم خطاسے تھے نفس صریح کا خلاف کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے لیے جگایا اور تاکید کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہ مانا اور یہ فرمایا۔

وَاللّٰهُ مَا تُصَلِّيْ اِلَّا مَا كُتِبَ لَنَا اِنَّمَا اَنْتَا
قسم ہے اللہ کی ہم تو وہی نماز پڑھیں گے جو اللہ نے
بیحد اللہ۔ (نسائی ص ۳۱۶) ہمارے لیے فرض کی ہے اور ہماری جانیں اللہ کے فضل میں

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پر ہاتھ مار کر یہ فرمایا کان الانسان اکثر مشی جبار
(آدمی بہت جھکڑا ہوتا ہے) اور یہ کہ صلحنا حدیبیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت کے القاب
میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ دیا تھا کفار کو ناگوار گزارا حضرت نے فرمایا علی رضی اللہ
عنہ کہ اس کو محو کر دو مگر یہ کہ فرمایا یہ ایک زمانی اور یوں کہا وَاللّٰهُ لَا اَفْخُوكَ اَبَدًا (تجاری ص ۲۶۶)
قسم ہے اللہ کی میں کبھی آپ کا نام محو نہیں کر دوں گا۔ الامرفوق الادب کو بھی کار نہ فرمایا۔ تاہم یہ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے محو کیا پس معلوم ہوا کہ انکار و اصرار کسی
مصلحت سے ہو بلا تعنت و اخوجاج قلب کے تو کچھ عرج نہیں۔

سوال چہارم و مسئلہ از جانب شیخ

کبھی پیغمبر خدا نے شیخین کی شان میں کوئی ایسا کلمہ بیان کیا کہ جو ان کی خلافت پر دلیل ہو بل و عیسیٰ و عیسیٰ و دلی کل ہوں
وہ نہ سید المؤمنین ام المومنین سید العرب وغیرہ اگر بیان کیا تو مفصل معرہ و نشان کے تحریر فرمائیے۔
جواب سوال چہارم (شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایات)
شیخین کے حق میں یہ لفظ تو نہیں فرمائے کہ وہ میرے وصی یا میرے خلیفہ یا ہر مومن اور مومنہ
کے ولی ہیں پر اس سے بڑھ بڑھ کر الفاظ فرمائے ہیں ایک تو یہی فرمایا ہے۔

نہ بغیر خدا اور نبی کے صلہ حاصل یہ ہے کہ جب ان مقامات پر تاکید نبوی کے باوجود حضرت علی کی خلافت حدی کو ہم سب
مسلمان ادب اور عشق نبوی پر محمول کرتے ہیں تو اسی طرح قصر قرطاس میں حضرت عمر کا مشورہ حضور کو سخت تکلیف پہ قلم دوات لاکر
لکھانے کی تکلیف نہ دوں ہمیں کہ اللہ کافی ہے کہ عیش و محبت کا منظر جاننا چاہیے۔ اور صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عمرؓ
کی بے قراری اور بے باکاز گفتگو کو غیرت ایمانی اور بغض فی اللہ کا مظاہرہ جاننا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے ۱۵ سو مومنین صحابہ کرامؓ
کی نمائندگی کر رہے تھے تا آنکہ اللہ نے سب پر تسلی اور اطمینان کی چادر ڈال دی جیسے سورت فتح میں ارشاد ہے۔
هُوَ الَّذِي اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزَادُوا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَهُوَ الَّذِي
مومنین کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اطمینان کو اور بڑھائے (زبور مقبول ص ۹۱) ۱۴ مہر محمد

اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي الْيُحْكِمُونَ
 یعنی اقتدا کیجوان وہ شخصوں کا جو میرے بعد ہوں گے
 عمر (ترغی ص ۲۸۹) ازات الخلفاء ۸۹ بوالحاکم

وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ
 یعنی میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کے
 المہدین من بعدی (البورژو ص ۲۸۹) ترغی ص ۲۸۹
 اتباع کو لازم سمجھنا۔

بائیں ہمہ یہ بھی فرمایا کہ آسمان میں تو میرے وزیر جبریل و میکائیل اور زمین میں ابوبکر اور عمر
 علیؑ کا القیاس یہ بھی ارشاد ہے کہ جو انانِ جنت کے سردار تو حسین ہیں اور زیادہ علم والوں
 کے سردار ابوبکر اور عمرؓ ہیں۔ باقی آیات سے جو حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت ثابت ہے وہ علاوہ
 رہی اب آپ کلام اللہ اور حدیث کو تو لیے پھر یہ بولے کہ یہ ارشاد جو خلفاء راشدین کے حق میں فرمایا
 ہیں (مقصود اختلاف میں) زیادہ ہیں یا اولیٰ کل مؤمن۔

اے تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کے دوستوں کو کہتے ہیں خدا کے ماموں کو نہیں
 کہتے ہم بھی حضرت (علیؑ) کو تمام اہل ایمان کا دوست اور محبوب سمجھتے ہیں چنانچہ بخاری و ترمذی اور
 صحاح میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سواموں میں حضرت علیؑ سے کوئی محبت نہ
 کرے گا اور سوامنا فق کوئی ان سے بغض نہ کرے گا۔ سو بفضلہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت
 ہو ہی رہی ہے۔

(حضرت علیؑ سے شیعہ کی محبت نصاریٰ جیسی ہے)

شیعہ کی محبت ان سے ایسی ہے جیسے نصرا نیوں کو حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) سے محبت
 کون کر دے گا کہ نصرا نیوں کو حضرت عیسیٰ سے محبت ہے ہاں اپنے خیال سے محبت سے البتہ
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے ہوتے تو پھر یہ محبت ان کے ساتھ درست
 ہوتی۔ اب توقعہ ایسا ہے جیسے اندھیرے میں کوئی شخص غیر کے لڑکے کو اپنا فرزند سمجھ کر گود
 میں اٹھا کر چومے چاٹے بیٹا بیٹا کے اور پھر چاندنا ہو تو پہچان کر گود سے ہٹک دے ایسے ہی نصرا نی
 اور شیعہ اس ظلمت کے جیل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت علیؑ کو کچھ کچھ سمجھ کر غیور و نیاز کرتے ہیں بروز حشر
 موافق ارشاد فیض بنیاد فکشفنا عنک عطاءک فبصرک الیوم حدیثہ، (ترجمہ) جس کے
 معنی یہ ہیں کہ دور کر دیا ہم نے پردہ تیرا سو آج تیری آنکھ بہت تیز ہے۔ یہ پردہ جیل مرکب اٹھایا

جائے گا۔ اس رد معلوم ہو گا کہ نہ حضرت علیؑ ایسے امام تھے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ وحی آتی تھی اور نسخ احکام کا اختیار تھا نہ ان کو علم غیب تھا جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی اور خلیفہ بلا فصل تھے۔ علیؑ نہ القیاس۔

(حضرت علیؑ کی صفات بعقائد شیعہ قرآن و سنت میں نہیں)

باقی امام کا قرآن میں مطور و مذکور نہ ہونا اور علم غیب کا نہ ہونا تو کلام اللہ ہی میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ بشہادت جملہ خاتم النبیین اور آیت

قُلْ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مَنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ
(ترجمہ) آپ فرماتے کوئی بھی غیب نہیں جانتا جو اس کا
وزمین میں ہے سوائے اللہ کے)

جوابات اربعہ مشارالہما میں مذکور ہو چکا۔

غرض وہی کل مومن و مومنہ وغیرہ الفاظ سے قریہ مطلب نہکان ایسا ہے جیسا کسی نے مجھ سے اپنا نام بتایا تھا۔ عین فی زبرخت غین فی زبرخت میرا نام محمد یوسفؑ۔ باقی لفظ وحی اور ضیق سنیوں کی کتاب میں اور کسی روایت میں نہیں پھر کا ہے کہ یے قین پانچ کی جاتی ہیں ہاں ہمد اگر ثابت بھی ہو تو وحی کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو کوئی وصیت کی ہوگی۔ دم وفات اکثر آدمی اپنوں بیگانوں کو وصیت کر جاتے ہیں پر اتنی بات سے وہ خلیفہ نہیں بن جاتے ہم بھی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارہ تجیز و تکفین۔ مراعات ازواج مطہرات کے وصیت کی ہوگی جن میں سے یہ بھی ہو کہ تم مستحق خلافت نہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے امام احمد یا کسی اور امام کی تخریج سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے (میں نے) قین دفعیہ عرض کیا کہ علیؑ غیب میں مقدم رہیں پر عرض منظور نہ ہوئی باقی نام کتاب ہی تعیین مطلوب ہو تو

اقتداء المؤمنین دیوبند میں بہت ہی مطالعہ کر کے تمام کتاب دریافت کر لیں۔ مجھ کو اس وقت یاد نہیں ہے کہ یہ یاد ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔

یہی یہ بات کہ دعا قبول نہ ہوتی سو اس میں کچھ قباحت نہیں اور بھی بعض مواقع میں ایسا ہوا۔ چنانچہ امت کی خانہ جنگیوں کے نہ ہونے کی استدعا مقبول نہ ہوئی بخاری وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ محمد انبیؑ بندہ خدا ہوتا ہے خدا کا حاکم نہیں ہوتا اگر کوئی استدعا قبول نہ ہو تو کیا عرج ہے بلکہ یہ نہ ہو تو پھر امتیوں کا ان کی طرف اور گمان ہونے لگے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بیٹے کے حق میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا باپ کے حق میں مقبول نہ ہوئی۔ کلام اللہ شہود ہے علیٰ ہذا القیاس۔

(حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کا مطلب)

خلیفہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میرے بعد ہی مسلسل تم خلیفہ ہو بلکہ اول تو یہ ارشاد آئینہ خلافت خاصہ ہے یعنی جب آپ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے اور حضرت علیؑ کو گھر پر چھوڑ گئے سو یہ گھر کی خلافت تھی نماز تک بھی آپ کے پیڑ نہ تھی جماعت عبداللہ بن ام کلثومؓ ہی کھڑے تھے۔ دوسرے اگر خلافت عامہ ہی مراد ہے تو پھر کیا آپ بھی اس وقت میں خلیفہ ہوئے؟ اور اس وقت میں غرض یہ ہوگی کہ میرے اقارب میں تم ہی خلیفہ ہو گے حضرت عباسؓ یا حضرت عقیلؓ یا حضرت

نہ یہ حضرت جبرائیلؑ السلام بانی دینہ علامہ محمد قاسم نالوتی کی اپنی تصنیف ہے علیؑ چنانچہ ایسی وصیت موقوف شیوخ خاتم الخیرین علیہ السلام علی محمد بن حباب القلوبؒ ۹۸۲ھ اور جلال العیونؒ ۵۹۹ھ پر بایں الفاظ نقل کی ہے: یحییٰ بن بابویہ شیخ طوسی شیخ مفید شکر سی و شیخ محمد بن نے معتبر سند سے حضرت امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ اپنی وفات کے وقت حضرت نے اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا کہ اے چچا میرے اہل خانہ اور بیویوں کے متعلق میری وصیت قبول کر دینی میراث دینا فرض ادا کر د اور میرے وعدوں پر عمل پیرا ہو اور مجھے سکدوش کہہ حضرت عباسؓ نے کہائے رسول اللہؐ میں بڑا بال بچھا رہوں آپ اللہ صی اور ابراہیمؑ کی راہ میں تھے میرا مال پورا نہ ہو گا پھر علیؑ کو بلا کر فرمایا اے علیؑ تو میری میراث سے تیرے ساتھ کسی کا جھگڑانا ہو گا میری وصیت انویسے وعدوں پر عمل کرنا کہ میرے قرضے ادا کر دیا علی خلیفہ میں کاش رہا ہل من تو بیع رسالت من بعد از من بروم یکن۔ کہائے علیؑ میرے گھر والوں پر میرے خلیفہ بنو اور میرا پیغام (وصیت) بھی لوگوں تک پہنچاؤ۔ ۱۲ طہر محمد

عبداللہ بن عباس نہ ہوں گے باقی سبے الفاظ باقیہ سید المومنین امام المتقین۔ سید العرب وغیرہ
 کسی صحیح روایت میں ہے نہ ضعیف میں یہ مفتیان مذہب شیعوہ کی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔

جواب ثانی از جانب مولوی عبد اللہ صاحب

(حضرت ابو بکر و عمرؓ کی موید خلافت احادیث)

بحان اللہ آنکھیں کھولو ہوش میں آؤ صدہا احادیث جو ان الفاظ سے بڑھ چڑھ کر ہیں یا
 فرمائی ہیں ایسے تو غافل مت بنو سوال کے جواب میں بھی اس قسم کی احادیث بہت کچھ بیان کر دی
 ہیں پر اور بھی لیجئے یہ امر تو نہایت ظاہر و باہر ہے اس میں شبہ کو نا بعینہ پٹنے آپ کو بھول جانا ہے۔

حدیث نمبر

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كُنَّا
 وَزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيرَانِ مِنْ
 أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَمَّا وَزِيرُيْهِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ
 فَجِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَأَمَّا وَزِيرُيْهِ مِنْ
 أَهْلِ الْأَرْضِ فَالْزُّبَيْرُ وَعُمَرُ

ترجمہ: ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ پیامبر رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبی ہوتا ہے اس کے دو وزیر
 آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں
 میں سے لیکن میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے
 جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے
 ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

(ترمذی ص ۲۸)

(حدیث نمبر ۲)

أَخْرَجَ الْبُزَارِيُّ وَالْحَاكِمُ عَنْ أَبِي أَرْوَالَةَ الدَّوْسِيِّ
 قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَطْلَعَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ
 اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَيْدَانِي بِهِمَا

ترمذی ص ۲۸۔ روایت ہے ابو ارؤالہ دوسی سے کہنا تھا
 میں بیٹھا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو ابوبکرؓ
 اور عمرؓ آئے رسول قبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب
 تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری مدد کی ان
 دونوں کے ساتھ۔

(ازالہ الحقائق ص ۹۳ بحوالہ حاکم)

(حدیث نمبر ۱۲)

عَنْ حَدِيثِ أَبِي هَانٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَقَدْ سَمِعْتُ أَنَّ الْبَعْثَ إِلَى الْأَفَاقِ بِجَلَالِ عِلْمِ النَّاسِ السُّنَنَ وَالْفَرَائِضَ كَمَا بَعَثَ عَلِيَّ بْنَ مَرْيَمَ الْخَوَارِجِينَ قِيلَ لَهُ فَإِنَّ أَمْتًا عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ إِنَّهُ لَا غِنَى لِي عَنْهُمَا إِنَّهُمَا مِنَ الدِّينِ كَالْتَّمَعِ وَالْبَصَرِ

راز الہدی ص ۸۹ بحوالہ ماہنامہ

اور حدیث بن ابی ہانئ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے میں نے قصہ کیا اس بات کا کہ آنکریوں کو اطراف و جوانب میں بھیجیں تاکہ وہ سنتیں اور فرض لوگوں کو سکھادیں صحابہ حضرت علی بن مریم نے خوارج کو جیسا تھا کیا آپ کا ابو بکر اور عمر سے کیا حال ہے فرمایا مجھ کو ان دونوں سے بے پروائی نہیں یہ دونوں دین میں مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔

(حدیث نمبر ۱۳)

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِي أَحَدٌ عِنْدَنَا يَدُ إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَدَّ إِلَى بُكْرٍ فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يَكْفِيهِ اللَّهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِي مَالٌ أَحَدٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِي مَالٌ أَبِي بَكْرٍ (ترمذی ص ۸۷)

(حدیث نمبر ۱۴)

ترمذی ص ۸۷ اور روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کا ہم پر احسان ہے ہم نے اس کا بدلہ (درا کر دیا ہے) موال ابو بکر کے کیونکہ اس کا ہم پر احسان ہے (کہہ) اللہ قیامت کو اس کو بدلہ دے گا اور کسی کے مال نے مجھ کو ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابو بکر کے مال نے نفع دیا ہے۔

وَعَنْ بَنِي عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ أَعِزِّ الْأُسْدَ مَرِيحًا حَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ يَا جَاهِلِ الْأَعْرَابِ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ وَكَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيْهِمَا

(ترمذی ص ۲۹)

اور ابن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ عزت سے اسد کو ساتھ اس کے جو زیادہ محبوب ہے تجھ کو ان دونوں میں سے ابو جہل کے ساتھ یا عمر بن الخطاب کے ساتھ فرمایا عمر زیادہ عزیز تھے اللہ کو ان دونوں میں۔

فائدہ اور موازنہ

جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوں و مشکور ہونا حضرت ابو بکرؓ کا اور عزت دنیا اسلام

کا حضرت عمرؓ سے اور حضرت ابو بکرؓ کو لاغتاء لی عنہما انہما من الدین کا الجمع والبصر فرمایا اور زمین والوں میں دو وزیر فرمایا۔ خلیفہ دو وصی وغیرہ فذلک کے الفاظ معدوم سے کیا کچھ کم ہیں؟ اور ان الفاظ کا پتہ تو فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین کے حق میں یہ الفاظ کب فرمائے اگر سنیوں کی کتابوں میں ہیں تو اطلاق فرمائیے کہ ہم مشکور ہوں اور جب اہل سنت کے نزدیک سے ثبوت خلافت کے لیے حاجت نص نہیں تو ایسے الفاظ سے سوال کرنا بے حاصل ہے ثَبَّتَ الْعَرْشَ ثُمَّ الْقُسْ رِیْطَ تَنْتَ قَلَمُ کَرُوْا بِمِیْرَ تَقْشِ وَ لَکَا رَ کَیْخِیْوُ

سوال پانزدہم از جانب شیعہ

کبھی شیخین نے مثل حضرت علیؓ کے یہ دعویٰ کیا کہ میں وصی رسول اللہ ہوں اگر کہا ہو تو بیان کیجئے۔

جواب سوال پانزدہم۔

نہ حضرت علیؓ نے کبھی وصی ہونے کا دعویٰ کیا نہ شیخین نے، اور کرتے بھی تو کس بھروسے پر کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو وصی کیا ہی نہ تھا ہاں ابو بکر صدیق کو یوں سمجھ کر کہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے اپنے ترکہ کا جمع خرچ بتلا گئے تھے یعنی یہ ارشاد فرما گئے۔
 یہی اس کی صحت کو نسخہ حدیث الشیخہ کو مطالعہ فرمائیں۔ بسط سے بحث کو لکھا ہے کہ قیامت تک انشاء اللہ جواب نہ آئے گا ہاں ویسا جواب جیسا جاٹ نے دیا تھا کہ تیرے سر پہ کو لہو اگر دیں تو دیں نہ۔

لے وصی اس شخص کو کہتے ہیں جسے مرنے والا آخری وقت بند بستی وغیرہ کے متعلق اہم باتیں بتا کر جائے اس لحاظ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وصی رسول ہونا کتب شیخو سے ثابت شدہ جلد العیون کشف الغمہ وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی تلخی میں حضرت ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو بخدا اہل باتوں کے پوچھا آپ کو غسل کرنا دے گا؟ فرمایا جیسے اہل خانہ کا قریب ترین آدمی۔ پوچھا آپ کو کن کپڑوں میں دفن کریں؟ فرمایا اپنی پہننے پہنے کپڑوں میں یا مٹی سوتا ہوں یا مٹی کے پتھر پہنے ہوئے سفید کپڑوں میں پوچھا آپ پر جنازہ جنازہ کیسے پڑھیں اس وقت لوگ شدت غم سے چلا کوڑنے لگے تب آپ نے فرمایا صبر کرو خدا اقسیم منھا کرے (جلد العیون صفحہ ۱۲۲)۔

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(وحی ہونے کا دعویٰ حضرت علیؑ نے نہیں کیا)

چونکہ شیخین کی شان میں خاص لفظ وحی نہیں آیا وہ کیوں جھوٹا دعویٰ کرتے مگر یہ فرمایے کہ
امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ نے یہ دعویٰ کب کیا اور جو کچھ اس کا ثبوت ہو کتب معتبرہ میں سے بیان
فرمائیے اگر بالفرض حضرت علیؑ وحی تھے تو ان کو کیا وصیت تھی اگر بعد حضرت رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے خلافت کی وصیت تھی تو بعد انتقال سید الاصفیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیوں نہ اظہار وصیت
کیا اور وصیت کو شاہ گزار کہ کیوں اتمام حجت نہ کی اگر یہ ہوتا تو خلیفہ اول ہو جاتے باوجودیکہ ان کو
اسد اللہ الغالب کا خطاب تھا اور ان کے ذوالفقار کے وار کی ہفت زمین کو تاب نہ لگتی ان کو
کس بات کا خوف تھا آیت :-

لَنْ يُصِيبَكَ آلَ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكَ (پ) ترجمہ: جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دیا ہے تم کو اس کے سوا
اذا جاء اجلهم ولا يستأخرون ساعة (پ) اور کچھ نہ پہنچے گا اور جب وقت ان کا آجاتا ہے تو ایک
ولا يستقدمون (پ) ساعۃ تاخیر اور تقدیم اس سے نہیں کر سکے۔

کی آپ کو یاد تھیں جو ہر قسم کے ضرر سے محفوظ کرتا ہے۔

اور تائید دین میں کفایت و شغف تھا ائمہ اہلبیاء اور ان کے خلفاء کی خوب اختیار ہوا کرتی
ہے اور شیعوں کے مسلمات کے بموجب؟ کہ وہ عالم ماکان و مایکون تھے اور اپنی موت و حیات
باختیار خود ہوتا علاوہ بریں ہے۔ بایں ہمہ خلفاء ثلاثہ سے درباب خلافت کیوں مخاصمت
نہ کی اگر ان کو وحی خلافت یا مرقہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو اس کی طلب میں ممانعت
کرنے سے گنہگار ہوئے۔

اور عذر تقیہ کی یہاں گنجائش نہیں کیونکہ مقصود اتمام حجت ہے اگر وصیت درباب
امر خلافت نہ تھی بلکہ مثل قربانی ذبح کرنے کے یا ایسے ہی امور دنیاوی کی وصیت تھی تو سنیوں
پر کیا الزام ہے۔

سوال شانزدہم از جانب شیعہ

امامت اور خلافت کی کیا شرط ہے یعنی وہ امور کون کون ہیں جو خلیفہ اور امام میں ضرور ہونے چاہئیں مولیٰ اکٹھا ہونے آدمیوں کے۔

جواب سوال شانزدہم (خلافت کے لیے تین اہم اوصاف)

نبی میں تین باتیں ضرور ہیں۔

ایک تو یہ کہ دنیا کی ذرہ بھر محبت اس کے دل میں نہ ہو ہاں خدا کی محبت اس کا دل بھر نہ ہو۔
دوسرے بلند ہمت اور العزم ہو۔ تیسرے علم ہدایت میں یکتا ہو۔

اوّل کی ضرورت تو اس لیے ہے کہ راز دار خدا ہے اس بات کے نہیں ہو سکتا سو اس بات میں حضرت ابو بکرؓ و بشادت حدیث مشکوٰۃ جس کی شرح میں رسالہ اعتبار المؤمنین اس پر محمد راجع لکھا ہے یکتا سے روزگار تھے۔ دوسرے وصف کی ضرورت بایں غرض ہے کہ جہان سے مقابلہ ہو گا اگر کم ہمت بنو دل ہو گا تو کیا کام چلے گا۔ اس میں حضرت عمرؓ یگانہ آفاق تھے۔ تیسری بات کی ضرورت کی یہ وجہ ہے کہ یہ نہ ہو تو پھر ہدایت ہی کیا ہو گی اس میں حضرت علیؓ کا قدم آگے بڑھا ہوا تھا غرض امور ثلاثہ نبی میں ضروری ہیں جو ان کا خلیفہ ہو اس میں یہی باتیں مد نظر ہوں گی ورنہ پھر خلافت نہیں نا خلفی ہے۔ باقی مضامین متعلقہ حدیث مذکور جو اس جواب کے قابل تھے بنظر اختصار اور نیز بایں نظر کہ سائل اس سے زیادہ پوچھتا ہی نہیں کہ ان لوگوں میں بھی یہ وصف کتنی کہ نہیں۔
اور پھر رسالہ اعتبار المؤمنین میں تفصیل تمام مرقوم ہو چکی ہیں دیکھ لو

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط یہ فقہ کی کتابوں میں ہے)

الْإِمَامَةُ هِيَ صُغْرَى وَكُبْرَى فَالْكِبْرَى
إِسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفِ عَامٍ عَلَى الْإِنَامِ وَتَحْقِيقُهُ
فِي عِلْمِ الْكَلَامِ وَنَصْبُهُ أَهَمُّ الْوَاجِبَاتِ
ترجمہ: (امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ اور کبریٰ) امامت
کبریٰ مستحق ہونا تصرف عام کا خلقت پر اور تحقیق اس
کی علم کلام میں ہے اور امامت اس کی اہم واجبات

فَلَيْدًا قَدْ مَوَّاهُ عَلَى دَفْنٍ صَاحِبِ الْمَعْبَدَاتِ
وَلَيْتَ طُكُونُهُ مِسْطَاحًا ذَكَرًا عَاقِلًا بِالْعَا
قَادِرًا قَرِيبًا لَهَا شَيْئًا عَلَوِيًّا مَعْصُومًا
قَوْلُهُ لَهَا شَيْئًا لَمْ أَمِ لَيْتَ طُكُونُهُ
هَاشِيًّا أَمِ مِنْ أَوْلَادِهَا شَيْءٌ مِنْ عِبَادِ
كَمَا قَالَتِ الشَّيْعَةُ لَفِيًّا زِمَامَةً إِلَى بَكْرِ
وَعَمْرٍو وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ
وَلَا تُشَبِّهُهُ لَهُمْ فَضْلًا عَنْ الْحُجَّةِ
وَقَوْلُهُ عَلَوِيًّا أَمِ لَيْتَ طُكُونُهُ مِنْ
أَوْلَادِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كَمَا قَالَ بِهِ
بَعْضُ الشَّيْعَةِ لَفِيًّا لِحَدَفَةِ بَنِي الْعَبَّاسِ
وَقَوْلُهُ مَعْصُومًا أَمِ لَيْتَ طُكُونُهُ أَنْ يَكُونَ
مَعْصُومًا كَمَا قَالَتِ الدُّسَمَاعِيَّةُ
وَأَوْثَانًا عَشْرِيَّةً أَمِ الْوَمَامِيَّةُ
مِنْ طُحَاوِي

میں سے ہے اس لیے مقدم کیا اس کو (صحابہ کرام) نے
دفن صاحب کجرات پر اور شرط ہے امام کا مسلمان ہونا۔
آزار۔ مرد عاقل بالغ قدرت رکھنے والا۔ قبیح قریش
سے ہونا۔ ہاشمی علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں۔
لا ہاشمی یعنی شرط نہیں ہے اولاد ہاشم سے ہونا
جیسے شیعوں کہتے ہیں بسبب باطل کرنے لامرت
حضرت ابوبکرؓ کے اور عمرؓ کے اور عثمانؓ کے اور ان کو
دلیل کا شجرہ بھی نہیں حجت ہونا تو درکنار لا علویا
یعنی شرط نہیں ہے ہونا امام کا اولاد علی بن ابی طالب
سے جیسا شیعوں کہتے ہیں بسبب باطل کرنے خلافت
نبی عباس کے اور معصوم ہونا یعنی شرط نہیں ہے
امام کا معصوم ہونا جیسا اسماعیلیہ اور امامیہ کہتے
ہیں بغل ہے اس کی طحاوی سے
(مذکور بالا احوال طحاوی کے علاوہ فتاویٰ شامی ج ۱۵ طبع مصر
میں بھی بعض تغیر کے ساتھ مذکور ہے)

(۱۲۔ ص ۱۲)

(لایزال عہدی الظالمین شیعوں استدلال غصوت کا زور)

یہ جو بعض کم فہم معصومیت امام کی لایزال عہدی الظالمین سے کہتے ہیں قرآن کے مذاق
سے غافل ہیں کیونکہ جملہ لایزال عہدی الظالمین (میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے) لفظ اخیر
ہے اور معنی امر جیسے فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ (اگر تم میں
بیس صابر ہوں دو سو پر غالب ہوں گے) معنی اس کے یہ ہیں کہ جو ظالم ہوں اس کو غلبہ دہشت نہیں ہے۔
یعنی وہ اس بات کے قابل نہیں کہ وہ متوالی امور خلق اللہ بنایا جاوے۔ اور آیت

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ لَيُخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

وَلِيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ دِينَهُ الَّذِي ارْتَضَى

لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ

أَمَنًا مَا يَعْبُدُونَ بِي شَيْئًا

(نور ۷۷)

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے

اور عمل اچھے کئے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنا دینگے جیسے

خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور ہرگز

کو دینگا ان کے واسطے ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند

کیا ہے اور البتہ بدل دینگا ان کے لئے بعد ان کے

خوف کے امن اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو میرا

شریک نہیں کریں گے۔

اس کے ساتھ ملانے سے یہ ثابت ہوا کہ جب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم امامت پہنچا تو معلوم ہوا

کہ وہ ظالم نہ تھے بلکہ وہ عادل تھے۔

سوال ہفتم از جانب شیعہ

وہ پوری پوری شرائط حضرت علی رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں یا شیخین میں۔

جواب سوال ہفتم کی طرف متوجہ ہونا ہوں۔ شرائط مذکورہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بھی موجود تھیں اور

شیخین میں بھی، پر ایسا فرق تھا جیسے ملا محمود بھی عالم اور مولانا محمد یعقوب بھی عالم پر مولانا محمد یعقوب

صاحب ان سے زیادہ عالم اور کامل ہیں اسی واسطے شیخین کو اول خلیفہ کیا حضرت (علی رضی اللہ عنہ) کو بعد

میں پھر اس میں یہ بھی عذر کی نکل آئی کہ سب کے سب خلیفہ بھی ہو گئے اگر پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی

کو خلیفہ کرتے تو جو جوان سے زیادہ سختی تھے محروم رہ جاتے یہی وجہ تقدیم اور تاخیر شوق ہو تو

رسالہ امتیاز المؤمنین بغور و انصاف دیکھیں سمجھ میں نہ آئے تو شرم نہ کریں کسی ذی استعداد

عالم سے پڑھ لیں اگر انصاف اور فہم ہو گا تو انشاء اللہ اطمینان ہو جائے گا۔ ورنہ ہم تو کس شمار

میں ہیں خدا اور رسول کے کلام سے بھی ایسوں کو تاثر نہیں ہوا۔

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

وہ شرائط شیخین اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں پوری موجود تھیں پر چونکہ اہل

سوال چہرہ دہم^{۱۸} از جانب شیعہ

تمہیں موقبلہ و کعبہ ہمارے دین و دنیا میں اگر تم سے پھر حق سے پھر ان کے فرماں
پر مشفق من سمجھ کا پھیرے اگر سر کرئی ایسی باتوں کو سمجھ لیا کر تا تو اہل فہم کی کیا قدر رہ جاتی منجملہ
جو بات اربعہ اشار الیہا ایک جواب خاص اسی حدیث کی شرح میں ہے آپ دیکھیں گے
تو اشار الیہ مخلوط ہی ہوں گے۔ ہاں انصاف اور سببہ انصاف کی ضرورت ہے

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(حدیث نقلین میں قلمک غلطی سے مراد ان کی محبت ہے۔)

یہ حدیث جو مذکور ہوئی تمام حدیث ثقیلین مذکور ہے اور اس میں لفظ تمسک واقع ہوا ہے
ان تمسک لیس۔ اور تمسک بقدر ان تفسیر فرمایا ہے اتباع کے ساتھ۔ اور تمسک بعترت کو تفسیر کیا
ہے محبت والفت کے ساتھ جو خمس تمام اس حدیث اور وجہ اس کے فرمانے کی ملاحظہ کریگا
اس کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث سے حکم اتباع کلام مجید کا اور تعظیم و محبت اہل بیت کی

ثابت ہوتی ہے غلیظ بنانے سے اور وہ بھی کہ بعد وفات متصل ہوں اس مسئلہ کو اس حدیث سے لگاؤ بھی نہیں۔

اور اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوستی کا حکم اور دشمنی کی نفی نکلتی ہے فعلی الرأس والعین۔ لیکن ایسے الفاظ تھا کچھ حضرت علیؑ ہی کے واسطے ثابت نہیں بلکہ حضرت عباسؑ اور ان کی اولاد کے حق میں اور ازواج مطہراتؑ اور حضرت فاطمہؑ کے وارث ہوتی ہیں اور نیز حضرت ابوبکرؓ کی بھی شان میں وارث ہوتی ہیں۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي قِصَّةٍ مُشَاجِرَةٍ مَعَهُ
قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذِبٌ
وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ وَوَأَسَانِي بِنَفْسِهِ
وَمَالِهِ فَهَذَا تَارِكُوا إِلَى صَاحِبِي (بخاری ۱۴۵۸)
ترجمہ: ابوالدرداء سے روایت ہے کہ فرمایا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف
بھیجا تم نے کہا جھوٹا ہے اور ابوبکرؓ نے کہا سچا
ہے اور میری مدد کی اپنے جان و مال سے پس چھوڑ
و مالہ۔ یہاں تارکوا کی صاحبی (بخاری ۱۴۵۸) دو تم میرے لیے میرے ساتھی کو۔

ارشیعہ کے نزدیک بھی اتباعِ عترت سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اگر عترت مُصل و کُمرہ
ہو تو بھی اطاعت کرو غرضیکہ عترت کی اطاعت مادامیکہ وہ مطیع کلام اللہ و سنت رسول اللہ
ہوں ضرور ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ اہل سنت و جماعت تمام اہل بیت کے ہنر لودل و جان محبت
و تعظیم کرنے والے ہیں جتنی محبت اہل بیت کی ہو سکے فخر و عزت ہے غرضیکہ وہ کسی کے اہل
بیت میں سے منکر نہیں جیسا کہ حضرات شیعوں کو بارہ اماموں کے اکثر عترت کو برائی سے یاد
کرنے کے مخالف اس حدیث کے ہو گئے ہیں اور قرآن شریف کے باب میں جو کچھ ان صاحبوں
نے کہا ہے قابل ذکر نہیں کوئی یاض عثمانی کتاب ہے کوئی گنہ گشی تبدیل و تحریف کا قائل ہے۔
لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ وَقُرْآنٌ فِي بَاطِلٍ لَا أَكُنَّ مِنْكُمْ
نزدیک سے) کو بار نہیں کہتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کو امام مہدی کے ساتھ کہتے ہیں اور حدیث ثقلین
کے الفاظ کو دھیان نہیں کرتے۔

سوال نو ذم از جانب شیخ

بعد انتقال غیر خدا کے صحابہ اور نیز اس زمانہ میں اہل سنت اس حکم کے پابند ہیں یا نہیں
جواب سوال نو ذم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک اہل سنت
اس حکم کے غلام ہیں ہاں شیعہ نہیں یہی وجہ ہے کہ نہ کلام اللہ کی سنتیں ہیں اور نہ اہل بیت کی فروع
باطنی سے بہرہ ور ہیں یہ دولت بجز اللہ نصیب اہل سنت ہوتی قرآن اور اہل بیت دونوں سے
اپنی اپنی قسم کا فیض لیا اور دونوں کو ہاتھ سے چھوڑا چونکہ تفصیل اس اجمال کی جواب سوال سوم مشار الیہ
میں مرقوم ہے مکرر لکھنے کی حاجت نہیں۔

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(صحابہ اہل سنت تک بقرآن اور محب اہل بیت ہیں)
صحابہ کرام کا تمسک بقرآن تو ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کسی کلمے تک نہیں جمع قرآن
شریف اور پھیلانا اس کا اور تلاوت کا عمدہ انتظام اور تعلیم قرآن کے تمام اسباب صحابہ کے مقرر
فرمائے ہوئے ہیں اور اسی پر آج تک اہل سنت قائم ہیں چنانچہ لاکھوں حافظ قرآن اور ہزاروں
قاری اس زمانہ آخری تک ہیں کہ انتہائی کوتاہی کا (زمانہ ہے موجود ہیں)۔ اور تمسک بالعتیق
کا حال یہ ہے کہ خدمت ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
رشتہ داروں کی تعظیم و تکریم۔ اور توسل ان کے ساتھ اپنی دعاؤں میں اور درود بھیجنا ان پر اپنی نمازوں
میں زمانہ صحابہ میں معمول و مروج تھا اور شبہات اس باب میں اسلاف شیعہ نے لکھے اور
آج تک ان کے متبعین الہیں خیالات کو دستاویز اپنے صحت مذہب کی گردانتے ہیں علماء
اہل سنت نے چہ سلف اور چہ خلف جواب ثانی سے کہ یہ صحیح و بنیاد ان شبہات کی اکھاڑ دی چنانچہ جو
کچھ اس مجال میں مذکور ہے یہ بھی ایک دانہ اسی خرمن کہ ہے اور اہل سنت آج تک محبت اہل
بیت میں متبع و مہمی قاعدہ مستمرہ کے میں چنانچہ درود صلوة التقم صل علی محمد و علی آل محمد معمول
موازی ہے اور مودت فی القربی کو ضروریات سے جلتے ہیں۔

(شیعہ علماء اقلیتیں مسخرف ہیں)

مگر حضرات شیعہ بدعت الہی السواب جو مدعی تمسک بالاحسن ہیں ان کا حال کچھ تو جو اسے
سابق میں تحریر ہوا اور کچھ یہاں عرض ہوتا ہے یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ
کرم اللہ وجہہ سے لے کر تادمی آئمہ سب حضرات بظاہر طریق اہل سنت رکھتے تھے یعنی صحابہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الخصوص شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے مداح اور شاخوں کے
ہیں اور جن تا عاقبت ائمہ شیعہ نے کوئی کلمہ بے ادبی کا بھی کہا اور ان کے مجمع شریف تک اس
کی خبر پہنچی تو نہایت منع فرمایا ہے شیعہ کے نزدیک یہ سب محمول تفسیر پر ہے جو ضروریات دین
سے ہے ہمیں اس سے کام نہیں مقصود یہ ہے کہ ظاہر ان کا ایسا تھا اور باطن کی کیفیت
ان کی اللہ جانے کیا تھی۔ کا طین اور اکابر کا حال ہم جیسے قاصر ہمت اور کوتاہ بینوں کو سوا استدلال
آثار کے معلوم نہیں ہو سکتا اس لیے جب ان کے احوال پر نظر ہوتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے
کہ تہذیب اور تقویٰ اور اغراض دنیا اور ایثار دنیا سے اور تنفر تکلف اور تصنع سے اور گوشہ نشینی اور
خلوت گزینی اور کثرت عبادات اور مدام ذکر خداوندی اور خشیت الہی اور کمال اظہار عبودیت
جو بعینہ طریقہ ان کے بعد امجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ بزرگوار اس کے نمونے تھے
اب ہم نے اپنے زمانہ کے شیعوں کا حال دیکھا ہے اور ان کے اسلاف کا سنا ہے جو اس
کے کہ وظیفہ تمہرا اور طعن تشنیع اہل سنت کوئی امر ان امور میں ان پر غالب نہیں معلوم ہوتا۔

منصف انصاف کر کے فرمائیں کہ شیعوں کا دعویٰ اتباع کس وجہ سے درست ہے نہ
طرز ظاہر ملتا ہے اور نہ وضع باطن پھر دعویٰ سرسری دروغ بے فروغ ہے اور تمسک قرآن شریف کا تو یہ حال
کہ قول تو اس قرآن موجود کی نسبت عقیدہ ہی صاف نہیں اور اگر بہت کچھ حاصل ہے ان کے اسلاف اسکا پورا کلام اللہ
ہونا بے تحریف مان بھی لیا تب بھی خدمت قرآن یعنی لفظ کتاب اللہ سے علماء و عملا محروم ہیں حافظ ہونا کسی کو نصیب
لے شیعہ کا قرآن کو نقلی غیر اصلی نہ صرف و بدلا ہوا ماننا ایک بنیادی عقیدہ ہے جو محتاج ثبوت نہیں اصول کافی جہ طہ جہیران
میں ص ۴۴ تک تفریق قرآن کا باب پھیلا ہوا ہے۔ ترجمہ مقبول کے حاشی میں رسیوں آیات کی لفظی تفریق
کی نشان دہی کی گئی ہے شیعہ کے صرف چار مندرجہ ذیل علماء قرآن کو بے ادب بے تحریف مانتے ہیں۔ الشیخ الصدوق۔

والشرف الملقبی۔ الشیخ ابو جعفر الطوسی۔ الشیخ ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان۔ ۱۲۰ ہجری

اور قاری باوجودیکہ قرآن فرض جانتے خال خال کوئی ہوتا ہے اور مثل قرصیا قرآن پر ہے شیعہ کے مجموعہ عقائد اور مسائل سے بخوبی واضح ہوتا ہے جس کا بھی چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے علماء اہل سنت نے خاص کر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ (اشنا عشریہ) میں ایسے مطلب کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ عقائد اور فقیہات میں یہ گروہ مخالفت یقیناً ہے۔ فقط۔

سوال بستم از جانب شیعہ

عقبہ پر کون کون صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا کے لیے آئے تھے ان کے نام اور وجہ آنے کی بیان کیجئے اور یہ کہ وہ صحابی تھے یا نہیں؟

جواب سوال بستم

(ارادہ قتل پیغمبر کا صحابہ پر بہتان ہے) ————— عقبہ پر کوئی صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کیا آپ تو بفضل الہی عاقل ہیں ایسا سوال مہمل جاہلانہ بھی کوئی کیا کرتا ہے اچھی صاحب کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ صحابی معتقد باایمان کہتے ہیں سو آپ ہی فرمائیے اہل اعتقاد بھی کہیں اپنے بزرگوں کے قتل کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ یزید یوں کو یہ گنجائش ہوگی کہ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا کرایا تو کیا! پر شہداء یزید اور عبداللہ بن زیاد وغیرہ سب معتقدان بالا اختصاص اور مردان خاص تھے کہاں میں بھی چوکا شیعہ باوجود اس دغوسے محبت کے حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے خون کے پیاسے ہیں وہ خود نہ ملے تو ان کی نعشوں کی تصویروں کے ساتھ وہ کرتے جو سوا یزید یوں کے اور کوئی نہ کرے۔

غرض کہ صحابہ کرام میں سے کوئی نہیں کیا نام کس کا بتایا جائے یہ کام منافقوں اور کافروں کا تھا باقی آپ کو اپنا مطلب پوچھنا منظور ہے تو جیسا آپ گوگو پوچھتے ہیں ہم بھی رلا بلا جواب دیتے ہیں پر اتنا فرق ہے کہ ہمارے رلاؤ کا تو یہ فائدہ ہے کہ ایک اعتراض کے ساتھ آپ کے سارے اعتراضات اور شیعہوں کے سارے دوسروں کا جواب دیتا ہوں سو آپ ہی کیجئے کہ کیسا چھارلاؤ ملاؤ ہے اور آپ کے گول مول کہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر ہم بہت چھان بین نہ کریں تو بروئے انصاف ہمارے دوسرے جواب دہی نہیں جتنی ہم کر چکے

خیر مطلب کی بات سنئے صحابہ کرام کی شان میں کچھ آیتیں جو اب اجمالی میں مرقوم ہوئیں اور ایک آیت جواب سوال نعم میں مرقوم ہوئی اور ان کا ترجمہ بھی بقدر ضرورت معروض ہو چکا اس کو دیکھئے اور پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمائیے تمہیں خدا کی قسم کیا تمہارے خیال میں آسکتا ہے کہ خدا کی اتنی تعریفوں کے بعد بھی شخصین کو یہ خیال باقی ہے اور اگر پھر بھی یہ بات تصور ہے تو یوں کہو تمہارے نزدیک نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب القتل اور خدا کے دشمن تھے جو ان کے دشمنوں کی اتنی لمبی چوڑی تعریفیں کیں کہ العظمۃ للہ۔

جناب میں! ہم تو فقط اس بھروسے پر کہ فتنشی شیخ احمد مولوی وجیہ الدین صاحب مرحوم کے
فرزند ارجمند ہیں ولیند کے رئیس ٹاٹے چال علیہ کے اچھے راہ ریش کے عمدہ۔ اگر کوئی یوں کہے
کہ بلند شہر کے ڈاکہ میں شریک تھے تو تصدیق نہیں کر سکتے بلکہ دل و جان سے تکذیب کرتے
ہیں آپ خدا کے بھروسے ہیں اس بات کی تکذیب نہیں کرتے جو چند شیطانوں نے مل
کر آپ کے کان میں بھونک دی ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے بارہ منافقوں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برائی سے پیش آئیں عمار بن یاسرؓ و خدیجہ بن یمان کو اس بحید سے آگاہی ہوئی انہوں نے اس وقت جا کر ان خبریت طینتوں کو دفع کیا اور شیخین کو اصحاب عقبہ میں شامل کرنا عین حماقت ہے کیونکہ تعوذ باللہ مہما اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برائی منظور ہوتی تو وہ غلام یا غریب بدد کے روز کرتے اس وقت کیا کچھ موقع تھا اور اگر خدا نخواستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خرابی ہوتی تو حضرت علیؓ سلم متحفظاً لحد فہم بیہوش لا تعرفتم فی الحین القلوط حضرت عمرؓ کی ولیٰ عراقی معلوم کر کے مثل اخبار دیگر منافقین کے واشکاف فرماتے اور سب کو احتیاط کا حکم فرماتے اور خود بھی احتیاط بدرجہ کمال ہر وقت رکھتے حالانکہ برخلاف اس کے بہت سی آیات اور احادیث سے ان کے فضائل اور اتحاد حضرت کے کمال درجہ کا ثابت ہوا ہے چنانچہ ان کو وزیر فرمانا اور بسبب ان کے اسلام کے عزت اسلام کی سمجھا اور نوکانِ نبوی

من بعدی لسان عدس فرما تا وغیرہ ذلک۔

پس جاننا چاہیے کہ جن لوگوں کو یہ رسوخیت اور یہ اتحاد ہو پھر وہ کیوں موقعہ و مصلحت میں گئے ان کے لیے تو ہر وقت موقعہ ہی تھا۔ اس کے برافضام ناکساں ایسے متحدین (محبین) کی نسبت یہ نعمت اللہ سے ڈرنا چاہیے ان آمدہ الیم شریہ۔

(اس اتمام میں عبیر بنوی پر حملہ اور آیت الہامیہ کا انکار ہے)

ایا الزام شیخین کی طرف نسبت کرنا درپردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم فہمی ثابت کرتی ہے
نعوذ باللہ منہ۔ کوئی شخص کیسا ہی بے وقوف ہو حتیٰ کہ فحش و طرور جو حیوان مطلق میں وہ بھی اپنے درست
دشمن کو پہچانتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخین کی دوستی یا دشمنی کو نہ جانتے ہوں گے اور
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ باوصف ان کی طبائع کو جان کر چشم پوشی فرماتے تھے تو گویا اپنی جان اور
دیگر دوستوں کی جان کے حضرت دشمن گویا (معاذ اللہ) کھار کی عظیم و تحریم اور احتیاط و محبت
با دشمنان خدا کیسے تھے اور یہ فعل اس آیت کے سراسر مخالف ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (فتح ۲۴)
(وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کے اور
سچا دین کے کر بھیجا تاکہ اسی تمام دینوں پر غالب کیے)
جب بزرگم شیعوں کے ساتھ خلا ملا ہوا تھا ہدایت و غلبہ دین حق کا کہاں ہوا اور کلمہ
اللہ ہی العلیٰ کے بھی معارض ہوا کیونکہ بزرگم امامیہ کفار و فجار کا مثل و مثل رہا نعوذ باللہ من خدا لعنة
القاسدة۔

شیخین کی برائی کرنے میں کچھ تو آگے پیچھے کی خبر رکھا کرو جاننا چاہیے کہ اول تو منافقین
کی شناخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت مذکور سے ثابت ہو چکی اس کو بھی جانے
دیکھے نعوذ باللہ منہ۔ کیا خدا کو اپنے حبیب خاص اور محبوبان و پیغمبر سے عداوت حتیٰ کہ وہ ان
کے دشمن جان سے نہ آگاہ کر دیتا کیا حضرت جبریلؑ کو بار بار آنے میں تھکان ہوتا تھا یا کچھ
حکم خداوندی میں خدا تھا سو اول بات کو تو ان کی قوت بازو کے حالات قطع کرتے ہیں اور
دوسری بات کو آیت لا یُعْصُونَ اللہَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (روہ فرشتے
اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور کر گزرتے ہیں جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے) قطع کرتی ہے

دوسرے کہ جو آیت اس قصہ والوں کے حق میں نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کا کوئی مردگارشہ ہوگا یہ تو سب امور سوائے منافقین کے اور کس کس کے لیے ہوتے بلکہ شیخین کے لکھو کیا متبعین و معین ہوتے اور ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو بھی ہدایت کرے آمین ثم آمین فقط

سوال بست ویکم و دوئم از جناب شیخ

حضرت پیغمبر خداؐ نے ان لوگوں کے نام خذیفہؓ کو بتائے تھے یا نہیں اور حضرت عمرؓ نے خذیفہؓ سے یہ سوال کیا یا نہیں کہ پیغمبر خداؐ نے میرا نام تو نہیں لیا۔ فقط

جواب سوال بست ویکم۔ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ صاحب سر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو جو باتیں بعض نے ان کو معلوم نہیں وہ کسی کو معلوم نہ تھیں نہ حضرت علیؓ کو نہ حضرت ابو بکرؓ نہ حضرت عمرؓ نہ حضرت عثمانؓ وغیرہم (رضی اللہ عنہم) اور اگر ان اصحاب کبار کو بھی وہ باتیں معلوم ہوں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی ویرانہ کی نشست برخواست ہو بوجہ دوستی اور غلت اسلامی جس پر احادیث صحیحہ شاہد ہیں یہ بات مترشح بھی ہوتی ہے۔ تو پھر حضرت خذیفہؓ کے صاحب السرمہ کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اپنے ہم قسم لوگوں میں اس بات میں ممتاز تھے بہر حال راز کی باتوں کو کوئی کیا جانے پھر وہ بھی ہیں اور آپ۔ اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ ایمان کس کا نام ہے باقی یہ نام کا ایمان کس کا نام کا اور اگر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ کو اسماہ منافقین اور سلاطین جو معلوم تھے پر آپ کو اس سے کیا مطلب؟ آپ کو ان باتوں سے اپنے مطلب پہنانی کی امید کھنی ایسی ہے جیسے بیل کے پیٹ سے مرغی کے انڈے کی امید۔

جواب سوال بست دوم

(علماء اور کاملین انجام سے خائف ہوتے ہیں) ہم نے آج تک اپنی یاد میں کوئی روایت اس مضمون کی نہیں دیکھی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خذیفہؓ سے یہ پوچھا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام تو نہیں لیا۔ پر پوچھ لیا ہو تو حضرت عمرؓ کے

قربان جانا چاہیے۔ ایسا خدا کا خوف کس کو ہوگا جو لوں خدا کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے خالق
سے اندیشہ مند ہے۔ جناب من! کلام اللہ میں سورۃ مؤمنون میں تو اچھے بندوں کی تعریف
میں یہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ
مُسْفِقُونَ
جس کے معنی یہ ہیں تحقیق وہ لوگ جو خدا کے خوف
سے ڈرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد ان کا انجام بیان فرماتے ہیں
أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأَهُمْ
لَهُمْ كَافٌ
یعنی ایسے ہی لوگ خیرات میں دیر نہیں کرتے
اور وہی لوگ خیرات کو بے جا گے۔

اور محسوسات فاطر میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔
إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ
جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا سے وہ ہی ڈرتے
ہیں جو خدا کے جاننے والے ہیں۔ علیٰ ہذا العیاس اور سات کلام اللہ میں ایک جہاں میں
جایہی باتیں ہیں سو حضرات شیعوہ کی ہم نہیں کہتے سو ان کے جس سے چاہیے پوچھ لیجئے ان باتوں
کو بشادہ کلام اللہ سجدہ کمال است ایمانی ہی سمجھئے گا ہاں شیعوہ اگر خوف خدا کو کفر سمجھتے ہوں
تو دور نہیں۔ در نہ پھر حضرت علیؑ کی محبت ہی کی کیا قدر رہ جائے گی۔

بہر حال یہ بات تو اس قابل تھی کہ آپ زمار دلی کو توڑ کر حضرت عمرؓ کی زیارت کا احرام
باندھتے۔ تو یہ استحقاق اہل حرام نہیں صاحب زیارت کا سامان کرتے پر اٹے آپ تو منہ کے
آئے مگر ان کہیاں سننے لگے سو اس کا جواب پھر اس شعر کے اور کیا دیا جائے۔ شعر۔

چشمہ اندیشش کہ برکنہ باد غیب نماید ہنر شش و نظر
غرض جواب تو بندہ نے عرض کیا کہ اس کی ضرورت نہیں یہ روایت صحیح ہے
یا غلط بایں ہمہ اگر اسی کا شوق ہو تو مولانا محمد یعقوب صاحب۔ مولانا سید احمد۔ ملا احمد صابو
سے دریافت فرمالیں زیادہ مجمع حراشی ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب
(فقہ عقبہ اور حضرت خلیفہ)
بڑے افسوس کی بات ہے

کہ سائل کو قصص تک کی بھی خبر تھیں علی الاطلاق زمین اور آسمان کے قلابے ملائے کجا قصہ عقبہ اور کجا حضرت مذلیفہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علامت اتفاق بتانا اور کجا حضرت عمرؓ کا اپنے باب میں دریافت کرنا۔ قصہ عقبہ کا تو ذکر جواب ستم میں یہ تفصیل تمام مذکور ہے نہ اس بارہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مذلیفہؓ کو اسماء منافقین بتائے اور نہ حضرت عمرؓ نے کچھ ان سے اپنے باب میں پوچھا بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بطور اہل کلمہ کے حضرت مذلیفہؓ کو علامت اتفاق کی فرمائی تھی تاکہ وہ معلوم کر لیں اور حضرت عمرؓ کا ان سے اپنے لیے پوچھنا یہ کمال حضرت عمرؓ کے خوف خدا اور کمال ایمان پر دلالت کرتا ہے لَوْ اَنَّ الْاِيْمَانَ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اور بدرجہ غایت تعوی و پرہیزگاری پر دلالت کرتا ہے کہ اگر حسب اتفاق کوئی مجھ میں برائی ہوگی بھی تو اس کے لیے اصلاح و استیصال کے ہوں گے یہ سائل کی فطرت میں کہ تین قصوں کا ایک قصہ بنا دیا تاکہ ناواقف و صوف کے میں کہائے چنانچہ مدارج النبوة میں حضرت مذلیفہؓ کے فضائل میں لکھا ہے اور اس کو قصہ عقبہ سے کچھ علاوہ نہیں۔

وہذا عبارة مدارج النبوة بالاختصار مذلیفہ
ایمانی کنیت ابو عبد اللہ از کبار صحابہ است
صاحب سر رسول اللہ پروردگار و وی سلم
منافقین تعلیم کردہ بعد از ان حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور صفات اتفاق را مانیدہ بود و
اشخاص منافقان و اسماء ایشان را کہ کلام
اندر بود عمر کہ سوال میکرد اور از حدیث فتنہ
و سوال میکرد از علامات اتفاق و میگوید کہ
یک بارے پر سید عمر از مذلیفہؓ آیا چیزیکو سے
یعنی تو از علامات اتفاق در من گفتی
یہ ستم میں کون کون میں حضرت عمرؓ ان سے
فتنوں کی حدیث کے متعلق پوچھا کرتے تھے کہ
اتفاق کی علامات کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ
حضرت عمرؓ نے مذلیفہؓ سے پوچھا کہ کیا اتفاق کی علامت
میں سے کوئی میرے اندر بھی آپ پاس میں؟ فرمایا میں آپ
میں کوئی علامت اتفاق نہیں دیکھتا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ سائل نے دھوکہ بازی کر کے کیا جوتی سے کان گناٹھے تھے پھر کیا ہوا۔

جاء الحق وذهب الباطل

(حضرت خذیفہؓ کو منافقین کے نام اور علما کا یہ بتلائی تھیں۔)

جانتا چاہیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خذیفہؓ کو منافقین عہدہ ہی کا نہیں بتایا بلکہ تمام منافقوں کے نام بتائے اور چند نشانیاں بطور کلیہ جیسے کہ حدیث میں منافق کی وارد ہوئی ہیں اِذَا حَدَّثَكَ كَذِبًا وَافَا وَعَدًا خَلَفَ (منافق جب کہتا ہے جھوٹ کہتا ہے جب وعدہ کرتا ہے خلاف وندی کرتا ہے اور جھگڑاتا ہے تو گالی بھی دیتا ہے۔)

(بخاری ص ۱۱۱ مسلم ص ۵۶)

ہے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے۔) فرمائیں تا دم مرگ منافقین کو پہچان لیں حضرت عمرؓ کا ان سے اپنے باپ میں دریافت کرنا عین حقانیت و پاک طینتی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انہوں نے بطبع اصلاح اپنے حال کو دریافت کیا نہ بوجہ شبہ کیونکہ وہ لوگ بسبب کمال عرفان ذات باری کے باوجود ہزار ہا بشارت کے ہر وقت اسی شان بے نیازی سے لرزاں و ترساں رہتے تھے کہ مہار کوئی خرابی نہ مانی خلافت مرضی ربانی ہم میں ایسی نہ ہو کہ جس سے انحطاط مرتبہ کا ہو جائے۔ حضرت خذیفہؓ کے جواب سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی علامت نفاق کی نہ تھی اور بایں وجہ حضرت خذیفہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی قبول کی فقط (یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی)

سوال بست سوم از جانب شیعه (بسنہ حدیث و طلاس)

حضرت عمرؓ نے آخری وقت میں پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وصیت کرنے سے یوں منع کیا۔

جواب سوال بست سوم: حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کرنے سے کہاں منع کیا ہے اور ان کی کیا مقدور تھی جو منع کرتے اٹنا طوفان بھی کہیں سنا ہے پہلے تو آپ ہی فرمائیں کہ وہ وصیت ہی کب تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور العمل کے طور پر کچھ لکھوانا چاہا تھا چنانچہ یہ ارشاد اَلْكَتُبُ لَكُمْ صَعَابًا لَنْ تَصْلُحُوا بَعْدِي اس پر

شاید ہے اس لیے کہ اس کا اصل ماقبل سمیت یہ ہے کہ دراست قلم لاؤ ایسی کتاب لکھو اور جو تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو مگر اس وقت آپ کو مرض کی شدت تھی کسی نے یہ سمجھ کر کہ کتاب اللہ کے بعد شہادت آیت وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر چیز کو بیان کرے والی ہے)

اور نیز بدستار یہ حدیث ثقیلین جس کے الفاظ اور معنی جواب سوال سوم منجملہ سوالات اربعہ میں مرقوم ہے اہلکس چیز کی حاجت ہے۔ یہ رائے دینی کہ کیا حاجت ہے کہ ایسے وقت میں یہ تکلیف دی جاتی ہے آپ بوجہ کمال شفقت فرماتے ہیں بطور ایجاب نہیں فرماتے کسی نے امثال ارشاد کو مقدم بھی آخر کار حضرت عمرؓ بھی یہ بولے جتنا کتاب اللہ (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علیؓ کی رائے حضرت عمرؓ کے موافق ہو گئی)

سو حضرت پھر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اسے برقرار رکھا اور حضرت امیرؓ نے بھی اسی رائے کو عمدہ سمجھا نہ حکم ایجابی ہوتا ہے۔ اور رائے لکھوانے کی) ناپسند ہوتی تو جناب رسالتؐ کو بھگم کیا یہاں الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (اے رسول تبلیغ کیجئے ان امور کی جو آپ پر رب کی طرف سے نازل کئے گئے ہم ضرور اس کام کو کر کے چھوڑتے اور حضرت امیرؓ درت قلم لے آتے بافرمانوں کے زمرہ میں داخل نہ ہتے بہر حال حضرت عمرؓ کے اتنے کئے سے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹ سکتے ہیں نہ حضرت امیرؓ کی رستگاری مقصود ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہم یہی کہیں گے سب حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی ہیں اس رفاقت پر تو خیال کرو کہ خدا کا خلاف کیا (بقول شیخ) پر حضرت عمرؓ کا خلاف نہ کیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ کا اتنا پیارا ہو کہ اس کے سامنے خدا کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوں پھر تم کس منہ سے بدلے کہتے ہو استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

شاید یہ پیارا اور محبت اس وجہ سے ہو گا کہ آخر کار داماد مرنوی ہونے والے تھے۔
(تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ)

اکثر ایسے مقام ہیں میں اکثر حضرات شیعہ وہ عذر تقیہ جس کو عذر گنہ بدتر از گناہ کہتے ہیں پیش کیا کرتے ہیں سو یہ مار جانے کی باتیں ہیں تقیہ کی زد سے تو کلام اللہ بھرا ہے پر تقیہ کا اثبات

کہیں نہیں دوچار دلیلیں تقیہ کے ابطال کی بہت بسط کے ساتھ ہر یہ الشیعہ میں بھی موجود ہیں اگر
 طلب حق ہے تو دیکھنی لازم ہیں باقی بعت و ضرورت تو اوراق گذشتہ میں بھی مذکور ہو چکا ہے ۔
 بایں ہر حضرت رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ نے تقیہ کیا تو کیا بشرتے اگرچہ شیعوں کے
 طور پر خدا سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں اور کم بھی ہیں کہ اتنے نہیں کہ تقیہ کی ضرورت ہو چنانچہ علم
 کی یہ وسعت علم ماسکان و مایکون ہو گئی اس پر شاہد ہے اور قدرت کی یہ زور کہ درخبر حضور
 آسمانوں کو ہلا ڈالیں پر یہ تو فرمائیے کہ خدا تعالیٰ نے بھی تقیہ ہی کیا جو چپ چاپ ہو کے بیٹھ رہے
 پھر خبر ہی نہ لی کہ ہمارا حکم امت محمدی کو پہنچا یا نہیں ۔ میں پوچھتا ہوں اگر حکم مشرک الیہ پہنچ چکا تھا ۔
 تو حضرت عمرؓ کی یہ گزارش ایسی تھی ۔

(حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ادب اراکم کی خاطر یہ کہا)

جیسے حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں لفظ رسول اللہ کے مٹانے
 کو فرماتے تھے اور نہ مانا تمہیں کہو ایسے حکموں کا نہ ماننا بے ادبی ہے ؛ یا عین ادب ۔ اگر آپ کی
 والدہ ماجدہ خدا نخواستہ بوقت شدت بیماری آپ کے اس بات کی خواستگار ہوں کہ تم میرے
 کام میں ہی کروں گی تو گویا ان کا ارشاد بوجہ محبت مسی پر کیا آپ کی ہی سعادت مندی ہے کہ بے
 ضرورت ان سے کام لینے کو تیار ہوں ۔ اگر حضرت عمرؓ کی اس عرض کو بھی اسی قسم سے سمجھ لیتے
 تو کیا گناہ تھا بہت ہو گا تو اتنا ہو گا کہ ایک ممدوح خدا کی بات بنا دیتی تم ہی کہو یہ بات بری ہے
 یا بھلی اگر بری ہے تو پھر اس کا کیا جواب کہ اگر عمرؓ ایسے تھے تو خدا نے کس مجروحہ پر تعریف کی تھی
 اور کہا تھا ۔ والذین معہ اشذوا علی الکفار الخ ۔ والذین الاولون الاۃ ۔ الذین
 امنوا واصلحوا الخ یوم لا ینخذی اللہ النبی الخ

(قلم دوات لانا ٹھروالوں کا کام تھا ۔)

ہاں اگر یہ معنی اور یہ احتمال اس احتمال سے عمدہ نہ ہو جب ہی کہو آپ ہی فرمائیں اول
 تو وصیت کو اس سے کیا علاقہ اکتب لکھو کتابا لن تضلوا بعدہ ی ۔ پھر کئی روز حضرت

یقیناً حیات سب سے حضرت عمرؓ کیا اسی ور کے دربان تھے جو نہ ملے اور گنجائش نہ ملی پھر جاکے خطا سب
 تو پہنے تیمار داروں کی نسبت ہوا کرتے ہیں جو کار خدمت ہوا کرتے ہیں اہل و عیال کو کہا کرتے
 ہیں۔ آگے جانے والوں غیارت کرتے والوں کو کوئی نہیں کہا کرتا یہ حضرت علیؓ کا کام تھا
 انہوں نے کیوں نہ کہا۔ حضرت عمرؓ نے بھی انہیں ہی دیکھ کر ان کی پیروی کی سو اس میں کیا برائی
 ہے اگر حکم مذکور قبل ارشاد مذکور اعمیٰ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ امت کو پہنچانہ
 تھا اور پھر بدستور بات وہ نہیں ہے تو یہ دور تک پہنچتی ہے تمہارے خیال کے موافق نہ
 حضرت امیرؓ پچیس نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس نہ خود خداوند کریم سالم ہیں نعوذ باللہ
 من هذا المذهب۔ اے مذہب پر کیا کموں تم سمجھ جاؤ۔ اور اگر یہ وصیت ہی تھی اور
 وصیت بھی خلافت ہی کی اور آپ کو اس چھپرے پھاڑ سے غرض یہی ہے تو آپ کو یہ الہام
 کیونکر ہوا کہ حضرت علیؓ کے لیے وصیت تھی ہم کہتے ہیں حضرت ابو بکرؓ کے لیے لکھواتے تھے
 چنانچہ حدیث ویابی اللہ ویبفع المؤمنون جو سوال اول کے جواب میں مرقوم ہو چکی۔
 اس پر شاہد ہے اس سے زیادہ تفصیل منظور ہو تو کچھ اوراق گذشتہ کو پلٹ کر مطالعہ فرمائیں یا
 ہدیہ اشیعہ کو مطالعہ سے مشرف فرمائیں۔ پر غور کی حاجت ہے انصاف کی ضرورت ہے
 فہم و فراست بکار ہے ورنہ ہوتا اشیعہ کیا چیز ہے وحی آسمانی بھی بے کار ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(قرآن و سنت اور اہل بیتؑ کے شیعہ کی محرمی)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب وصیت کی اور حضرت عمرؓ نے کہاں منع کیا
 کچھ پتہ تو کیا ہوتا ہے کہ باوجود بزرگم خو مجاہدان عزت ہونے کے خدمت قرآن سے
 تو بدولت حضرت عثمانؓ کے محروم ہے اور اکثر اشخاص عزت سے بدولت

عقیدہ فاسد و پائے کے اور قرطاس آخری سے بدولت حضرت عمرؓ کے محروم ہے یہی تین چیزیں
ہدایت کی تھیں انہیں سے محروم ہو کر خسر الدنیا و الآخرة ہو گئے افسوس ہے کہ ان کے لیے کوئی صورت
ہدایت کی نہ ہوئی وادی جہل میں ٹکراتے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کسی کی کیا خطا خیال
خام کو مقتدی و مشواہت نے گایہ ہی غم ہے وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (پک الجہنم)
چونکہ حضرت عمرؓ کی رائے اکثر امور میں موافق وحی کے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ چند قصص سے معلوم
ہوتا ہے اگر اس مقدمہ میں بھی خیل ہو گئی تو کیا برا کیا پروردگار ہی نہیں ہے۔

اور اگر نہیں مانتے تو حضرت علیؓ نے اَتَخَلَّفُنِي فِي السَّيْرِ وَالْحَيَاتِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ (ترمذی ص ۱۲۸)
کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں جا شین بنا کر چلا رہے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ
بیچانے پر کیوں فرمایا باوجود حد و حکم کے غم کیوں نہ ہے اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرض
لے کر ساتواں اہل بیت میں سے مرتبہ کو قابل اتباع مانا اور چہر ان کے تجزیہ کرنے وجہ سے اہل بیعت محروم ہے اور آخری جگہ خدا امام العصر
تر ۱۲ سال سے نائب ہیں اور شیعوں ان کی اتباع و ہدایت سے یکسر محروم ہیں قاضی نور اللہ شوشتری نے مجالس المؤمنین ص ۲۲
میں شیعوں اہل بیت عزت کو کہتے ہیں ہذا کہ ہے قرآن نقل کر فرما بشر اذا الْعَاوِي تَبَاعَ نَاصِيَةً بِمَا ذُهِبَ
فَعَاوِيٌّ مِنْ اَبْنِهِمْ - وَكَانَ الْكَلْبُ خَيْرًا مِنْهُ طَبْعًا - لِاَنَّ الْكَلْبَ طَبَعَ اَبِيْهِ فِيْهِ -
حضرت علیؓ کی اولاد جیسے سنی مذہب پر چلے تو وہ اپنے باپ کی نہیں۔ اس سے تو کتنا مزاج کے لحاظ سے اچھلے کوئی
اس میں اپنے باپ کی عادت پائی جاتی ہے۔

سلف اہل سنت عیب جہتی اور غزوہ گیری کی نیت سے کسی شخصیت کا مطالعہ نہیں کرتے ورنہ شیعہ ذہن سے ذرا کام
لیا جائے تو ان کے مجموع آفاق اکابر بھی ایسے الزام سے بچ نہیں سکتے مجبوراً چند مثالوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے
۱۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعیل نہ کی و قصہ میر
عمدة البیان ص ۲۲۲)۔ حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ میرے ذمہ جو لوگوں کی امانتیں ہیں اور اگر کے میرے
اہل بیت کو مہاجر کے کہ مدینہ آنا لیکن انہوں نے سرنجامی نہ کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت اور احوال
کو ۵ درجہ اور دو اونٹ دیکر مدینہ سے مکہ کو نہایت ادا کر کے کی خاطر بھیجا اور عبداللہ بن ابی بکرؓ اہل بیت کو مہاجر
لے کر مدینہ پہنچے و شیعوں حضرات کی کتاب سیر اللہ ص ۱۵۱)۔ ۲۔ حضرت فاطمہؓ کو اپنے فرمایا میں سفر کو جاتا ہوں۔
میرے آنے تک جو تمہارا بیٹا ہونے والا ہے اسے دودھ نہ دینا مگر حضرت فاطمہؓ نے تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھکا

مصلحت و رفع مشقت امتیوں کی بمشورہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تو بار کیوں حکم الہی انسان
میں رد بدل رکھا اگر ایسے امور خدا نخواستہ رو مخی ہوتے تو خدا اللہ انبیاء علیہم السلام سب سے اول اس گناہ
میں شامل ہوتے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا فرمانا بخیاں و قہامت اور آرام رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم تھا جیسا کہ خود حضرت نے بسبب شفقت و محبت امت مذنبہ کے کیا۔

سوال بست کو چہارم از جانب شیخ

بیمار پر آخری وقت میں وصیت کرنی واجب کیا نہیں اور خصوصاً غیر مذہب پر؟

جواب سوال بست چہارم

بیمار کے ذمہ پر کسی کا لینا دینا ہو تو وصیت واجب ہے نہیں تو نہیں۔ پر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں جو وصیت فرماتے اور جو کچھ تھا اس کی نیت ثابا
ما نحن معاشر الانبياء لا نؤدث ما
تمسكنا صدقه (بخاری ص ۲۶۶) (رد المحتار ص ۲۶۶) (ترغیب ص ۱۹۴)
صدقہ بن باتا

باقی دربارہ دین بست سی وصیتیں فرما گئے ہیں بخدیجی ہیں۔

كَلِّ اقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي اَلَيْ بُكْرٌ مَعَكُمْ
رہے بعد و شخصوں ابو بکر اور عمرؓ کی پیروی کرنا
(ترمذی ص ۲۰۶) ازالہ الخمار ص ۸۹ بوالاستدراك حاکم
فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ
(تم پر لازم ہے کہ میری سنت پکڑو اور میرے
الراشدين المهديين۔ (الرد المحتار ص ۲۸۴)
بعد خلفاء راشدین کی۔)

باب فی لزوم السنۃ ترمذی ص ۲۱۱

مَا اِلٰى تَارِكِكُمْ الشَّقِيْنِ الْمَرْسُومِ (میں تمہارے اندر دو بجاری چیزیں چھوٹے جبار ہوں)

بقیہ حاشیہ

کے آنے کی انتظار کی جب آپ تشریف نہ لائے تو حضرت فاطمہؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو دو وحود دیا آپ ہی بتلائی
کہ حضورؐ کے حکم کی تعمیل ہوئی یا نہ (جلال العیون شیعہ) ۲۴ مہر محمد ۲۴۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ نے
وصیت فرمائی تھی کہ اے حسن و حسین! لا تخلوهاما بصیتیم یعنی جیسا کہ تم زندہ رہو مگر معطل سے نہ نکلتا مگر ابلاغ
۱۲ کیا آپ نے مکہ کو خالی کر کے شہید ہو کر اپنے والد کے ارشاد کی تعمیل کی ۹-۱۲ مہر محمد۔

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا
قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

(مسلم ص ۲۱ بخاری ص ۶۲)

جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(تفسیر مارک (بقول کی آیت وصیت میں ہے)

۱۰ (کُتِبَ) فُرِضَ رَعَيْتُكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ
الْمَوْتَ) اِیْ اِذَا دَنَا مِنْهُ فَظَهَرَتْ لَمَارَتُهُ

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا مَّا اَوْ كَثُرَ اِلْعَا رُوعِي

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اِنْ مَوْلَى لَهُ

اَرَادَ اَنْ يُوَصِّيَ وَلَهُ سَبْعُمِائَةِ فَمَنْعَهُ

وَقَالَ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: اِنْ تَرَكَ خَيْرًا

وَالْخَيْرُ هُوَ الْعَالُ الْكَثِيرُ وَلَيْسَ لِلْعَمَالِ

وَفَاعِلٌ كُتِبَ (الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَ

قَرَبِينَ) وَكَانَتْ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ فِي

بَدْرِ الْإِسْلَامِ فَفُتِحَتْ بِأَيَّةِ الْوَارِثِ

كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي شَرْحِ الْمَنَارِ، وَقِيلَ

هِيَ غَيْرُ مَنْسُوخَةٍ لِأَنَّهَا نَزَلَتْ فِي

حَقِّ مَنْ لَيْسَ لَوَارِثٌ بِسَبَبِ الْكُفْرِ

لِأَنَّهُمْ كَانُوا أَحَدِيثِي عَهْدٍ بِأَلِ

سَلَامٍ يَسْلُبُ الرَّجُلُ وَلَا يَسْلُبُ الْوَاهُ

وَقَرَأْتُهُ وَالْإِسْلَامُ قَطَعَ الْوَرِثَ

فَشَرَعَتِ الْوَصِيَّةُ فِيمَا بَيْنَهُمْ قَضَاءً

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے
اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

یعنی تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے

کسی کو موت آئے اور نشانیاں ظاہر ہو جائیں اگر

وہ مال چھوٹے (یعنی) مال بہت کیونکہ حضرت علیؓ

سے روایت ہے کہ ان کے آزاد کردہ غلام نے

وصیت کا ارادہ کیا کہ میں درہم اس کے پاس تھے

تو آپ نے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ

بہت مال چھوڑ کر مرے (تب وصیت کرے)

تیرا مال زیادہ نہیں کتب کا فاعل الوصیہ ہے کہ

فرض کی گئی ہے مال باپ کے لیے اور رشتہ داروں

کے لیے۔ وصیت ابتدائے اسلام میں (لازم)

تھی تو آیت وراثت سے منسوخ ہو گئی جیسا کہ

ہم نے شرح منار میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا

ہے کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے

حق میں اتنی جن کا کفر کی وجہ سے کوئی وارث

نہ بن سکتا تھا کیونکہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے

تھے ایک شخص مسلمان ہوتا تو اس کا باپ یا شریک

مسلمان نہ ہوتے اور اسلام نے ان کو وراثت سے

محروم کر دیا تو وصیت اسی دوران جائز کر دی گئی

لَحَقَّ الْقَرَابَةُ فَدَبَّاهُ عَلَى هَذَا لَا يَدْرُ
بِكُتُبٍ فِدْرَضٍ (تفسير دارک میچ ۹۲)

ناکر بطور استجاب ششہ طریقی کا حق ادا کیا جائے اس وقت
میں کتب سے فرض (فرض کیا گیا ہے) ملو نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ وصیت مال کثیر میں جاری ہوتی ہے اول تو حضرت کے پاس مال ہی کہاں تھا
اور پھر کثرت کی بھی شرط۔ اذافات الشروط - اور بایں ہمہ ہم یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواہ مال قلیل تھا یا کثیر اس کو تو وہ صدقہ کمرہ ہی چٹکتے تھے چنانچہ محض معاشر
الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقہ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے بایں وجہ مدعی کا دعویٰ
وراثت بھی غلط اور وصیت بھی کس جگہ جاری ہو۔

(حضور علیہ السلام کی مروت و کمالات)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ چند اشیاء چھوڑی ہیں جو اس حدیث سے ثابت
ہوتی ہیں۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا عَبْدًا
وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا إِلَّا بَعَثَهُ الْيُسُفَاءَ
وَسِلَاحَهُ وَأَيْضًا جَلْبَا حَقَّةً

دی تھی۔ (بخاری ص ۳۸۲)

(حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی)

اور وصیت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح ثابت نہیں۔ کیونکہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

مَنْتِي أَوْصِي إِلَيْهِ وَقَدْ كُنْتُ
مُسَدِّدَةً إِلَى صَدْرِي أَوْ قَالَتْ حَبْرِي
قَدْ عَايَا لَطُفًا فَلَقْتُ رُحْنًا فِي
حَبْرِي فَمَا شَعُرْتُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ
فَمَنْتِي أَوْصِي إِلَيْهِ۔

(حضرت علیؑ کے نام آپ کے کب وصیت کی
علائقہ آپ میرے سینے کے ساتھ یا میری گود میں
ٹیک لگائے بیٹھے تھے ایک حال
تھا آپ کی روح مبارک میری گود میں قبض ہوئی مجھے
پتہ نہ چلا آپ وفات پا گئے تو کب حضرت
علیؑ کو وصیت کی تھی۔)

(بخاری ص ۳۸۲)

خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت کا پتہ بھی نہیں ملاں دو تین باتیں بطور وصیت
 عامہ فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مشرکین کو عبزیرہ عرب کے نکال دینا۔ دوسری کہ جو جماعت وفود کی
 نمائندے پاس آئے اس کی خاطر داشت کرنا اور جائزہ سے پیش آنا جیسے میں پیش آتا تھا۔
 تیسری وصیت راوی سے فراموش ہو گئی غالباً وہ مجھ پر پیش اسامہ تھی ملاں بالخصوص حضرت علیؑ کو
 علیہ الصلوٰۃ علیہ میں ہر سال انجیہ کا فرمایا کہ تم میری طرف سے کرو یا کرو چنانچہ امیر المومنین تادم زیست اس
 پر قائم ہے اگر کوئی اور بھی وصیت در باب خلافت ہوئی کیا ایسی بڑی وصیت کو چھوڑ دیتے
 اور ہر وقت خلافت بخین مدعی نہ ہوتے یہ بات ان کی غلط فہمی اور بلند ہمتی سے جید ہے کیا
 حدیث مَنْ قَتَلَ دُونَ حَقِّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ بھی یاد نہ ہوگی۔

سوال بست و پنجم از جانب شیعه

اس وصیت کی تحریر نہ ہونے سے اسلام میں رخنہ واقع ہوا یا نہیں

جواب سوال بست و پنجم

(عدم تحریر سے اسلام میں رخنہ نہ پڑا ملاں مذہب شیعه ضرورتاً ثابت ہوا۔)

اول تو ارشاد مبارک الیہ یعنی اکتے لکھو کتاباں تصلو ابعدی وصیت نہیں۔ اور دہاویہ دین
 وصیت کیسے تو کچھ رخنہ نہیں پڑا ملاں کلام اللہ باقی نہ رہتا یعنی سنی یاد نہ کرتے اور شیعوں کی طرح
 اس کے عوض مرثیہ کتاب سوز لودہ مقرر کر لیتے تو البتہ دین میں رخنہ پڑ جاتا کتاب مفصل کے
 ہوتے کتاب مجمل کی کچھ ضرورت نہیں ملاں یہ کیسے شیعہ بگڑ گئے مگر جیسے احوال دیکھئے ایک کے
 دو نظر آتے ہیں اور وقت هجوم استفراغ لڈو پیڑے بھی نہیں بھالتے۔ حضرت عمرؓ کی ایسی
 اچھی بات جو خدا اور رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر سب کو پسند چنانچہ عرض کر
 چکا ہوں شیعوں کو بڑی ملگتی ہے سو یہ ان کا قصور ہے حضرت عمرؓ کا قصور اور وصیت کے
 نہ لکھنے کا قصور نہیں جیسے احوال کا قصور ہے اس شے کا قصور نہیں مروجہ کا قصور ہے
 لڈو پیڑوں کا قصور نہیں۔ یہاں بھی شیعوں کی آنکھوں کا قصور ہے اور ذوق و فہم کا فتور نہ دین
 میں رخنہ نہ حضرت عمرؓ کا کچھ گناہ غرض جیسے یہاں لڈو پیڑوں میں کچھ رخنہ نہیں پڑا ملاں دین میں کچھ
 رخنہ نہیں پڑا۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

سنیوں کے اسلام میں تو کچھ رخنہ واقع نہیں ہوا مگر ہاں جو تحریر ہو جاتی تو آلہ ہدایت کا شیعوں کے بھی ہاتھ آ جاتا یوں چوبیس کی طرح کورے گھڑے میں نہ رہ جاتے اے حضرات امایہ قرطاس وصیت نہ ہونے پر اتنے کیوں بگڑتے ہو سنیاں سلمہم اللہ تعالیٰ کو اس وصیت قرطاس کی حاجت بعد واقع غدیر کیا تھی جنہوں نے بزعیم شیعہ ہزاروں کے سامنے کی بات کو چھپایا ان سے ایک کافہ کا خلاف نہ ہو سکتا نعوذ باللہ من هذه المفوات۔

اور اس وصیت کی تحریر کے نہ رخنہ انداز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام احمد سے روایت ہے
 عَنْ سَفِينَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى (حضرت سفینہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْخِلَافَةُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ هُوَ فَرَمَاتے ہیں خلافت
 ثَلَاثُونَ عَامًا ثُمَّ يَكُونُ بَعْدُ تیس سال ہوگی اس کے بعد حکومت ہوگی۔
 ذَلِكَ الْمَلِكُ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ رَزَقِي (۲۵)

فرمایا علماء ہمارے نے کہ تیس برس تک خلافت خلفاء اربعہ اور امام حسن تھی اور بعض
 بعض روایات میں ثلثہ یكون ملکہ اجبریہ ہے۔

معلوم ہوا کہ بالفرض اگر حضرت مکہ بھی دیتے تو کیا ہوتا بعد خلافت کے ملک جبریت کا

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خلافت علی متہلج النبوة تیس سال تک ہوگی اور یہی خلفاء کے ذاتی مناقب و فضائل کی حیثیت کے در نہ رعایا میں امن و امان اور استحکام خلافت کے لحاظ سے ۲۵ برس حضرت عثمان غنی کی شہادت تک رہی پھر قتن کا دور شروع ہو گیا۔ مگر اس کے بعد جو خلافت ہوگی اس میں باقی صفحہ ۴۵ پر

ترطہ ہو رہا ہے تھا کہ جس کی خبر اتنی مدت پہلے حضرت نے بطور پیش گوئی فرمائی غرضیکہ نہ کھسے جانے سے بھی جب تک خداوند تعالیٰ نے چاہا بات سنی رہی سب باہم شیر و شکر کی طرح چلتے رہے اور جب کسی قسم کا فتنہ اور فساد منظر ہوا صد آیات قرآنی اور احادیث رسول سبحانی در باب اتحاد امتلاف فی ما بین کے کھسے رہ گئے ایک وصیت چھاپری کیا بگاڑ کرتی۔

سوال بہت و ششم از جانب شیعہ

مؤمنین اور دیگر صحابہؓ نے حبش اسامہ سے تخلف کیا یا نہیں باوجود تاکید استحضار غیر خدا کے۔

بقیہ حاشیہ :- ملکیت کی آمیزش بھی ہوگی اور وہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوت سے ٹم درجہ ہوگی یا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت ہی نہ تھی مطلق العنان بادشاہت اور حکومت مبنی کیونکہ بعض دفعہ مرتبہ کمال کی نفی کو اصل چیز کی نفی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے احادیث میں آتا ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے نہیں ہوتی، اور بے امانت آدمی کا کوئی ایمان نہیں ہوتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی خلافت عادلہ کے سلسلہ میں مرفوع احادیث بھی آئی ہیں چند یہ ہیں۔
 اللہم اجعلہ ہادیاً مہدیاً و اھدیہ ہذا
 اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا
 بنا اور اس سے لوگوں کو ہدایت دے۔
 حدیث حسن (ترمذی ص ۲۲۵)

اللہم علّمہ الکتاب و الحسب و مکن
 لہ فی البکاد و الطیرانی مجمع الزوائد ص ۳۵۶
 اے اللہ اسے کتاب اللہ اور حساب (محاسبہ) سکھائے اور اسے
 شہروں میں اقتدار عطا کر۔

یا معاویہ ان وکیث امر فائق اللہ و اعدل
 وفی روايته اذا ملک فحس (تطییر الجنان ص ۱۵)
 اے معاویہ اگر تو حاکم بن جائے تو اللہ سے ڈنا اور عدل
 کرنا اور ایک ہدایت میں ہے کہ عیب تو بادشاہ بنے تو عہد سلوک کرنا۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث یہ ہے کہ امت کے انتظام کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا پھر خلافت اور رحمت ہوگی پھر سرداری اور رحمت ہوگی پھر اس کو کاٹ کھٹنے کے لیے قبیہ حمیر کی طرح بادشاہ لڑیں گے تم پر اس وقت جب باد ضروری ہوگا (رواہ الطبرانی رجالہ ثقات) تطییر الجنان ص ۱۶۔

اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بادشاہی اور حکومت، صاف، عادلہ اور ظلم سے پاک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخندہ ص ۱۶ پر رقم لکھتے ہیں، بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ پر

جواب سوال بست و ششم

شیخین حضرت اسرار کے ساتھ گئے نہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ سونچین کے نہ جانے کی

آپ کو وجہ چاہیے وہ ہم سے وہہ لیجئے پر پہلے یہ آیت سن لیجئے۔

تو محمد کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول
پر ایمان لائے اور جب کسی ہنگام میں اس کے ساتھ ہوں
تو جب تک اجازت نہیں ملے نہیں سوا اگر وہ لوگ
اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو جسے چاہو اجازت
میں دو اور ان کے لیے اللہ سے دعا کی حضرت
کر و بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَإِذَا كَانَ أَمْرٌ عَلَىٰ أَهْلِ جَمَاعَةٍ لَّهُمْ
يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ إِنْ الَّذِينَ
يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ
شَأْنِهِمْ فَاذْنُ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اس آیت میں ارل تو ان لوگوں کی تعریف ہے جو بے اجازت ملے نہیں پھر تعریف
بھی کیسی کہ سوا ان کے کوئی مومن ہی نہیں اس کے بعد خداوند کریم اپنے رسول سے ان کی سفارش
کرتا ہے اجازت کی بجا اور استغفار کی بجا۔

حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے اجازت لی۔

اب ہماری یہ غرض ہے کہ شیخین نے حضرت اسرارؑ کی معیت میں تفسیر نہیں کی حضرت ابو بکرؓ

بقیہ حاشیہ

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت معاذ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محترم اور بڑے صاحب فضیلت
صحابی تھے اور صحابہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے کبھی ان
کے حق میں یہ ظنی نہ رکھنا اور آپ کی بدگوئی کے ورطہ
ضلالت میں نہ پڑنا تاکہ حرام کام کے ارتکاب سے بچیں

تبلیغہ باید دانست کہ معاذ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ازواج
آنحضرت ابو و صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت
در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نہ ہمارا در حق او سوء ظن
نکھی و در و طر سب او ذافتی تا سر تک حرام نشوئی۔
دیکھو ابدالیت صحابہ کرام ص ۳۱۹ مولفہ حضرت سیدہ نوحی

صدیق بنے اور حضرت عمرؓ کے لیے اجازت لی حضرت عمرؓ کے لیے اجازت کا لینا صاف صدیقوں میں موجود ہے اس پر اپنے لیے اجازت کو قیاس کیجئے آخر اتنا تو آپ بھی سمجھے ہوں گے کہ اگر زنجوول اور دھینگا دھینگی ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضرت عمرؓ کے لیے اجازت ہی کی کیا ضرورت تھی خلیفہ ہو کر اجازت مانگنا اطاعتِ اسماءؓ پر قیدِ دلالت کرتا ہے اتنا تعزیر بنانا حُبِ اہل بیت پر دلالت نہیں کرتا مگر ثیرہ پڑھنا سننا غمِ حسینؑ کی خبر نہیں دیتا پھر جس شخص کو باوجود اس ویدہ بخلدفت کے کہ (اس میں) حضرت امیر جیسے شیر خدا کو بھی تقیہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت اسماءؓ کی اطاعت اس قدر منظور ہو اس نے اپنے واسطے بھی ضرور ہی اجازت لی ہوگی (تحدیثاً مشیرہ مہم ہوا) بعد ازیں یہ گزارش ہے کہ آپ کو اجازت لینے میں کلام ہے تو اس کا جواب تو بحوالہِ احادیث مرقوم ہو چکا اگرچہ طلبِ اجازت میں گفتگو ہے تو اس کے لیے خداوندِ کریم کو راہ ہیں ابھی آیتِ سورت نورؑ ناچکا ہوں اور اگر اس میں غمجان ہے کہ حضرت اسماءؓ نے کیوں اجازت دی تو اول یہ اعتراض شیخین پر نہیں حضرت اسماءؓ پر ہے معذرتاً۔ اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سخت کما اتباع کیا جس کے لیے علمِ بالاس سے ارشاد ہوا ادھر درگاہوں سے پردہ نہ آچکا تھا۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ حاکم بالا دست اگر کسی ملازم کو ایک کام کے لیے نوکری بولے اور پھر اس کام کو آپ ہی مٹو خ کرے اور اس کی جا دوسرا کام سپرد کرے تو کیا پھر بھی وہ نوکری بوجہ تعین نہ کرنے حکمِ اول کے مستوجبِ عتاب رہے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے آخر ایامِ حیات میں ابو بکر کو امامتِ نماز پر مامور فرمایا اول تو (یہ) جواب عام فہم بھی بہت ہے دوسرے لاشاً جوابِ سوالِ اول (یعنی) بہ تقریر امامتِ نماز امامتِ کبریٰ کا تقریر تھا جس کو تلاوت کہتے ہیں اب اس غلامِ خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی خدمت میں اور سولے آپ کے جو صاحبِ اہل انصاف ہوں ان کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ آخر حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو زیرِ حکم ہی تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو ایسی طرح اپنا قائم مقام کیا کہ صاف کہنے سے بڑھ کر چنانچہ آیت **فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيٌ وَلَا تُنْهَرُهَا** اس کے اثبات کے لیے

پریش کی تھی۔ اب فرمائیے حضرت اسامہؓ زیر حکم حضرت صدیقؓ مہو گئے یا انور حضرت صدیقؓ
 ہی زیر حکم اسامہؓ ہے آپ ہی فرمائیے اگر اطلاق نویس وغیرہ ملازمان محکمہ تحصیل جو زیر حکم پریش کار
 بستے ہیں قائم مقام تحصیلدار ہو جائے اور ہوئے جاتے ہیں سب کے نصیب ایسے ہی نہیں ہوتے
 جیسے کسی کم نصیبوں کے نصیب تو کیا اب بھی وہ اطلاق نویس زیر حکم حضرت پریش کار ہی رہا؟
 شیخ صاحب! جب یہ باتیں تو تمہارے آپ سے سمجھ لینے کی تھیں۔ ہمارے افسوس
 آپ ہم سے پوچھتے ہیں اس صورت میں حضرت عمرؓ کے لیے اجازت لینا بھی بتقاضا ادب
 ظاہر امر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی ورنہ حاجت نہ تھی دیکھئے جواب ایسے ہوا کرتے ہیں۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(رجیش اسامہؓ کا اصل واقعہ)

جب اصل اس قصہ کی معلوم ہو جائے گی تو یہ تخت کا خدشہ رفع ہو جائے گا اصل یہ ہے۔
 ۲۶ صفر (۱ھ) روز شنبہ کو حضرت نے لشکر کی تیاری کا حکم بقتال رومیوں کے صادر فرمایا اور پندر
 سہ شنبہ اسامہؓ بن زید کو سردار لشکر کا بنایا اور چار شنبہ کو مرض حضرت کو لاحق ہوا اور روز پنج شنبہ کو
 باوجود علالت طبع شریف اپنے ماتھے سے ایک نشان بنا کر اسامہؓ کو دیا۔ اسامہؓ نے بریدہؓ کو اپنا
 نشان بردار بنایا اور وہ نشان ان کے سپرد کر دیا اور موضع جبرف میں بانتظار اجتماع لشکر کے قیام
 کیا اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور عثمان اور سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن الجراح اور حید
 بن زید اور قتادہ بن نعمان و سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہم نے اپنا سب سامان بمقام جبرف بھیج دیا تھا اور
 خود چلے پہنچے تھے کہ آخر روز چار شنبہ، اول شب پنج شنبہ حضرت کا مرض بڑھ گیا اور وقت عشا
 شب پنج شنبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ نماز پڑھانے کا بنایا چونکہ
 روز شنبہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدسے افادہ ہو گیا جو لوگ کہ پہلے ہی اسامہؓ کے متعین
 ہوئے تھے (انہوں نے) رخصت کیا ہی پھر دوبارہ شدت مرض نے غور کیا حتیٰ کہ جبرف میں
 اسامہؓ کو حالت نزاع کی خبر پہنچی پھر واسماع اس خبر کے حضرت اسامہؓ اور دیگر صحابہ اہل

خیزاں حضرت کے پاس آئے اور نشان و دروازہ حجرہ مبارک پر نصب کر دیا ہر گاہ کہ دفن سے فارغ ہوئے اور امر خلافت کا حضرت ابوبکرؓ پر قرار پایا حضرت ابوبکرؓ نے اسی دم روانگی حبش اسامہؓ کا حکم فرمایا جب وہ حرت تک پہنچے بسبب انتقال حضرت کے بعض قبائل مرتد ہو گئے بعض اصحاب نے حضرت علیؓ کو یہ رائے دی کہ سورجیکہ بغل میں دشمن پیدا ہو گئے میں لشکر نکلیں گا دور دراز بھیجا خلافت مصلحت سے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر مدینہ میں درندے میرا لقمہ کر لیں تو بھی میں خلافت فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کروں گا۔ یعنی حبش اسامہؓ کو نہ واپس کروں گا حضرت ابوبکرؓ نے اجابت اسامہؓ حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلا لیا اور غزوہ ربيع الثانی کو اسامہؓ نے بسوئے اپنی کہ ایک مقام ہے کوچ کیا۔

(حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے طلحہ بن تخلف کا ازالہ)

اب جانتا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف اس بات کا طلحہ ہے کہ وہ حسب ضرورت حضرت تیار نہ ہوئے تو یہ بھی سب غلط ہے کیونکہ وہ سب سالانہ حُرُوف میں بھیج چکے تھے۔ اور اگر ان کی طرف یہ اعتراض ہے کہ بعد وفات کے انہوں نے تجعیز حبش نہ کی تو یہ بھی صریح غلط ہے کیونکہ بسبب ارتداد قبائل عرب کے بعض اصحاب کی تو یہ رائے ہی ہو گئی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے کسب نہ کر کے اسی دم لشکر کو روانہ کیا اور اگر اعتراض حضرت ابوبکرؓ کی طرف تخلف حبش کا ہے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ تخلف ان کا باہر الرسول بخلافۃ الصلوات تھا کیونکہ ایک امر دوسرے ماقبل کا نسخ ہوتا ہے اور یہاں دونوں امور کا تقدم و تاخر واضح ہو چکا ہے اور بعد وفات کے اس وجہ سے تشریف نہ لے گئے کہ تمام امت کے امور کے متولی ہو گئے تھے

۱۰ حبش اسامہ کے سلسلے میں شیعہ نے ایک ظلم عظیم یہ بھی کیا کہ حضور علیہ السلام کی نیک نیتی اور جذبہ جہاد پر اتفاق کا بدترین الزام لگایا ملاحظہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اسامہؓ کو اور اس جماعت (چار ہزار مہاجرین و انصار) کو مجاز جنگ پر بھیجنے سے تھی کہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی منافق مدینہ میں نہ رہے حضرت بہت زیادہ اہتمام اس لشکر کے روانہ کرنے میں کرتے تھے اور ان کو خوب ترغیب اور شوق دلاتے تھے کہ اچانک آپ (مرض) وفات میں بیمار ہو گئے جب منافقوں نے حضور کی بیماری دیکھی تو باہر جانے میں دیر لگائی (حیات اقلوب ص ۵۵۹ ج ۲۰ بیذا العیون ص ۲۹ منہجی الکمال ص ۱۱۱) پھر محمد

اگر ان کو چھوڑ کر وہاں تشریف لے جاتے تو اوّل تو قبائل عرب مرتدین کے ازدحام کا خوف
 دوسرے اختلاف میں رخنہ پڑے تیسرے یہ کہ کوئی مخیر یعنی ہاں پناہ بنا ہے تاکہ وقفہ واعدہ
 استیصال دین کا نہ ہو اور دارالسلطنت بالکل خالی نہ ہو جائے۔

سوال بست و مفتہ از جانب شیعه (سقیفہ بنی سائبین حضرت ابوبکر کا انتخاب)

شیخین اور دیگر صحابہ پیغمبر کو بلا تجیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں واسطے قرار دیا اور خلافت
 کے لیے گئے یا نہیں؟

جواب سوال بست و مفتہ

(خلافت کا بوجھ اٹھانا کا ربوت کی تعمیل تھی۔)

شیخین کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا بغرض نفسانی نہ تھا جو آپ اتنا بڑا مانتے ہیں وہ بھی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام تھا تجیز و تکفین میں حضرت وہ بات نہیں جو سقیفہ بنی ساعدہ
 کے جانے میں پر جیسے کہا کرتے ہیں، دیکھنے کو چشم بینا چاہیے ایسی باتوں کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں
 عقل صائب و ذہن رسا پیسے مگر ہر چہ باد اباد ہم کو آپ کو سمجھانا ہے۔ اللہ اللہ مال کی ملی بنا کر رکھا
 ہیں تیسرے بھی آپ (نہ) دیکھیں تو ہماری قسمت اوفات کھوئے قلم گھسیا کاغذ سیاہ کیا انگلیاں تھکائیں
 اور پھر وہی مرے کی ایک ٹانگ قائم ایہ کیا بات ہے۔ مفتی شیخ احمد صاحب مردہوشیار
 ہیں کہ کہہ رہے ہیں مجھ جانتے گے اللہ تعالیٰ۔

مفتی صاحب آپ سنئے کچھری میں نوکری کر آئے ہیں کچھری کی بات آپ خوب سمجھیں
 گے ایک سرکار کے بہت سے کارخانے (محکمے) ہوتے ہیں پھر ہر کارخانے میں مختلف کام ہوتے ہیں۔
 ہر کام پر ایک جدا نوکر ہوتا ہے دیکھئے کلکٹری کا کارخانہ بھی سرکار ہی کا ہے فوجداری کا کارخانہ بھی
 سرکار ہی کا ہے۔ عدالت کا اسٹم کا، ڈاک کا، نہر کا ایک ہو تو گناؤں سب کارخانے سرکار انگلشیہ
 ہی کے ہیں پھر ہر کارخانے میں دیکھئے کیا کیا کام ہیں ایک کارخانہ میں کوئی تختیلا رہے کوئی پیشکار
 کوئی پٹواری کوئی خزانچی کوئی کچھ کوئی کچھ بیان تاک کہ ایک سٹریسی آسامی محرر آمد محصول فشیات بھی
 ہے۔ غرض مختلف کام ہیں ہر کام پر ایک ایک جدا ملازم تعینات ہیں ہاں کوئی معزز کام ہے

ہلکا، سوایا ہی تجہیز و تکھین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے اور بنانا اور نماز جنازہ بھی آپ ہی کا کام ہے قبر کھودنی بھی آپ ہی کا کام ہے امامت نماز بھی آپ ہی کا کام ہے انتظام خلافت بھی آپ ہی کا کام ہے اس میں گھٹ کر تو قبر کنی ہے اور بڑھ کر امامت نماز اور انتظام خلافت حضرت علیؑ نے تو تجہیز و تکھین کو سنبھالا اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خلافت کا انتظام کیا اس میں تقدیر سے حضرت ابو بکرؓ ہی کو لوگوں نے گھیر لیا اور خلیفہ بنالیا اس میں ان کا کیا قصور وہ بیچائے تو بہت کچھ مانتے ہیں پر ان کے ہوتے کوئی نظروں ہی میں نہ جچا اس کی ایسی مثال ہے کسی بادشاہ پر کسی غنیم نے تلوار چلائی سپاہی کوئی حاضر نہ تھا رعیت کے ایک آدمی نے بغیر خیر خواہی وہ وار اپنے سر پر لیا اور پھر غنیم کا سر قلم کیا۔ بادشاہ قدر شناس تھے اس خدمت کے انعام میں منصب سپہ سالاری پر اسے مامور کر دیا۔ دیکھئے اس شخص کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ میں اور یہ سالار ہوگا پر تقدیر کی اٹا پٹی نے کہاں سے کہاں پہنچایا ظاہر میں خدمت مذکورہ بالا بہانہ ہو گیا۔ سو ایسے ہی ایشاد و تہذیبیت ابو بکرؓ کو خلافت کا خیال تک نہ تھا ان دفع مضدہ مظهر تھا۔

(شیخین کا جانا ہی حضرت علیؑ قریش اور حجاز میں کیئے سود مند ہوا)

اگر یہ دونوں وہاں نہ جاتے تو انصار سعد بن عبادہ کو دخیفہ کر چکتے پھر حضرت امیرؓ کو اول بار ملتی نہ چوتھی بار شیخین چاہے نہ ہو سکتے پر ناشکری کا کیا علاج حضرات شیعہ کس پر بھی نہیں مانتے غرض کار پر وازان تقدیر نے ان کی حسن نیت اور حسن خدمت کے بدلے میں کہ دین کے سر سے شیطان ایسا بھاری وار ٹالا ان کو خلیفہ بنا دیا بایں ہمہ وہ لوگ کچھ خلافت کو ایسا بڑا کام نہیں سمجھتے تھے جس کے واسطے یہ انتظار کرتے کہ فلاں کو آجانے دو اور فلاں کو بھی تشریف لانے دو یہ تو حضرات شیعہ نے غل مجا مچا کر اس کا انتظام کر دیا ورنہ حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکرؓ تو اس کو اتنا بھی نہ سمجھتے تھے جتنے یہاں پٹواری کا یا چوکیدار کا عہدہ ہے جو آپ کو کوئی پٹواری یا چوکیدار بندے تو آپ کیا خوش ہوں گے اور کوئی نہ بنائے تو آپ کیا شکایت کریں گے۔

بہر حال سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا خدا ہی کے لیے تھا اس تجہیز کو چھوڑ کر جانا سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کنس کو چھوڑ کر قبر کھودنے کو جانا سو جیسے اس کام میں لگنے والے کو بوجہ بے غرضی اس کام کا چھوڑ کر چلے جانے والا اور میت کا دشمن کوئی عاقل نہیں سمجھتا یہاں بھی اہل عقل کا فرمایا

انتظام خلافت کو یوں نہیں کر سکتے کہ بوجہ بے غرضی تجنیز و تکفین کو چھوڑ کر چلے گئے اور جو یوں ہی دھینگا دھینگا کی ہے تو یوں ہی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اگر تجنیز چھوڑ کر چلے گئے تو پھر ابھی گئے نماز پڑھی دفن میں شریک ہے، پر حضرت علیؓ انتظام مذکورہ میں بالکل شریک ہی نہیں آئے۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ خلافت اور امامت کیا بڑا کام ہے اور تجنیز و تکفین کو اس سے کیا نسبت ہے امامت تو وہ کام ہے جس پر بقا دین کا مدار ہے اور دین وہ چیز ہے جس کے لیے خاص مولیٰ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بھیجا یہ کام عدم نہیں۔ ہاں مزارینا کفن کا بھی قبر کنی ایسی عام باتیں ہیں جس میں مسلمان کافر نیک و بد سب شریک ہیں سو اگر حضرت ابو بکر صدیق ایک دو عام کام میں (بقول شیعوں) شریک نہ ہوئے تو حضرت علیؓ ایسے خاص کام میں شریک نہ ہوئے جس پر مدار کار دین و ایمان تھا اگر یہ کام درست نہ ہوتا تو دین کا پتہ بھی نہ تھا اور اگر یہ عذر ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی نے پوچھا نہ بلایا تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی کسی نے پوچھا نہ بلایا لے

جواب ثانی از مولوی عبد الصاحب

(مسلمانوں کے لیے والی ناگزیر تھا۔)

جاننا چاہیے کہ تجنیز و تکفین اہل بیت کے متعلق تھے اور تمام صحابہ کرامؓ کا اس میں شریک ہونا

لے طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضور پر جنازہ پڑھا اور صف اول میں تھے شیعوں کتاب حیات القلوب ص ۶۹ اور حلالہ العیون ص ۶۱ میں ہے کہ کلینی شیخ طوسی نے ابنہ حسن حضرت صادق سے روایت کی کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت رسولؐ کو یقیناً میں دفن کریں اور ابو بکرؓ و ام بن کر حضور پر جنازہ پڑھائے لہذا چلا کر شہین یقیناً حاضر جنازہ تھے۔ شیخ طبری نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ دس دس آدمی مجھ میں داخل ہوتے تھے اور بغیر ام کے (بصورت دعا) آپ پر جنازہ پڑھتے تھے ہر کے دن منزل کی رات صبح تک اور صبح سے شام تک حتیٰ کہ تمام چھوٹوں بڑوں مردوں عورتوں مدینہ والوں اور مدینہ کے آس پاس والوں نے تمام لوگوں نے حضور پر جنازہ اسی طرح پڑھی (حیات القلوب ص ۶۱) لے یعنی رفع تن ازہ کے لیے ایک شخص کو بلا کر طے کیا۔ خلیفہ بننے بننے کا پرہیز کسی کا نہ تھا وہاں کی صورت حال سے مجبور ہو کر سب صحابہؓ نے آپ کو خلیفہ چن لیا۔ ۱۲ مہر محمد

لازم نہ تھا۔ پس جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار فانی سے ملک جاودہ والی انتقال فرمایا اور
 مجمع مہمات دینی اور دنیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر موقوف تھے اور کفار بھی بسبب تسلط حضرت
 کے مغلوب تھے اب اگر ان کے بعد کوئی ان مہمات کا متولی نہ ہوتا تو طرفہ العین میں کارخانہ ریاست اسلام
 کا وہ ہم برہم ہو جاتا سالہا سال کی محنت و مشقت رائیگاں جاتی نئے سے نئے کفر کا جھنڈا کھڑا
 ہو جاتا اور شیطان علیہ اللعنت سب کو اپنی راہ لگالیتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو جاتی
 تھی اگر پھر ویسے ہی تاریکی جیل بھیل جاتی پھر کہاں سے آفتاب ہدایت کا نکلتا لہذا ضرور ہوا کہ کوئی
 شخص مجبور و وفات حضرت کے متولی تمام امور کا ہو جائے تاکہ جوں کی توں بات دینی رہے اور ریاست
 و سیاست کا کام بہ طور جاری رہے اس میں اصلاح تمام امت کی معقول و تھی۔ بایں وجہ حضرت ابو بکرؓ
 اور عمرؓ نے اس امر میں مبادرت کی اس لیے کہ تجزیہ و تکفین کی طرف سے تو سب اہل بیت کے بھتر
 ہو گئے تھے اور یہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہی تھی جیسا کہ نائب کا بڑا خانہ عین مدرس
 کی خدمت ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر تجزیہ و تکفین ان پر ہی موقوف ہوتی تو بھی بوجہ اہل بیت
 مذکورہ بالا امر خلافت میں مبادرت کرنی ضرور تھی پس جس حالت میں تجزیہ و تکفین کے متولی دیگر
 شخص ہوں تو ان کا امر خلافت میں مبادرت کرنا اولیٰ ہوا۔

(اگر انتخاب خلیفہ صحیح نہ ہوتا تو امت کا بڑا المیہ ہوتا۔)

کیونکہ اگر تجزیہ و تکفین میں دیر ہو جاتی جیسا کہ نہ فین میں تین روز لگ گئے تو کچھ عرج نہ ہوتا
 پر امر خلافت میں کچھ دیر کرنے سے کچھ کی کچھ بات ہو جاتی شعر
 سدا دور و دراز دکھتا نہیں گیا وقت بھر ممتد آتا نہیں

تکفین نہ فین بھی ملاوت سے نہ ہوتی خدا جانے کیا کیا خرابیاں دم کے دم پر پا ہو
 عاتیں چنانچہ بعد وفات بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ سرکاری
 ہم کوٹے بہت سے بہت یہ ہو کہ ایک ہم میں سے سرکار ہو اور ایک ہم میں سے پس
 نہ وہ مبادرت نہ کرتے اور بیعت کسی انصاری کے ہاتھ پر نہ ہوتی تو اب اس میں دو صورتیں
 تھیں۔ یا تو مہاجرین بھی اسی شخص کی بیعت اور اطاعت قبول کرتے یا کوئی اور جداگانہ اپنا خلیفہ
 بناتے در صورت اول کے اس حدیث کے مخالف ہوتا۔ الملک فی قریش والقصفۃ

فی الزنصار والاذان فی الجنة الموعود روایات میں الخلافۃ فی قریش صراحتہ آیا ہے جب اللہ تبارک و تعالیٰ جنت بل جاتی پھر کہاں سے وہاں کو خلافت نصیب ہوتی اور دوسری صورت میں یعنی وہاں کے کاتبین کا خلافت ہونا بنیائے میں تفرق کھڑا نہ آتا اور غدار خدا و رسول اتحاد و اتفاق کو چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت

لَوْ اَلْفَقْتُ مَا بِي اَلْاَرْضَ جَمِيعًا مَّا اَلَفْتُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اَللّٰهَ اَلَفَ بَيْنَهُمْ۔
(اگر آپ زمین کے سب غزوات نے فرج کر دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے۔ لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈالی)

اور حدیث تطویل قرآنہ معاذ بن جبل کہ باوجود ان پر عنایت ہے حد کے حضرت کا افتان یا معاذ فرماتا دلالت کرتی ہے اس صورت میں وہ بات ہاتھ سے نکل جاتی اور کاریاست و سیاست کا بخوبی انجام نہ ہوتا اور باہمی منازعت کا بھی خوف تھا چنانچہ لو کان فیہما الہة لكان الله لفسداکما سے مستفید ہے کہ اگر ایک سلطنت میں دو حاکم ہوں تو وہ برباد ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ ایک امر خلافت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی کا ہے بایں نظر شیخین نے اس کی تائیس و توثیق میں مبادرت کی۔

حضرات شیعہ جیسے خود ملوث بطبع دنیاویہ اور سنگ دنیا ہیں ویسے ہی خیالات معاذ اللہ اکابر و ارکان دین کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں کیسے کج فہم ہیں اس موٹی بات کو نہیں جانتے کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔

سوال بست و ششم از جانب شیعہ

حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ اہل حل و عقد ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو ان کو کیوں شامل نہیں کیا اجماع میں

جواب سوال بست و ششم (اجماع یلے برتت امام اہل حل و عقد کی عارضی ضروری نہیں)

حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ اول حبیب کے اہل حل و عقد ہیں سے تھے پر اجماع کے انعقاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سارا جہان ایک آن واحد اور ایک ہی لفظ میں ایک بات منہ سے کہیں

یہ تو آپ کے نزدیک بھی ممکن نہ ہو گا اں یہ باتیں بتدیج آگے بچھے ہوا کرتی ہیں حضرت علیؓ سے جو بیعت ہوئی تو وہ بھی ایک دفعہ نہیں ہوئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر سب نے ایک ساتھ ہی بیعت نہیں کی جب کبھی کوئی آجاتا تھا بیعت کر جاتا تھا اور بیعت تو درکنار اسلام بھی سب کا ایک ساتھ نہیں کوئی آج مسلمان ہوا کوئی دس برس کے بعد کوئی تیس برس کے بعد سو ان کی بیعت تو آپ بھی جانتے ہیں جیسی ہوئی ہوگی جب وہ مسلمان ہوئے ہوں گے یا اس کے بھی بعد یا یوں کہو انہوں نے بیعت کی ہی نہ ہو بہر حال یہ تو ممکن ہی نہیں کہ قبل اسلام بیعت کر گئے ہوں سو چونے احتمال پر آپ ہمیں ہمارا اور سر ہی لکھا ہے۔ غرض ہمارا مطلب کسی طور ہاتھ سے نہیں جاتا بہت سے آدمی تو سفینہ بنی سادہ ہی میں دست بیعت ہوئے پر بیعت عام دوسرے روز ہوئی اس میں حضرت علیؓ نے اور بھی بعد میں بیعت کی پر یہ بعد میں رہ جانا بایں معنی نہ تھا کہ ان کی خلافت کے منکر تھے اور اگر بالفرض انکار خلافت حضرت صدیق اکبرؓ ہو تو پھر حضرت علیؓ کی زندگی نمازوں اور جمعہ کے خطبوں کے سننے اور جہادوں کے باندھنے میں مال اسباب کے تصرف میں لانے کی کوئی وجہ متصور نہیں بلکہ شیعوں کا یہاں ایسا قافیہ تنگ ہو گا کہ زیرِ بڑتر ہی کرنی پڑے گی۔

(کلامت کو اصولی ماننے سے بے نیا کا فرق ظہور کرتا ہے)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت امیرؓ کی خلافت بلا فصل کے منکر کیا مزاحم
ہی تھے ہم بھی جانتے ہیں تم بھی جانتے ہو پھر اگر حضرت امیرؓ بھی حضرت صدیقؓ کی خلافت کے
مستحق نہ ہوں یعنی سنی نہ ہوں شیعہ مذہب ہوں تو یہ معنی ہوں گے کہ حضرت صدیقؓ اور عمرؓ

۱۔ حضرت علیؑ کا صدیق ہونے کے اعتبار سے بیعت کرنا ایک تاریخی حقیقت اور احادیث میں مذکور مسلمہ طریقہ منسوب ہے معتبر کتب شیعہ جہ
تو البتہ ملاحظہ ہوں۔ ۲۔ کافی کے کتاب الرضا علیہ السلام میں حدیث اسناد میں ہے امام باقرؑ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے بعد سب لوگ سائے قین کے مرتد ہو گئے مگر ابوذرؓ، سلمان فارسیؓ، ان پانچ پھری اور یہ (ابوبکرؓ کی) بیعت منکوتہ تھی کہ
لوگ امیر المؤمنین علیؑ کو سائے خباہت اپنے بیعت کی (تو قین حضرت نے بھی کر لی)۔ ۳۔ احتجاج طبرسی میں ہے مَا مِنْ الْأُمَّةِ
أَعَدَّ بِالْعَمَلِ مَا خَيْرُ عَمَلٍ وَأَرْبَعُنَا أَسْتَمِیں ایک بھی قرأ یہ نہیں جس نے (ابوبکرؓ کی) بیعت ناخوش سے کی ہو موائے
علیؑ اور عباسؑ یا محمدؐ بیوں کے (تقریر اور عبوری کا عذر۔ بیعت مذکور کی جا چکے ہیں۔ ۱۲۔ ہر فرد۔

کافر تھے نعوذ باللہ۔ کیونکہ جیسے پہلے نزدیک ایمان کے دو جز ایک لا الہ الا اللہ، دوسرا
 محمد رسول اللہ ہے) شیعوں کے نزدیک ایک تیسری شاخ امامت کی اور بھی ہے۔ جیسے
 ہمارے نزدیک آدمی انکار لا الہ الا اللہ یا انکار محمد رسول اللہ سے کافر ہو جاتا ہے ان کے نزدیک
 انکار امامت حضرت امیر وغیرہ ائمہ حدیث سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ بہر حال اگر حضرت علیؓ شیعوں
 مذہب ہوں تو ان کو بھی اپنی امامت پر ایمان لانا ایسا ہی ضرور ہو گا جیسے بشارت آیت
 اَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ اور نیز بشارت آیت
 قُلْ اِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي (فرمائیے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب
 لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ
 اُصِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْغٰثِيْنَ) اللہ کی رضا کے واسطے ہے جو رب العالمین ہے اس کا
 کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ہوا میں پہلانے والا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت پر ایمان ضرور ہے۔ اور ظاہر ہی تو ہے اگر رسول
 اور امام ہی کو اپنی رسالت اور امامت کا انکار ہو تو پھر دوسروں کو کیونکر کہہ سکتا ہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ
 اس صورت میں حضرت امیر منکر ان امامت کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہوں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم منکر ان رسالت کو۔ پھر فرمائیے حضرت علیؓ جو ہمیشہ ان منکران امامت کے پیچھے تھماڑ پڑھتے
 ہے تو کیا باعث تھا؟ کافروں کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے؟ یا یہ لوگ امامت پر ایمان رکھتے
 تھے اور شیعیان پاک میں سے تھے یا امامت کی شاخ ایسی ہے جیسا کسی نے کہا ہے شعر۔

عسریاں ہی دفن کرنا تھا زیر زمین مجھے اک اور دوستوں نے لگا دی کفن کی شاخ
 ہم سے اگر پوچھتے ہیں تو یہی صحیح ہے۔ ورنہ پھر مذہب امامیہ کی خیر ہے نہ حضرت امیر کی
 امامت اور بزرگی کے صحیح سالم بننے کی کوئی تدبیر بالجملہ تین پہلوئیں کرنے کو تو بہت سی باتیں ہیں
 اس بات کا جواب نہ مجتہد صاحب کے آگے نہ امام زمان کے پاس سے کوئی جا کر لائے یہ بات
 لا جواب ہے اور کیوں نہ ہو دروغ گو را حافظ بناشد بانیان مذہب شیعوں یہاں آکر چوکرامی بھول گئے۔
 آگے سنتے یہی نہیں کہ نمازیں پڑھیں حضرت امام زین العابدینؓ کی والدہ بلکہ حضرت امیرؓ کی حرم محرم
 انہیں غلیفوں کے جہاد میں آئی تھیں جن کو کافر نہ کیئے تو مذہب شیعوں اڑ جاتا ہے اور کافر کیے تو
 پھر جہاد کی کوئی صورت نہیں جو کچھ ہوا پھر ان حرموں کے مالک ہوئے تو کیونکر ہوئے زیر تصرف

دھننے کی گنجائش ہو اگر یوں ہوتا کہ سہان کر کے آگے چھے نماز ہی پڑھوا لیتے تب بھی ایک بات تھی یہ جی نہ ہوا۔ کیسے تو سہی کیا ہوا۔ اور (درا) یہاں نکاح کا بہانہ کر لینا تو مال کا تو نکاح ہی نہیں ہوتا۔

اس سے آگے بڑھ کر اور سنئے۔ طاہرہ مطہرہ جگر گوشہ رسول سیدۃ النساء خاتمۃ الزمرہؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرۃ العین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی راحت جان۔ حضرت حنینؑ کی قوتِ دل تمام اہل ایمان کے دین و ایمان کو حضرت ام کلثومؑ دختر شہم خاص حضرت ثولؑ کو حضرت عمرؓ سے بیاہ دیا ایسی پاک طاہرہ پاک باطن کو سن خود سالی میں ایسے کافر کہ نہ سال کے کوئی حوالہ کرتا ہے؟۔ ذرا سی بات پر فوج شام و عراق سے توڑا مرے اور ایسی پاک و امن کو یوں بے چون و چرا عمرؓ کے حوالے کر دیا یہ مسلمان کا کام تو نہیں کر ایسے افسانوں کو بے موقع احتمالوںؑ محمول کرے خدا میرا تو بال بال کا پستاب۔ یہ خبیث کس طرح ایسی بے ہودہ باتیں بک بیٹے ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کا لحاظ نہیں کو ننگ و ناموس اہل بیت نبوتؑ کا تو لحاظ کیا ہوتا دیکھئے اس نکاح سے زید بن عمرؓ پیدا ہوئے اور پھر لقصائے الہی اپنی والدہ کے انتقال ہی کے دن خانہ جنگی میں مارے گئے یہاں تک کہ اکٹھی دونوں جنازوں کی نماز پڑھی گئی۔

بہر حال حضرت علیؑ و حضرت عباسؑ دونوں حقدِ خلافت حضرت صدیقؑ بنائے اور انصارِ اجماع کے لیے اتنی بات کافی ہے ہر شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں یوں تو بہت کچھ بولے بڑے نزدیک و دور کے لوگ رہ گئے اور آج کل کے اہل سنت سب اجماع میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور بیعت کا کچھ حساب نہیں۔

(کچھ دن بعد بیعت کر کے حضرت علیؑ نے تمام شعبات کا ازالہ کر دیا۔)

الغرض اعتقاد و ملی اور شہادت مالی یا مقالی چاہیے، سو بھدا اللہ یہ بات قبل بیعت بھی حضرت علیؑ کو حاصل تھی اور بعد بیعت بھی باقی رہی پر جب حضرت امیرؑ نے دیکھا کہ مردمانِ طاہرین اور سادہ لوحانِ سحرانشین اس بیعت کے نہ کرنے کو اور بات پر محمول کرتے ہیں۔ اور ہر موافق مزہوم شیعوہ علم ماکان و مایکون حاصل تھا یہ سمجھ کر کہ آخر زمانے کے ہمارے نادان دوست جن کو شیعوہ کہیں گے کچھ اور دوسرے ماکشی کے پتے بہت ہاتھ پاؤں پھیلا دیں گے زبان کے سستے اور بہت کچھ کہیں

گے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے شہدائے مکتون متروکین کے دل سے مٹا دیا پر جن کے دل کو یہ خیالات فاسدہ ایسی طرح کھا گئے تھے جیسے تلوار یا کسی اور ہتھیار کو مورچہ ان کی اصلاح نہ ہوئی وہ اسی بیکر کو بیٹھے جاتے ہیں اور حضرت امیر کی راہ پر نہیں آتے۔
(اعتماد و وعائے مولف)

اب بس کیجئے اور جانے دیجئے یا اللہ تیرا شکر ہے یہ تیری عنایت ہے کہ مجھے جیسے پچھرا
بلکہ نادان سے ایک دن اور کچھ اور پراگھی رات میں اکٹھے اٹھائیں سوالوں کا جواب لکھوا دیا تیرا
شکر کس زبان سے ادا کروں ہر بن و مومن بھی زبان ہو تو پھر بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ احسان کا
شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اے میرے اللہ! میری نیت تو ایسی ہی ہے جیسا میں ہوں تو اپنے
کرم سے اس کو قبول فرما کر میرے لیے ذریعہ آخرت کر دے اور اس تحفہ محمدی کی بدولت حضرات
اہل بیت اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رضی اللہ عنہم) کی خوشنودی میرے نصیب
کہ پھر ان کے طفیل سے اپنے حبیب پاک سید لولاک کی عنایت میں اس کمینہ عالم کو شامل کر اور
مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور تمام احباب کو بخش کر تجھ کو مسرور کر آمین ثناء میں قسط۔

الناس بنجدت منشی شیخ احمد صاحب

منشی صاحب! میری کم فرستی اور کم توجہی کا حال اگر نہ سنا ہو تو حاجی غلام الدین احمد صاحب
سے دریافت فرمائیں آپ کے لیے یقین جانئے انگلیاں تھک گئیں کل شام بیٹھ کر آدھی رات
تک لکھا آج صبح سے اسی خیال میں تھا اس وقت بعد عشاء فراغت پائی اب بھی انگلیاں نہ
تھکیں تو اور کیا ہو گا بار بار یہ شعر ادا آتا ہے۔ شو۔

حال دل لکھوں کب تک عبادت اس کو دکھلاؤ انگلیاں انکار اپنی خامہ خون چکا اپنا
آپ نہ مانیں تو بجز اس کے اور کیا لکھوں مصرع بنو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو پھر اس کو خدا
سمجھے۔ خیر یہ تو آپ کے حسن اخلاق کے بھروسے غرض معروض تھی۔ دوسری عرض یہ ہے
کہ آپ نے وہی پرانے سوالات کے جواب اول سے شیعوں نے ایجاب کیے اور صد ہا جواب اس
کے سینوں کی طرف سے ہو چکے۔ بروئے انصاف! یہ تو تنگ کرنا ٹھہرا۔ آپ کو تو نہیں

کہہ سکتا۔ شیعوں کو تو ڈوب مرنے کی جابجواب دندان شکن سختی چلے جاتے ہیں اور پھر بھی اپنی کالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ بھلے مانسوں کو تو منہ پر کھا کر آپ مقابلہ نہیں رہتی۔ ہاں یہ سجا البتہ پٹتے جاتے ہیں اور کالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ آپ نے یا جس نے یہ سوال کیا یہ بھی ہوگا کہ شیعوں میں ایسا کون فارغ بیٹھا ہے جو اپنا نماز روزہ چھوڑ کر اس طور مار کے طور مار کا جواب لکھے گا ہمیں کہنے کو جگہ ہو جائے گی۔ یہ نہ بچا ہوگا کہ قاسم سے گنہگار بھی بہت ہیں جن کو (نفل) نماز روزہ کی چنداں توفیق نہیں پھر تیرے لیے صدائے بے معنی کو یوں ہی جیٹکوں میں اڑھیتے ہیں اور اوروں کا وار بھی نہیں آتا، سو آپ خدا کے لیے غور فرمائیں،

اور پھر بھی اپنا پرہیز آؤ تو مجتہدان ضلع سہارن پور و مظفر نگر سے ان جوابوں کا جواب اور میرے سوالات سرسہ کا جواب لکھو اگر بھجواؤ پر جواب ہو تو ایسا بے ٹکنا نہ ہو جیسا جاٹ سے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ کے جواب میں کہا تھا۔ تیرے سر پر کولو! اگر بوجھ ہی میں دانا منظور ہو تو آپ ہی بہت ہیں مگر ہمیں کون سکھائے۔ ہم دونوں علم پڑے ہیں بے نیکی کہنی بھی آتی ہے، غرض ان اٹھائیس سوالوں کا بوجھ جیسے مجھے یاد ہے گا انشاء اللہ اس سے زیادہ جناب مجتہدین چکر میں آئیں گے فقط۔

جواب ثانی از جانب مولوی عبدالحق صاحب

یہ دونوں صاحب داخل حل و عقد ہیں پر تمام اہل حل و عقد کا آن و آمد میں اجتماع محال ہے اور نیز انعقاد بیعت کے لیے تمام کام موجود ہونا ضروری نہیں ہاں اکثر کا مجمع ہونا ضروری ہے سو اکثر لوگ مہاجرین اور انصار جمع ہو ہی گئے تھے اور حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ اگرچہ بضرورت مشغول تھے و تکفین اجماع میں شامل نہ تھے مگر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت و فضیلت کے منکر بھی نہ تھے افضلیت حضرت ابو بکرؓ کی ہر صغیر و کبیر کی زبان زد تھی کس نے بایں وجہ بیعت میں تاخیر نہیں کی کہ حضرت ابو بکرؓ لائق امامت و خلافت کے نہیں یہ تو شیعہ ہی سمجھ کر اپنا دونوں جہاں کا بڑا کرتے ہیں۔

(حضرت علیؑ کا ملال و عتاب دوستانہ تھا)

صرف حضرت علیؑ کو اسی بات کا ملال تھا کہ باوجود اس اتحاد باہمی کے پھر مجھ کو کیوں نہ شامل

کیا کس لیے ایسی جلدی کی چونکہ حضرت امیر السد الثا غالب تھے بسبب کمال شجاعت کے ان کے خیال شریعت میں برہمی و برہمی سلطنت کا کچھ خطرہ نہ گزرا اور بے وجہ حضرت ابو بکر و عمرؓ کی مبارک کو پسند نہ فرمایا حالانکہ ان کے نزدیک امر سلطنت کا اہتمام پیشتر کر لینا اولیٰ و اقدم ہوا تاکہ دفن حضرت اور دیگر امور جمع خاطر ہوں اور اگر خدا نخواستہ اس امر کا پیشتر سے اہتمام نہ کیا جاتا اور انصار بعد از سرور مقرر کر لیتے تو حضرت عباس و حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کیونکر روکتے بیٹھے بھٹائے طرفہ العین سلطنت اسلام جاتی رہتی۔ اور حضرت علیؓ کی اتنی شکایت کچھ بے موقع نہ تھی بلکہ اپنوں ہی کی شکایت کیا کرتے ہیں غیر کا کون شاکی ہوتا ہے شعر۔

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت گنہے بے شکایت نہیں اے ذوق محبت گنہے
اگر ان کو شکایت تھی تو محبت بھی تھی کبھی قبل خلافت یا بعد خلافت حضرت ابو بکرؓ کی خدمت علیؓ نے برائی نہیں کی بلکہ تہنیت و تعزیت سے تعزیت کرنی ثابت ہوئی ہے چنانچہ خاص اس قدر میں بھی کہ ہے۔

اِنَّهُ لَمْ يَجْعَلْهُ عَلَى الَّذِيْ صَنَعَ لِفَاتَهُ (حضرت ابو بکرؓ کے بیعت لینے پر خدا کے طور پر نہیں
عَلَى اَبِيْ بَكْرٍ وَلَا اِنْكَارَ لِلَّذِيْ فَضَّلَهُ کی اور نہ اس فضیلت سے انکار کی بدولت جس کا شرف
اللَّهُ بِهِم - (بخاری ص ۶۹۹) اللہ نے ابو بکرؓ کو منتخب ہے)

اور حضرت صدیق نے جو مرتدین بنو حنیفہ سے جہاد کیا وہاں کی سپاہیوں سے ایک لڑائی خول نامی حضرت علیؓ مرتضیٰ کو بھی ملی اور آپ نے اس پر ملک میں تصرف فرمایا اور محمد بن حنفیہ اس کے بطن سے پیدا ہوئے اور شہر بانویر و گورد بار شاہ شاہ ایران کی بیٹی کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں پکڑی ہوئی آئی اور حضرت امام حسینؓ کو ملی اور امام زین العابدینؓ اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور جو کچھ باہم اتحاد اور رشتہ و قرابت بیش رہا ہر چند اصول شیعہ پر تقیہ کی رو سے تھا مگر (تعلق مذکور) ان خیالات کو راجع و من سے اکھاڑتا ہے اور تقیہ بقدر ضرورت ہوتا ہے نہ امر میں۔ ترویج تقیہ کے لیے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ حضرت علیؓ کے دل میں جب تک ظالم و باہت نہ کی اور جب صاف ہو گئے فوراً کمر لی اگر خدا نخواستہ تقیہ کرتے تو بیعت میں اتنی مدت کیوں لگاتے معلوم ہوا جو کرتے تھے بے باکا و صاف دلی سے کرتے تھے۔ فقط۔

مادہ تاریخ از مولوی عبدالحق صاحب

قَالَ تَعَالَى - جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا ۝

مادہ تاریخ بیعتہ از فکر ساعزیزہ مخلف مولوی معین الدین صاحب غفل الرشید مولوی محمد یعقوب صاحب

مولوی مسیور بھائی عبد اللہ جن میں حق نے بہت بھروسے میں لگے

ان سوالوں کے لیے لکھے جواب جن سے شیعوں کی اکٹھری یزج و بن

سن روافض نے ان جوابوں کو سر کو اپنے کہ یہ سنی و حق

یوں تو پورا تھا پہلے ہی مذہب ان جوابوں سے لگ گیا اور گمن

تحت غیبی نے مذاشب کی سال تاریخ میں یہ آیت سن

یوں ازل میں ہی لے معین حق نے کدیا فِ قُلُوبِهِمْ ذَلَع

الضمانہ سلمہ

مَنْ تَوَاضَعَ وَقَدِرَ وَمَنْ تَكَأْظَمَ صُغِرَ

۴۲ سوالات از جانب اکمل الجملہ افضل الفضل انجمنہ الاکرام

جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب بخدمت علما اہل تشیع

۱۔ عقیدہ امامت جزو ایمان ہے اس کا ثبوت یقینی چاہیے پر نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ

احادیث متواترہ میں اس کا ذکر جواب موحجہ بیان فرمائیے اور آئیں غائبین نہ اڑائیے۔

۲۔ اگر آیت انما ولیکم اللہ سے امامت حضرت امیر علیہ السلام ثابت ہوتی

ہے تو اس سے اور اماموں کی امامت باطل ہوتی ہے۔ چنانچہ لفظ انما سے ظاہر ہے۔

۳۔ لفظ ایک کے بمعنی حاکم ہونے پر کون سی کتاب لغت شاہد ہے اور اگر کوئی کتاب اس

پر دلالت کرتی ہے تو کون سی ضرورت ہے کہ معنی مشہور محبوب چھوڑ کر یہ معنی لیتے ہیں بایں ہمہ

جب احتمال آگیا تو چہ کلام مشتبہ ہو گئی قابل استدلال نہ رہی وہ بھی ایسی ضروریات دین کے لیے۔

۴۔ امام زمان باہر کیوں نہیں آتے اور تشریف لاکر دین نبی کی تائید کیوں نہیں کرتے اگر غدر

تقیہ تھا تو بھی شیعیان ایران دہند و مختصان و کن و سندھ کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہاں اگر شیعوں کو حضرت امام ایماذر نہیں سمجھتے اور بظاہر ہوگا تو یہی ہوگا ویسے فرمائیے۔

۵۔ اگر امام کا تقریر اس غرض سے ہے کہ امتیوں کو غلطی نہ ہو تو حضرت امام روپوش ہوتے ہیں خطاوار ہیں اور اگر کوئی اور غرض ہے تو ضرورت ہی کیا تھی جو ایمان میں ایک دوسری امامت کی پھر لگائی اور پھر سینوں پر بوجہ خلافت خلفائے کے جو معصوم نہیں کیا اعتراض رہا؟

۶۔ کلام اللہ محفوظ ہے۔ تو اول احادیث کلینی اور اتفاق مذہب کا کیا جواب؟ دوسری آیات مدح صحابہ مثل والسابقون الاولون اور الذین امنوا وھاجرو وجاہدوا الخ اور والذین معہ اشداء علی الکفار وغیرہ پر ایمان میں کیا دیر ہے اور اگر صحابہ کے ایمان میں کلام ہے تو سو ان کے جو کوئی ان آیات کا مصداق ہے اس کے ایمان پر کیا دلیل ہے، ایسی دلیل جس سے خوارج کو ساکت کر سکو پیش کرو۔

۷۔ اگر کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو اول تو انا نحن نزلنا الذکر فإنا لله لحافظون (ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا اور ہم ہی اس کے یقیناً محافظ ہیں) وغیرہ کا کیا جواب دو کہ بشارت حدیث ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمک باقی رہے گا۔

۸۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے جو اسی کلام اللہ کی تفسیر رکھی باقی کلام اللہ کی نہ لکھی تو کیا ان کو بھی مثل اور شیعوں کے کلام اللہ یاد نہ تھا۔

۹۔ تقیہ کی کیا سند ہے یعنی کہیں کلام اللہ میں حکم ہے یا ارشاد نبوی ہے کہ کیا کرو۔

۱۰۔ تقیہ کس غرض سے دین میں داخل ہوا اگر نبی و امام دین بتانے کے لیے ہیں تو چھپانے کے کیا حنی اور چھپانے کے لیے ہیں فاصدح بما ترون من اعدائکم واعدائکم عن المشرکین (پہچ ۶) جو تم آپ کو ملے و اشکاف سناؤ اور مشرکوں سے اعراض کروا کے کیا حنی ہیں۔

۱۱۔ غار میں آپ کے ساتھ کون تھا حضرت ابو جبر صدیق تھے؟ اور یہی کہو گے تو بعد اس کے کہ خدا ان کو بشارت نصیب صابریہ صحابی کہتا ہے تم کیوں نہیں کہتے۔

۱۲۔ حضرت ابو جبرؑ کی شان میں کلام اللہ میں اِنَّ اللہَ مَعَنَا فَمَا یَکُفُ خَدَانَا کا ساتھ دے تم کیوں نہیں دیتے۔

۱۳۔ حضرت علی یا امیر اہل بیت کی شان میں کہیں ان اللہ معتب ہے۔

۱۴۔ حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایم بنایا اگر وہ کافر تھے یا فاسق تھے (معاذ اللہ تو کیوں بنایا؟)

۱۵۔ حضرت امیرؓ نے شیخین اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کے زمانے کے جہادوں کی باغی غلام کیوں اپنے تصرف میں رکھے اگر وہ کافر تھے تو یہ نماز نہ ہوئی نہ جہاد پھر نہ مال حلال ہوا نہ باغیاں اور مسلمان تھے تو بے اقرار امامت کیوں کر مسلمان ہو گئے؟ جواب معقول دیجئے۔

۱۶۔ موافق ارشاد آیت۔ الذین اتیناھم الکتاب یقولون الحق تدرؤنہم (جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو کافقہ پڑھتے ہیں وہی اس کے مومن ہیں البقرہ ع ۱۲۹) جو مجدد ملت

ایمان ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس فرقہ کے لوگ بحیرت تلاوت قرآن کریں گے وہ تو مومن ہوں گے باقی کافرا ب فرمائیے کہ ایسے لوگ شیعہ ہیں یا اہل سنت جواب معقول لکھئے اور اگر حق تلاوت خشوع و خضوع مراد لیتے ہو تو شیعوں میں وہ بھی نہیں اس لیے کہ خشوع کے لیے اعتقاد چاہیے شیعہ

کلام اللہ کو بیاض عثمانی سمجھتے ہیں باری ہر حق تلاوت مفعول مطلق ہے اور عامل اس کا یہ تلوذ ہے اس لیے ضرور ہے کہ وہ بھی از قسم تلاوت ہو۔ سو خشوع و خضوع امر قلبی ہے اور تلاوت امر لسانی۔

۱۷۔ آیت۔ اِنَّا خَنُّ نَذَلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَکَ لَخَافِظُوْنَ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حفظ کلام اللہ خدا کا کام ہے اس صورت میں سنی بندگان خاص ٹھہرے کہ خدا کا کام کرتے ہیں اور ان کا کیا خدا کی طرف ایسی طرح فہوب ہو جاتا ہے جیسے راج مزدوروں کا بنایا ہوا مکان صاحب مکان کا بنایا کہا کرتے ہیں۔

۱۸۔ شیعوں کو کلام اللہ یاد کیوں نہیں ہوتا اگر یہ وجہ ہے کہ صحابہ استاذ کلام اللہ ہیں اور استاذ کا بڑا کہنے والا کامیاب نہیں ہوتا تو یہ کیجئے باقی یہ جو کہیں کہیں شیعہ ملقب بحافظ ہیں یا ایک دو کا کہیں کہیں نشان دیتے ہو البتہ اول تو کہنے کی باتیں ہیں اور اگر سچ بھی ہو تو اہل سنت کے مقابلہ میں ایک دو کا حافظ ہونا بہت شرمانے کی بات ہے۔

۱۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی میں تو حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں مانگا زندوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور شیعہوں کی نظیر وہ تو یہ نظیر کام کی نہیں کیونکہ شہداء یہاں کے

بدن سے زندہ نہیں اس بدن کے حساب کے تو مردہ ہیں ہاں جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے اور مولت کا جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے تو آپ عیسیٰ النبیؑ نہیں اور نہیں جاتی تو میراث کی کوئی صورت نہیں۔

۲۰۔ کلینی وغیرہ کتب شیعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فذک منہذا اموال فنی ہے اور آیت ما افاء اللہ علی رسولہ الٰہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال فنی مملوک بنوی نہ تھے اس لیے کہ اول تو یہ شہادت آیت ذوی القربیٰ یتیمی، مساکین وغیرہ شریک جن کی کوئی تعداد معین نہیں ہو ان سب کو پہنچاتے دو سر شہادت آیت والذین جاءوا من بعدہم سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ مصارف وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے سو ان کی غنیمت تک کی کوئی صورت نہیں کیونکہ مالک بالفعل موجود ہونا چاہیے بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انواع کے ہر ہر فرد کو نہ زمین فذک بانٹنی نہ اس کی آمدنی بانٹنی اگر ملک ہوتی تو ان سب ہی کی ملک ہوتی اور آپ ضرور تقسیم کرتے۔ ہونہ ہو وقف ہو اس صورت میں حضرت فاطمہؑ نے کیوں طلب کیا کیونکہ وقف میں نہ میراث جاری ہونہ ہبہ۔

۲۱۔ اگر خطاب فانکموا عام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی وجہ بیان فرما کے اور خاص ہے تو خطاب یوہیکم اللہ بھی خاص ہو گا۔ اس صورت میں حضرت فاطمہؑ نے دعویٰ میراث کیوں کیا اور اگر آیت یٰآیہا النبیؑ اِنَّا اَصْلَلْنَا لَكَ سے تخصیص فاطمہؑ کرتے ہو اول تو بعد ثبوت تاخر نزول آیت یٰآیہا النبیؑ یہ بات متصور ہے اور ثبوت تاخر معلوم دوسری ایسی تخصیص بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بوسیلہ اِحِلَّ لَکُمْ مَا وُفِّدَ اِلَیْکُمْ

وہیات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدین جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور رسول کے قرابت مندوں کا اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ مال غنیمت تمہارے دولت مندوں کے	لَهُ مَا افَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِی الْقُرْبَىٰ وَالْیَتَمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کُلٌّ لِّیَ کُنْ دَوْلَۃٌ بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْكُمْ لَا
---	---

سب کے لیے منحصر ہے

۲۲۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا فریقہ (الحیاء بالہ) تو حضرت علیؓ نے دفتر مظہر حضرت
ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کیوں کیا اور نہ تھے تو باوجود اسلام کے تبرک کی وجہ ؟

۲۳۔ تبرک کی کوئی کلام اللہ یا حدیث متواترہ میں سند ہے یا نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے نہیں
تو ایسے دسویں صدیوں کی جھوٹی پکی باتوں پر ان قطعی نصوص کو جو مثل روز روشن کے ، روزیہ اور کبیرہ
ہونے پر سب رستم کے دلالت کرتے ہیں کسی کو بڑا کتا کیوں ٹو اب جانتے ہو ؟

۲۴۔ اگر تفسیر فرض یا مستحب یا مباح تھا تو حضرت سید الشہداءؓ نے کیوں نہ کیا اور اس حق پر
جماعت کو کہ دشمن کے عشر عشر بھی نہ تھے کیوں مظلوموں کو قتل کرایا اور ان کا بار اپنی گردن پر لیا
اور نہ تھا تو حضرت امام حسنؓ نے باوجود فوج کثیر کے کیوں صلح کی اور جہاؤ نہ کیا اور دین کو برباد کیا۔
اگر عند علم انجام ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ امام تھے تو کیا حضرت امام حسینؓ کو علم انجام نہ
تھا یا اس وقت امام نہ تھے ۔

۲۵۔ اماموں کو علم ماکان و مایکون ہوتا ہے تو اس آیت کے اور سوا اس کے اور ایسی ہی
آیتوں کے کیا معنی ہوتے ہیں ۔

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا يَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ قَدِيرٌ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (ان میں سے)
غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ (ترجمہ مقبول)

اور اگر نہیں تو پھر اس عقیدہ کی کیا وجہ اور گھیننی کی ردا متوں کا کیا جواب ہے ۔

۲۶۔ اماموں کی موت ان کے اختیار میں ہے تو اذ آجاء اجلہم لا یستأخرون ساعة
فلا یستقدمون (جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکتے ہیں
نہ آگے) کا کیا جواب ہے اور نہیں تو اس عقیدہ فاسدہ کی کیا بنا ہے ۔

۲۷۔ متحر اگر جائز ہے تو آیت اِلَّا عَلَىٰ اِذْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ (کہ مومن
اپنی دائمی بیویوں اور باندیوں کے ماسوائے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں) کے مخالف ہوتا
ہے کیونکہ مستح کی عورت باتفاق علماء شیعہ نہ منجملہ ازواج ہے اور نہ منجملہ ما مملکت اِیْمَانُهُمْ
اور اگر جائز نہیں تو پھر یہ فضائل کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں ۔ اور قصہ خیر سے استدلال کرتے ہو تو

وہ حدیث متواتر نہیں جو ناسخ کلام اللہ ہو ورنہ وہ حکم مفسوخ ہو چکا۔ نہیں تو اس سے تو حکم نہیں کہ احتمال ہے بہر حال تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ حکم باقی ہے احتمال یہ بھی تو ہے کہ اس آیت کا حکم جوں کا توں ہو فقط برائے چندے بوجہ ضرورت رخصت ہو گئی ہو۔

غلا وہ ہیں آیت وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ کو بوجہ علت مفسوخ نہیں کہہ سکتے

کیونکہ بزرگم شیعوں۔

فَمَا اسْتَقْتَضَىٰ مِنْهُنَّ فَاتَّوَسَّيْنَا
أَجْرَهُنَّ فَرِيضَةً مِّمَّا رَزَقْنَاهَا
(پس جب تم عورتوں کے خاص حصہ سے فائدہ اٹھا
تو تو تم ان کو مقررہ مہر دیدو)

اس آیت پر مفسر عام ہے اور یہی آیت بزرگم شیعوں (سنن ابن ماجہ) سے منکر ہم پوچھتے ہیں کہ عدت والی عورت محصنات میں داخل ہے یا نہیں اگر داخل ہے تو یہ ممانعت ہے احصان کہنے بوجہ بقائے نکاح کے تو کہہ بھی نہیں سکتے کیونکہ نکاح ایک امر اضافی ہے جو وجودنا کھین پر موقوف ہی ہوگی تو بوجہ محافظت نسبت ہوئی لیکن اس صورت میں محصنین غیر مسافین کے معنی میں بھی یہی احصان ملحوظ ہے گا۔ پھر آپ ہی فرمائیے متعہ میں یہ بات کہاں ہے اگر ہوئی تو یہاں بھی عدت ہوتی۔ اور اگر معتدہ داخل محصنات نہیں تو فرمائیے پھر کس وجہ سے اس کا نکاح ممنوع ہے حالانکہ یہ ارشاد موجود ہے وَاحِل لَكُمْ مَا دَرَأَ ذَاكُم مِّنَ انْ مَّذْكُورِہِ غَلَاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں (اس صورت میں یوں نہیں کہہ سکتے کہ معتدہ محصنات میں تو داخل نہیں مگر آیت وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَنكَوَسَ اس کی حرمت ثابت ہے۔

چنانچہ اہل عقل پر ظاہر ہے جواب معقول عنایت ہو ورنہ حرمت متعہ کا اقرار کیجئے۔
۲۸۔ منکوحۃ سے یا ام ولد والہ سے متعہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کیا دلیل ہے۔
آیت وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ سے تو فقط ممانعت نکاح ثابت ہوئی ہے اور جائز ہے تو نکاح ہی میں کیا نقصان تھا۔

۲۹۔ لواطت زمان جو مذہب شیعہ کے موافق جائز ہے اور دنیوں میں بھی جائز ہے یا یہ پاکبازی اور سنت قوم لوط خاص مذہب شیعہ ہی کے لیے رکھی ہوئی تھی۔
 ۳۰۔ لواطت کے جواز کی کیا دلیل ہے۔ اگر اعتقاد ذاتی بشیئہ پر اعتماد ہے تو اس سے تو تعظیم مقام ثابت نہیں ہوتی وقت معهود و زوجہ کی روشت اپنی طرف رکھنے کی اہانت نہ کہتی ہے یا نہ جملہ نساء کو حرث لکھو سے صاف یہ ثابت ہے کہ عورتیں اولاد کی کھیتی ہیں پھر آپ ہی فرمائیں کہ بچہ و برزن میں سے نکل سکتا ہے یا نہیں اگر کوئی خاص کرامت زمان مذہب شیعہ میں ہو تو مطلع فرمائیے۔

۳۱۔ باغیوں کی فرجوں (شریکوں) کا عاریت دیدینا جو علامہ علی کی کتاب ارشاد میں موجود ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے پھر آیت الاعلیٰ ازواجہم اوصا صلت ایما نہہ کی مخالفت کا کیا جواب ہے۔

۳۲۔ لواطت سے ثبوت نسب کی وجہ تعلیم فرمائیں تو ثبوت عنایت ہو۔
 ۳۳۔ وَجْهٌ یُّوَسِّدُ نَاصِرَۃً اِلَیْ رِیْقَہَا نَاطِرَۃً (اس دن بہت چمکے ترو تارہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے) دیدار خداوندی پر شاہد ہے اور لفظ الی کو معنی نعمت لینا جو تیروں سے کان کاٹھنا ہے۔ کیونکہ اول تو ناصرتہ فرمایا اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ لفظ خداوندی کے استعمال کی نسبت اگلی اس کے بعد پھر نعمتوں کے دیکھنے کی کیا حاجت تھی

۱۔ مثلاً حدیث ما عبد اللہ بن ابی العزیز نے امام صادق سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے۔ قال لبائس الزاریت (اگر عورت خوش ہو کر کوئی عرج نہیں) الاستیصاء ج ۲۲۔ امام رضا سے راوی نے عورت کے ساتھ لواطت کرنے کا مسکہ پوچھا تو فرمایا۔ اللہ کی کتاب میں لوط علیہ السلام کے قول نے و معاذ اللہ حلال کر دیا ہے کہ میری لڑکیاں تمہارے لیے حلال ہیں حالانکہ معلوم تھا کہ وہ آگے کی راہ سے جہان نہیں کرنا چاہتے۔ (ایضاً) مثلاً حدیث ما محمد بن مسلم نے امام باقر سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنے بھائی کے لیے اپنی باندی کی شرم گاہ حلال کرے یہ کہتے حال ہے الاستیصاء ج ۲۲۔
 ۲۔ ابن مضارب کہتے ہیں مجھ سے امام جعفر صادق نے فرمایا یہ باندی ہے لو آپ کی خدمت کرے اور آپ جہان کریں پھر ہمیں واپس لوٹا دینا (ایضاً) ۲۔ جن علماء کہتے ہیں میں نے امام صادق سے فرمایا کہ اگر کوئی عرج نہیں کرے (بصراحہ ۲)۔ ۱۳۸

جو یہ ترقی محکوس ایسے کلام مجرب نظام میں آئی بایں ہر آیت

لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مَعْلُومٌ (ہرگز نہیں سمجھتے وہ اپنے رب کی زیارت کے محروم تھے)
کا کیا جواب دو گے اور آیت لا تدركه الابصار پر نظر ہے تو وہ سالیہ جزئیہ ہے بایں ہر
سلب اور اک پر دلالت کرتا ہے نفی رویت پر دلالت نہیں کرتا علیٰ هذا القياس لن تدركه
عدم قابلیت البصار و نبوی حضرت موسیٰ ثابت ہوئی ہے عدم دیدار ثابت نہیں ہوتا ہاں اگر
لن اری بصیرہ مستحکم مجہول ہوتا تو یہ خیال بجا تھا اور اگر رویت اور البصار کے لیے خواہ مخواہ تقابل کی
ضرورت ہے اور وجہ سے قائل ہے تو اول تو خدا کے بصیر ہونے کے لیے جہاں سے تقابل لازم
کے وہیں سے اس کے دیدار کے لیے سہی۔ اگر ضرورت ہوگی تو البصار کے لیے خدا کو بھی ہوگی
کیوں کہ تقابل تو طرفین ہی سے ہوتا ہے بایں ہر سامنے کا مکان سامنے کی جہت جس طرح
بے جہت اور بے مکان سامنے ہے ایسے ہی خدا (بے جہت و مکان) بھی ہو تو کیا عجیب
پھر کلام اللہ کی تکذیب کیوں کی جاتی ہے۔

۲۴۔ آیت وعد اللہ الذین امنوا انکم منہم کواحدہ ہے پورا ہونا تو اس
کا ضرور ہے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے اور اصرار دیکھتے ہیں تو خلیفہ موصوف باوصاف منذر جہ آیت
مسطورہ سوا چار بار اور کوئی نہیں ہوا خاص کر کتبہ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مَعْلُومٌ
وہیں ضرور بر ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا۔ تو روشن ہی ہو گیا حضرت امیر معاویہؓ
کو کفار سے کبھی خوف ہی نہیں ہوا اور اگر خاص حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو مراد یہ ہے تو حنا لفت

ملے سورۃ نور کی آیت اختلاف کا ترجمہ مقبول شیوہ کا یہ ہے۔ ان سب لوگوں سے جو تم سے ایمان لائے اور جنہوں
نے نیک عمل کئے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں ان کو اس زمین میں بے چین بنایا جائے گا ان سے چوں کہ بے چین بنایا تھا اور ضرور ان کے
دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پائیدار کر دینا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دینا اس وقت
وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرے شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکی کرے گا پس نافرمان وہی
ہیں حضرت طرفہ کے وعدہ میں خلافت راشدہ کی صداقت اور ضرور خداوندی ہونے پر خود حضرت علیؓ نے اس آیت سے
استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو شرح بیضاوی فیض الاسلام نقی زیر خط مشورہ فارسی و سخن علی موعودہ من اللہ۔ ۱۲ مہر محمد

وَعَدَ الَّذِينَ آمَنُوا لَازِمٌ آتِيٌّ بِهِ اس لیے کہ اس سے جمعیت ثابت ہوتی ہے نہ وحدہ
اور اہم زمان کو مراد لیجئے تو وہ مشکم کے مخالف ہے اس لیے کہ اس کے موافق تو ان خلیفوں کا
صحابی ہونا بھی ضرور ہے ورنہ یہ لفظ اسے کار ہوگا۔ اس کا لغو ہونا لازم آئے گا اس صورت میں
کیا وجہ ہے کہ ان کو خلیفہ راشد نہیں کہتے۔

۳۵۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَرِّئْ مِنْكُمْ عَنِ دِينِهِمْ فَتُفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ
یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ مرتدین سے جہاد کریں گے وہ اللہ کے پیارے اور بڑے ہی کامل
ہوں گے مگر سوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے اور کسی نے مرتدین
سے قتال نہیں کیا اور خوارج کو مرتدین کہنا ہی نہایت بے جا ہے ان کو بدعتی کہیے نہایت کار
کافر بدعتی غرض اسی دین اسی نبی کے معتقد ہیں

۳۶۔ خَدَاكَ ذَمُّهُ عَدْلٌ وَاجِبٌ تَوَاقُتٌ لَا يُسَلُّ عَمَّا يَفْعَلُ وَمَا يُسَلُّونَ
وجود کرنا ہے اس سے پوچھ نہیں اور سب کے کاموں کی پوچھ ہوگی) کا کیا جواب ہے۔
۳۷۔ بَنَدَهُ بِأَنَّهُ أَعْمَالُ الْخَالِقِ هُوَ تَوَكُّلٌ شَاءَ وَنَ إِذَا نَ يَشَاءُ اللَّهُ (تم نہیں جانتے
مگر جب اللہ چاہے) کا کیا جواب؟

۳۸۔ حَدِيثُ أَصْحَابِي كَالْحَجُّومِ بِأَيْدِيهِمْ أَقْتَدِيْتُمْ أَقْدِيْتُمْ رَمِيْتُمْ مَحَابِرَ
تاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے بشہادت رسالہ المکاتیب اپنی
کتابوں میں موجود اس سے عارف مذہب اہل سنت ثابت ہے۔

۳۹۔ آيَةُ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ بِشَهَادَاتِ
سباق و سیاق ازواج کے حق میں نازل ہے اس کا کیا جواب؟ باقی حدیث اہل
عباد اہل البیت کے یہ اعتراض نہیں اٹھ سکتا کیونکہ اس سے اثنا ثابت ہوتا ہے کہ برکت
رعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور
حضرات حسین رضی اللہ عنہما بھی اہل بیت ہو گئے علی ہذا القیاس ضمیر مذکر سے
استدلال کرنا غلط ہے۔ اول تو یہی کلمہ کلمہ جو ضمیر مذکر ہے دوسری جا حضرت سار کے
خطاب میں موجود ہے علاوہ بریں یہ اعتراض خدا پر ہوگا بشہادت سیاق اور سباق

۴۰۔ آیت الطیبات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہے اس کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے یہ لفظ جس قدر ان کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اتنا لفظ لیدھب عنکم الکر جس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ طیبات صفت مشبہ ہے جو اصلی پاکیزگی پر شاہد ہے اور یذہب ویطہر تجدد و پروا دلالت کرتے ہیں جس سے اول سے آٹھ پاکیزہ ہونا ثابت نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے پھر سے اہل بیت کو معصوم کہو حالانکہ وہ بھی اصلی نہیں بلکہ ازواج کی شان میں عارضی ناپاکی زائل ہو جانے پر دستاویز ہے اور یا اعتبار آیت الطیبات حضرت عائشہ صدیقہ اور سوا ان کے اور ازواج کو معصوم نہیں کہتے اگرچہ مورد خاص ہے پر الفاظ معلوم پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۱۔ شیعہ کی عورتوں کو مثلاً بوجہ متعہ جو فضائل شیعوں تو وہ مل سکتے ہیں یا نہیں۔ چوتھے متعہ میں اشدادت تفسیر میر فتح اللہ شیرازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ میر آجی

ست پنجویں متعہ میں خدائی مل سکتی ہے یا نہیں فقط

۴۲۔ زمیں میں جو یہ حکم رہا کہ زمانہ واحد میں ایک شوہر سے زیادہ سے عورت نکاح نہ کرے تو نقد بفرض محافظت نسب اور جب نسب پر نظر ہی نہیں جیسے متعہ میں ہوتا ہے چنانچہ جواب متعہ خوب واضح ہے۔ تو متعہ دور یہ بلکہ نکاح دور یہ اور جیسے زن منکوحہ کے متعہ کے فضائل۔ تفسیر منہج الصالحین پٹ کے اول میں ہے کہ حضرت زکریا کا ایک تہ متعہ سے نکاح ہوا اور جو بدو دفعہ اس کا درجہ ام حسن ناما ہوگا اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ علی بن ابی طالب جتنا ہوگا اور جو چار دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ میر مرتبے صیبا ہوگا۔ جو شخص دنیا سے بخت ہوا اور اس نے متعہ نہ کیا تو وہ قیامت کے دن ناک اور کان کٹا اٹھایا جائے گا (ایضاً)

۴۳۔ قاضی نور اللہ شوسری نے مصائب النواصب میں لکھا ہے کہ نواں الزام ہم شیعوں پر یہ ہے کہ کوئی آدمی بیک وقت ایک عورت متعہ (دو دفعہ) کر سکتے ہیں اگرچہ وہ حیض والی ہو یا نسبت اہل اور جھوٹ ہے۔ ہاں اس وقت (متعہ) بھی نہیں ہے جب کہ عورت کا حیض بند نہ چکا ہو کیونکہ مقصود تو رحم کو دو مردوں کے نطفہ سے بچانا ہے جس طرح کہ مدت میں ہی حکمت مقصود ہوتی ہے تو اگر کہ (بند حیض والی) میں یہ حفاظت خود بخود حاصل ہوتی ہے تو بیک وقت

۴۴۔ کہ مرد کے متعہ کرنے سے نہ لفظ عورت ہے نہ لفظ مطا کا اندیشہ ہے) ۱۲۔ مہر محمد

اور عاریت زن مشکوٰۃ وزن متعہ کیوں جائز نہیں تھا۔

(۱۵) پندرہ سوالات از جانب مولیٰ عبد اللہ صاحب

التماس بخیریت علماء شیعہ کہ ان سوالوں کے جواب معقول رحمت فرمائیے اور ناحق زمین و آسمان کے قلابے نہ ملیئے ورنہ خلفاء اربعہ کی خلافت و مرتبہ پر ایمان لائیے۔

۱۔ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوسفیانؓ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو سوار پیادہ سے بھردوں اگر مجاہدین و انصار بیوفائی کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپایا تو باوجود اس سامان کے پھر وجہ تفسیر کی کیا تھی اور اگر بنو امیہ کا اعتبار نہ تھا تو بقول شیعوں مانعین زکوٰۃ کی وجہ منع زکوٰۃ کی یہی تھی کہ ابو بکر صلیفہ برحق نہیں اس صورت میں مالک بن نویرہ اور اس کی مانند سردار بنی تمیم اقوام وغیرہ بہرہ و مدد کو موجود تھے اور اتباع امام برحق کے مشتاق پھر اس سب خرابی اٹھانے اور گمراہی کی جڑ جمانے کی کیا وجہ ہوئی اگر بالفرض حضرت امیر جبار فرما کر مثل اپنے زمانہ خلافت کے غالب نہ آتے یا مثل حضرت امام حسینؓ شہادت پاتے حجت تو تمام ہو جاتی۔

۲۔ امیر المومنین اور جملہ ائمہ کے تفسیر کرنے کے راوی وہ لوگ ہیں جو آپ ہی خادم خاص ان حضرات کے ہوتے تھے مگر یہ حضرات ان لوگوں کے حق میں بیزار ہی ظاہر فرماتے تھے اگر کوئی ثبوت تفسیر کا باقی نہج کہ جان بچانے کے لیے دین اور آبرو سب کچھ برباد ہو جائے تب بھی تفسیر ہی کیجئے اگر کچھ سند قرآن و حدیث سے ہو تو بیان فرمائیے یا عقل سلیم کا تقاضا ہو کیسے۔

۳۔ انبیاء اور امام ہدایت خلق کے واسطے ہوتے ہیں جب انہوں نے تفسیر کیا اور حق بخلاف انہوں کے چھپایا تو حق کا پھیلنے والا کون ہوا اور آپ لوگوں تک کیوں کر حق پہنچا اور جب دوزبانی ہوئی اور در رنگ تو تفسیر حق کی کیا ہے اور اب لوگوں نے کس نہج سے حق پہنچانا۔

۴۔ اس زمانے کے بعض علماء شیعہ یا عوام جو تفسیر نہیں کرتے اب ان کو کیا امن حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ ایسے مامون ہیں کہ تفسیر کی حاجت نہیں تو حضرت امام مسدہ کیوں غار ثمرینؓ رائی میں اس دم تک فیض کبریٰ میں مصروف ہیں یا حضرت امام خطابہؓ ہیں۔

یا یہ لوگ خلافت امام عقل کر رہے ہیں۔

۵۔ بعد گزشتہ زمانہ عیسائیوں کے تسلط چنگیز خانی میں جس میں علماء شیعہ کو نہایت فروغ ہوا اور زمانہ سلاطین ایران اور امراء ہندوستان میں حضرت امام نے غروج کیوں نہ فرمایا اور اگر دعوت سلطنت میں امید یہود نہ تھی تو بطور ائمہ سابق ان ممالک میں ظہور فرما کر مجسین کو ہدایت فرماتے اور اعداء پر حجت قائم کرتے لدل عہد امام کا ایک ایسی کرامت ہوتی کہ کسی تو سنی یہود و نصاریٰ اور کفار چین و ہند پر حجت تمام ہوتی کوئی وجہ معقول ارشاد ہو۔

۶۔ شیخین کے باب میں علماء شیعوں کے اقوال مختلف ہیں بعضوں نے منافق اصلی اور بعض نے مرتد بعد واقع غدیر اور بعض نے مرتد بعد وفات اور بعض نے ایمان سے خارج اور اسلام میں داخل اور بعض نے مرتکب اکبر کبار یعنی حق چھپانے والا کہا ہے۔ ان وجوہ پر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ نادان یا نہایت عاجز تھے اور خداوند کریم بھی ڈرتا اور ان کی نجات پر قادر نہ ہوتا ان باقی صورتوں میں (لازم آیا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہایت بے تاثیر تھی کہ سواد و ایک کے کوئی مخلص نہ رہا اور حضرت امیر المومنین کو خمس اور فے ان کے جہادوں کا لینا اور لوٹریوں پر تصرف کرنا کیونکر جائز ہوا اور نہ ان کا لڑنا جہاد تھا اور نہ وہ دین کے مددگار تھے نہ یہ کچھ غنیمت اور فے تھی۔

۷۔ مذہب شیعہ خلاف ظاہر ہے اس لیے کہ حضرت امیر سے لیکر تا جملہ ائمہ بظاہر اہل سنت تھے اور شیعہ کو اس میں گنجائش انکار کی نہیں دعویٰ تقیہ جو بہت سے امور کا جواب ہے اسی پر مبنی ہے اور اثبات خلافت کے واسطے دلیل یقینی چاہیے وہ کیا دلیل عقلی یا نقلی راہوں؟ ۸۔ آیت اہل بیت علیہم السلام و رسولہ نص نہیں ہو سکتی اور شان نزول اگر خاص ہو تو حکم عام ہوتا ہے اور الذین امنوا صیغہ جمع کا ہے۔ اور انگشتی دینی نماز میں اس روایت کا کیا ثبوت ہے اور سوائے حضرت امیرؓ کے اور کوئی مراد نہ ہو اس کی کیا دلیل ہے۔ اور انگشتی دینا زکوٰۃ تھا جیسا ظاہر لفظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے تو اس میں کیا وجہ کمال کی ہے کیونکہ فرض ادا کرنا ہر مسلمان کا کام ہے

۹۔ حدیث ثقلین یعنی خطبہ غدیر وہ بھی پوری حجت نہیں مولیٰ کا لفظ مشرک ہے اور اللہہ قال من ولّاہ وعاذ من عاذاہ (اے اللہ اس سے محبت رکھ جو علیؓ سے محبت

رکھے اور اس کو دشمنی رکھ کر جو علیؑ سے دشمنی رکھے (قرینہ مجتہد کے معنی) کا موجود ہے پھر شیعوں کے پاس کیا حجت ہے کہ امر ضروری کو کہ مثل اقرار توحید و رسالت ہے ایسے حیدرستان کی طرح ثابت کرتے ہیں۔

۱۰۔ اذان کے اندر جو اشہدان امیر المؤمنین علیؑ ولی اللہ مذہب شیعہ میں زائد ہوا ہے اور معمول ہے۔ اگر ایسی اذان زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروج اور مروی ہوتی آئی ہے تو اس کی سند ارشاد ہوا اور اگر بعد میں ارشاد ہوئی تو کون سے امام وقت میں یہ صورت اعلان مذہب کی ہوئی۔

۱۱۔ بعض حضرات! امیر المؤمنین امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو گردن تقیہ کی میدان کر بلا میں مار دی علی الخصوص جب سب رفتار شہید ہو چکے تھے۔ تو اس کی کوئی وجہ معقول ارشاد ہو اور فسق یہ یہ کیا کفر وارث اور وفاق خلفاء سے کچھ بڑا ہوا تھا جو حضرت امام نے ایسا کیا۔

۱۲۔ اولادِ ائمہ نے جیسے حضرت زیدؑ اور یحییٰ بن زید اور اسماعیل نے دعوتِ امامت کیا شیعوں کے اصول پر نا صبی بلکہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں اور چاہیے یوں تھا کہ اہل البیت اور خاندانِ بائیں رگھروالا گھر کی چیز سے زیادہ واقف ہوتا ہے (ر کے تحت) نص امامت ان کو زیادہ آگاہی ہوتی اور آیت تفسیر کا اثر اور عمرت کے متمسک ہونے کی کچھ تو تاثیر ان میں باقی رہتی۔ علاوہ بریں ائمہ نے جو اس زمانہ ہی میں تھے ان کے فعل کو گناہ تک نہ گنا اس کا کیا جواب ہے۔

۱۳۔ یہ زمانہ بزرگ شیعوں امام سے خالی نہیں اور امام سے یہ غرض ہے کہ حجت قائم ہو

اور طالب حق کو حق مل سکے اب امام کی یہ غیبت کہ آشنا و بیگانہ کسی کو رسائی نہیں اب سائے جہان میں موافق و مخالف میں کوئی طالب حق نہیں یا دین میں کوئی حاجت پیش نہیں ہوتی یا یہ صورت امام سے خالی ہونے کی نہیں ہوتی اگرچہ یہ وجود عدم کے برابر ہے

۱۴۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں شیخین کے مناقب پر سبہ بیان فرمائے بلکہ تفصیل دے کر علیؑ ابو بکر و عمر و عثمانؓ سے افضل ہیں (پر خدا فرما رہے تہدید کیا اگر یہ تقیہ تھا تو ان مردوں کو کون سے تھا یا زندوں سے زندے تو آپ کے سب شیعوں

تھے اور جہاں نہارتے اور بعض منافق بھی ہوں گے تو ایسے لوگوں کا کیا ڈرتا اور مردوں سے اتنا
ڈر خارج قاعدہ سے ہے بہت ہوتا سکوت فرماتے یا قلیل سی کچھ تعریف کر دیتے اس کی کیا
وجہ ہے ارشاد ہو۔

۵۔ جب اپنی خلافت کے وقت میں حضرت امیر المؤمنین کو حاجت تھی تو فرمائیے
شیخین کے زمانہ میں اگر خلافت ہو بھی جاتی تو کیا کام نکلتا اس سے معلوم ہوا کہ عز و عدہ مہموم
غرض مہدی (علیہ و علی آباء السلام زمانہ غلبہ حق کا کوئی نہیں ہوا جب گیارہ اہم اس رنگ
کے ہوئے اب بارہویں اہم سے باوجود اتنی غیبت کے کوئی عاقل کیا توقع رکھ سکتا ہے اس
مخافت کی کوئی وجہ محقول بیان فرمائیے فقط۔

خط شکایت امیر شیخ احمد رضا مع حال صفائی عقیدہ خود بجانب مولوی عبد الصاحب

حضرت مولوی صاحب اجوابات جو آپ نے بھیجے ہیں وہ واقعی نہایت عمدہ اور قابل
تعریف ہیں جس جس معاملہ میں مجھ کو شک واقع ہوا تھا وہ معاملات طے ہو گئے اور جو کچھ
معاملات اور شک سے باقی ہیں وہ بوجہ برہمی مزاج خدام میں پوچھ نہ سکا مگر عالم و فاضل
کو سوال کے جواب دینے میں سختی اور برہمی کرنی واجب نہیں کیونکہ علماء کا یہی کام ہے
اور سائل جس کو پوچھنا کسی امر کا منظور ہوتا ہے وہ کس سے پوچھے سوائے عالم کے مگر افوی
کہ یہاں بر خلاف معاملہ ہوتا ہے کہ آئندہ سائل سوال نہ کرے فقط زندہ شیخ احمد

خط مولوی عبد الصاحب کو خط منشی شیخ احمد رضا مہربان والا شان حسنا لا تعدی شیخ احمد رضا علیہ السلام

خاکسار عبد اللہ بن مولوی محمد انصار بعد سلام مسنون الاسلام منظر مراحم ہے کہ خط فرحت
پہنچا باعث فرحت بے غایت کا ہوا جو کہ آپ نے شکایت برہمی مزاج کی تحریر فرمائی۔ یہ
تحریر بسبب ناواقفیت کتب مناظرہ کی ہے جب آپ داب مناظرہ سے واقف ہوں گے

یہ بڑھی بے موقع اور خلافت طبع معلوم نہ ہوگی خصوصاً مذہبی مناظرات میں کہ ایک دوسرے کو گمراہ اور ناحق شناس جانتا ہے اس کی تصدیق آپ کو ان تحریرات سے جو کہ سید احمد خان کی طرف بطور فتویٰ ہوئی ہیں، ہو جاوے گی اور واللہ ثم باللہ آپ ہمارے کلام کے مخاطب نہیں بلکہ ہمارے کلام کے مخاطب وہ ہیں کہ جس کی مجاورت سے تم کو شبہات دین مبین میں پڑ گئے اور وہ لوگ درحقیقت عند المسدین خصوصاً نزد علماء ایشاں آئے ہیں جیسا کہ ہم نے ان کو لکھا ہے۔

(شیعہ تبرہ باز کا حکم)

کیونکہ سہارنپور میں علماء شیعہ نے اظہار دیا کہ ہم نے مذہب میں تبرہ فرض عین ہے اور جس طرح بن پڑے کرتے ہیں یہاں تک کہ دلیہز اور فرش کے نیچے عقائد کے نام لکھ کر توہین کے لیے رکھتے ہیں (معاذ اللہ)

جب ان کا یہ حال ہے تو علماء سنیہ موافق قول فقہار سب اشعین کفر و شیخین کو گالی دینا کفر ہے (کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ہم نے تمہارے اس شبہ کی پیش بندی کر دی تھی چنانچہ عبادت سوال سے واضح ہے کہ ہم نے مخاطب علماء شیعہ کو بنایا ہے آپ نے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ کہ جو سوالات آپ نے کئے تھے وہ درحقیقت ہم نے شیعوں کی طرف سے سمجھے اور تم کو سفیر محض جانا اس لیے ہم نے انہی سے سوال کے ذریعہ خاص تم سے سوال کرتے۔ مگر واللہ ہم تم کو سفیر جانتے ہیں کیونکہ درحقیقت آپ کو پوچھنا ملاحظہ ہوتا تو آپ کو یہاں آنے سے کیا پرہیز تھا جیسے اور لوگ مسد پوچھ جاتے ہیں آپ بھی پوچھ لیتے پر چونکہ آپ نے لکھ کر بھیجے ہیں ہم نے جانا کہ یہ اور ہے درپردہ سوال کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا تو عقیدہ ایسا نہیں اس لیے ہم نے اس کو بدھت بنایا آپ کو کیوں ایسا برا معلوم ہوتا ہے۔ ہرگز ہرگز آپ کی طرف خطاب نہیں شوق سے جو چاہا ہو پوچھو تم ہمارے مہربان اور کرم گستر ہو۔ آپ کے حسن ظن سے نہایت بعید ہے کہ جو آپ اے خطاب اپنی طرف جانیں اور ہماری عین خوشنودی ہے کہ جو شبہات تم کو اور باقی ہوں وہ بھی پیش کر دتا کہ مذہب میں

میں نہ رہا اور اپنے دین کی نیکی معلوم ہو جائے حدیث میں آیا ہے کہ ناواقف کی شمار سوال ہے یعنی جس کو شبہ لاحق ہو اس کو پوچھ لینا چاہیے ورنہ شیطان بلکہ بعض انسان صورتہ شیطان حقیقتہً مثل روافض کے اس شبہ کو اور پختہ کر دیتے ہیں حتیٰ کہ خارج از اسلام ہو جائے اس لیے التماس ہے کہ ضرور پر ضرور طبیعت شریف کو شبہات باقیہ سے صاف کر لیجئے آپ کے والد ماجد نے دین کے تحفے بمقتضای التوفیق الیک کے آپ کو بھی صفائی و درباب عقیدہ ضرور حاصل کرنی چاہیئے جب کہ تمہارے اتحاد حاصل ہے تو مناسب یہ ہے کہ آپ بے تکلف تشریف لاکر بالموافقہ خواہ علانیہ یا درپردہ صفائی باطنی کر لیجئے نقل مشہور ہے ”شرح میں کیا شرم ہے“

(عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں)

جب تک آدمی اپنے دین کی کتابوں سے واقف اچھی طرح نہیں ہوتا اور دوسرے دین کی کتابیں نظر سے گذرتی ہیں تو یقیناً شبہات پڑ جاتے ہیں اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات دیکھنے سے حضرت نضر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو منع فرمایا اس واسطے عاقل کو مناسب ہے کہ جب تک طرفین کے دلائل نہ مننے ایک طرف نہ وصل جائے حاکم بھی دونوں کی ہی بات سن کر فیصلہ کرتا ہے خاص کہ دین کے باب میں نہایت احتیاط رکھنی چاہیئے اس قاعدہ کو اگر آپ بھی ملحوظ خاطر تشریف رکھیں گے تو انشاء اللہ کبھی کسی بے دین کے دھوکے میں نہ آئیں گے۔

اور جو کتاب تمہارے سوالات کے جواب میں (آپ کو) پہنچی تھی یہ مدرسہ عربیہ دیوبند کی طرف سے تھی اور انہی سوالات کے جوابات جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نے میرٹھ سے بھیجے ہیں بعد نقل کے وہ بھی خدمت میں مرسل ہوں گے جیسا کہ جواب مدرسہ سے ازالہ شبہات ہو کر آپ کو نفع حاصل ہوا انشاء اللہ مولوی صاحب ممدوح کے جوابات سے اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا اور باقی شبہات اگر پیش کرو تو فرماور نہ ان کو بھی شبہات زائدہ پر قیاس کر کے گور شر زبان لومگا پیش ہی کرنا اولیٰ اور انس ہے

لہذا اس سے مثل بیوہ کمرہ بیت گاہے مکان
 مداح جن کا آپ ہی رب و جہاں
 مضمون انما اے کر آ بے خود عیاں
 شیعوں کا حال نظم میں کرتا ہوں کچھ بیان
 ہیں محض بے وجود کچھ ان کا نہیں نشان
 بے اہل ہے سمجھتے نہیں ہیں وہ بنگان
 وصبا لگائیں ہائے تفسیر کا ناگہاں
 ازراہ ظلم حضرت صدیق نے میاں
 عثمان ذی حیا بہ کا بھی ایسا یہ بیان
 ٹپکے ہے اس کلام سے جو کچھ ہے قوت
 باطن میں سو طرح کی عداوت نکھیں نہاں
 پیرو اسی کے ہیں یہ بھی خور و اور کلاں
 پھر وہ محب آل نبی ہوں بھلا کہاں
 یہ ان کا مرہ جو ان کو کہیں کچھ خدا کی شان
 داماد مرصعی کو کہیں میر خاستاں
 قرآن کو بتاتے ہیں پندت کی پوچھیں
 مسجد کو گاؤ خانہ سمجھتے ہیں بد زبان
 لکھنا بنائیں گور شہ فخر خاندان
 روح زید و عمر کو کرتے ہیں شادمان
 قید زید میں نہوا حضرت کا خاندان
 پردہ میں دوستی کے کریں دشمنی عیاں
 لا لورث وہ سنتے نہیں ہیں بگوش جان

حمد خدا و لغت نبی میں میری زبان
کیا تاب ہے قلم کو کھے وصف چارنگ
کیا پوچھتے ہو خوبی حضرات اہل بیتؑ
اے سالکانِ سنت خیر البشر سنو
شیخین کی جو شان میں کرتے ہیں اعتراض
کرتے ہیں جمخلافت شیخین میں کلام
شیر خدا کی زور شجاعت سے منہ کو موڑ
کہتے ہیں صاف صاف خلافت علیؑ کی
ایسا ہی بن خطابیؑ نے ان سے کیا لوگ
و عویٰ جب حیدر کمار و یحییٰ
ظاہر میں یحییٰ کی محبت میں دم بھریں
عبداللہ بن سبا جو یہودی تھا بدگسر
لغت پر چبکی ٹھڑے ہے بنیاد آن کے
صدیقہؑ جن کی شان میں نازل ہو طیبات
کچھ بھی لحاظ نہنگ علیؑ نہیں
مرثیہ کو کتاب الہی سمجھتے ہیں
بولیں کھپائی خانہ کو سب خانہ امام
صد ہا بنائے شاہ نجف اور کمر ہلا
مہر سال تعزیر یہ بنا کر کے روسیہ
کہتے پھرے ہیں شہر کے کوچوں میں ہلا
اللہ سے یہ حب علیؑ اور یہ گفتگو
بلغ فک کے باب میں ناگفتنی کہیں

جو جو کہیں ہیں غلط زمرہ کی شان میں
متعہ کا ایک بہانہ عجیب ہاتھ آگیا
وہ ان کے مجتہد تھے کہ جن کے قیاس سے
مومن وہی ہے جو کہ اصحاب کو برا
سمجھائے کوئی لاکھ پر یہ مانتے نہیں
میں چند اعتراض قدیمی گھڑے ہوئے
علماء و بیدار بھی دے کر انہیں جواب
ہے شیخ احمد ایک جوان دیوبندی
دیکھا جو ان کو مولوی یعقوب نے تمام
دندان شکن جواب لکھو ان کا کل ملک
پھر وہ سوال مولوی صاحب نے بلند تر
لکھ کر جواب مولوی قاسم نے فی البدیہ
عبداللہ مولوی نے بھی ان کا لکھا جواب
وہ سب جواب مسجد جامع میں الغرض
شبابش و آفریں کی صدچار سو ہوئی
پھر وہ جواب بھیجے گئے جبکہ لکھنؤ
تاریخ کا جو فکر تھا عبداللطیف کو
کس فکر میں ہے دیکھ لے مالا لکھنؤ

ایضاً منہ

بفضل خدا طبع فرمودہ اند
سن الطباشش چو میخو استم

پٹ جائے زمین قریب گرجائے آسمان
مصرف ہے زمانہ میں ہر ایک پر اور جوان
جباری ہو جہان میں ایک فعل رطیاں
میں نے سنا ہے بار بار یہ قول شیعاں
سنتے نہیں کسی کی حدیث ہوئے یا قرآن
کرتے ہیں بار بار وہی پیش موناں
تروید میں ہیں مذہب بطل کے جاوہر
بیچھے تھے مدرسہ میں سوال اس نے ناگہاں
عبداللہ مولوی کو بلا کر کہا کہ ہاں
تا آئیں راہ راست پر بدراہ گمراہاں
ایک خط میں بند کر کے میرے گھر کو بھیج دو
بیچھے وہ دیوبندی میں فی الفور اے میاں
کس شان و اہتمام سے دون کے دریا
کس لہجہ سے پڑھے گئے پیش مشائخ
احسنت مرحبا کی نڈاسے کھلے دہاں
ہر مجتہد کی آیا زبان پر کہ الاماں
ہاتھ لے کان میں کہاں یوں آگے لگاں
چکر میں آ رہا ہے ہر اک مجتہد یہاں

(۱۲۹۰ھ)

جوابات شیعہ بطرز نیکو
ملک گفت رو روافض بگو
(۱۲۹۱ھ)

طبع دوم ۱۳۰۱ھ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور کوہ جرنوالہ

إِنَّ الَّذِينَ فَتَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَنتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

(التعام)

اجوبہ الاعدین

ردِّ روافض

حصہ دوم



اثر: حجت الاسلام محمد دین و علوم بائی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

۱۲۴۸ھ ————— ۱۲۹۷ھ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نز و تحفہ کچھر کوہر النوالہ

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ جوہر اربعین کا دوسرا حصہ پیش خدمت ہے حضرات شیخ کی طرف سے جو چالیس سوال ترقی الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے تھے ان میں سے انیس سوالات کا جواب حصہ اول میں دے دیا گیا باقی ماندہ بارہ سوالات میں سے سات سوالات کے چار سوال بنائے گئے یعنی مسائل نے ایک سوال کی مختلف شقوں کو علیحدہ علیحدہ سوال بنا کر پیش کیا تو حضرت نانوتویؒ نے ان شقوں کو ایک ہی سوال کے نیچے جمع کر کے سوال کی ایسی ہی تقریر کر دی اور پھر اس کے جواب میں سوال کی ہر شق کا جواب تحریر فرمایا۔ اس حصہ میں بظاہر بارہ کی بجائے نو سوال درج ہیں لیکن حصہ ہذا کا سوال ۱۲ حقیقت میں تین سوالات کا جواب ہے جیسا کہ حصہ اول کے سوال ۱۱ کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے خود اس بارہ فرمایا ہے اور اسی طرح حصہ ہذا کے سوال ۱۳ کا جواب حقیقت میں دو سوالات کا جواب ہے اس میں دو سوال (فدک اور دراشت) انبیاء جمع کر کے ایک سوال کر دیا گیا، اور پھر ایک ہی جواب دیا گیا تو سوال ۱۴ کا جواب اصل میں دو سوالات کا جواب ہے یہ حصہ کافی مشکل اور اوق ہے۔ خصوصاً سوال ۱۵ کے جواب میں حصہ میں متعذرا فدک اور اشت، مسند حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صفحہ کی اہم مسائل اور دقیق علمی نکات حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمائے ہیں جو صرف پڑھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ان چار جوابوں کے بعد پانچ جواب گذرہ سوالوں کے ہیں۔ ان کا انداز بیان نسبتاً کافی آسان اور عام فہم ہے۔ اس حصہ میں غزوات اصل میں مولانا مسر محمد صاحب نے قاضی کے ان کی تصریح مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور فاضل زبیران مولوی محمد اشرف نے کی اور مفتی صاحب اور مولوی محمد اشرف کی خواندگی کے بعد احقر عبدالحیہ براتی نے بھی اس کی ریڈنگ میں حصہ لیا۔ حوالوں کی تلاش اور عبارت کی دیکھی میں مولوی محمد اشرف نے بہت کاوش اور محنت کی ہے بعض حواشی لگائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔

اب جوہر اربعین کے بارے میں یہ کہنا ہے جائز ہو گا کہ انشاء اللہ یہ کتاب استفادہ کے قابل ہوگئی ہے۔

واللہ علی ما نقول وکیل

احقر
عبد الحمید سواتی

خادم مدرسۃ العلوم کوہہ ازالہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ / ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(عرض نامہ شرق قدیم ۱۲۹۲ھ)

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم ملك يوم الدين
والصلوة والسلام على سيد المرسلين وآله وذريته وصحبه اجمعين

اما بعد :

طالب نجات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب لا جواب دوسرا حصہ اجوبہ اربعین کا
ہے پہلے حصہ میں اٹھائیس سوال مع جواب چھپے ہیں اب باقی ماندہ بارہ سوالات اہل تشیع کے
جوابات جو خاص ریختہ قلم صواب رقم قاضی بے نظیر علی عزیزی قائم المحققین سلطان المہد قعین نکتہ الاکام
جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ہیں اس حصہ میں طبع ہوئے اب یہ کل سوالات بھی
اور جوابات بھی چالیس چالیس پائے ہوئے۔

(مولانا نانوتوی کا ترجمہ علمی)

مگر افسوس کہ اس نالائق کی جی کی جی میں رہی اور جی میں نہ تھی وہ بے ساختہ زبان قلم سے
نکل گئی یعنی اس کتاب کا ویجاہ میری طرف سے لکھا گیا تو بے اختیار جی میں آیا بلکہ فرض واجب
تھا کہ میں کچھ ذکر خیر جناب مولانا محمد سعید سلطان الاذکیاء امام الاتقیاء امیر الفقہاء تحریر العلماء کا بھی لکھوں
اور اس فرصت و مدت قلیل میں اہل ان کے قلم برداشتہ تحریر مستغیر کی کچھ تعریف واقعی اور توصیف
حقیقی بلا مبالغہ بیان کروں مگر اول ترجمہ میں نہ قوت بیانی نہ طاقت لسانی نہ چنداں معنی فہمی بخدائی
پھر کس حوصلہ پر نصیحت سے ہمدانی۔ دوسرا اگر کچھ نے سنائے سیکھے اڑائے سڑ پڑ خاک بدتر و چار

حرف شاید کچھ بھی سکتا تو اس اندیشہ نے ہاتھ روکا کہ مبادا صرف ان منہ خرافات کے ہی جوابات
 لکھتے ہیں کوئی جناب موضوع کی تعریف کا حصر کچھ بے یاخذ انخواستہ ان جوابات کی غفلت پر سوالات
 کی متانت اور سائل کی لیاقت پر بھی کسی قدر احتمال کرے اس لیے میری زبان تو ولی تمنا کے ادا
 سے عاجز و قاصر رہی مگر ہاں قلم بے ہودہ رقم سے بہ نسبت سوالات کے نفرین کی جگہ بے ساختہ
 آفرین نکل گئی کیونکہ اگر اہل شیعہ یہ زہر نہ اگلے تو مولانا کی قلم سے یہ مضامین تریاق فاروقی کیسے نکلتے اگر
 یہ لوگ محرک نہ ہوتے تو مولانا ممدوح اہل تسنن کی بے علمی پر رحم فرما کے اپنے احباب کے اصرار سے کیوں
 اپنے اوقات قدریہ کو اس طرف ضائع کرتے اور پھر کس ذریعہ و وسیلہ سے یہ جوابات و فغان شکن
 اور جواہرات سخن آئینہ گوش ہوتے اس ظلمات میں تو ہم کو آب حیات ملا ہے شجرۃ الایمان کے
 سرسبز و نشوونما ہونے کے لیے یہ عمدہ کھات ملا ہے۔ اسی کی سیس نے تو مولانا کے شمشیر قلم
 کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس خاک نے تو آئینہ قلوب کے زنگ مٹائے ہیں۔ اللہ اللہ۔

یہ لعل بے بہا پائے ہیں ہم نے کوٹے کرکٹ میں

اب ان سوالات کی رکاوٹ اور ان کے جوابات کی وجہ تحریر کی نسبت جو جناب مولانا
 لکھتے ہیں وہ دو تین سطروں بھی ہم بلفظ سوال و جواب کے پہلے لکھ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر
 چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے تیلے میں
 سے چاند مگر بائیں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا ہے اور یوں سمجھ کر کہ "جواب
 جاہلان باشد نحوشی" اگر ایسے خرافات کے جواب میں سکت کہا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور
 بھی جرات ہوتی جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے مختصر مختصر جواب
 سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔

سوال اول از جانب شیعہ

سنی کہتے ہیں کہ یہ شیعہ گمراہی کس سے ایسا ہوئی فقط ایران سے نکاس اس فرقہ کا ہے
 یہ پچلے ایران والے تعزیر نہیں بناتے البتہ اور طرح کی بدعت قبیحہ کرتے ہیں سوائے اللہ
 تعالیٰ بیوم الحساب معلوم ہو گا۔ آدمی کو چاہیے کہ جس میں داخل نہ ہو اس میں داخل نہ ہو۔
 ہینوں کو معلوم نہیں کہ شیعہ کچھ کہتے ہیں اور سنی کسے۔ آخر اس کہانی کو کسی کتاب کے کتنا تھا

جب کہ سنی کے کلام سے معلوم ہوا کہ شیعہ ایران سے ہوتے تو ضرور سنی مسلمانوں نے حضرت
 امام حسینؑ کو ذبح اور امام حسنؑ کو زہر دیا پھر یزید ہونے سے کیوں برا مانتے ہیں۔
 واضح ہو کہ شیعہ اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ اثناعشر علیہم السلام
 کو بائیسین حضرت کا جانے اور سنی اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخین و
 جناب امیر و معاویہ و یزید و عبد الملک و ولید و ہشام و سلیمان و ولید بن یزید کو اعتقاد کریں چنانچہ
 تصریح کی اسکی ابن جریر کی تصانیف و فرقہ میں ص ۱۵۱ اور ابن حجر عسقلانی نے و ملا علی قاری شارح فقہ
 اکبر و قاضی عیاض وغیرہم نے کی ہے۔

جواب (سوال) اول

(ہندوستان میں شیعیت ایران کی بدولت پہنچی)

ابھی صاحب اتنا کیوں پڑا مانتے ہو اور مذہب شیعہ کے ایران سے نکلنے سے ایسا کیوں
 کانوں پر ہاتھ دھرتے ہو سنیوں کا یہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ لے یہ فرقہ یوں تو بہت دنوں سے کار
 فرماتے بدعت و فساد ہے ہاں ہندوستان میں یہ بدعت البتہ ایران ہی کی بدولت پہنچی ہے
 نہ ہمایوں اور بلو شاہان ایران کے باجم یہ ربط و اتحاد ہوتا نہ وہاں کے امراء علماء یہاں آکر سلوہ لومہاں
 ہندوستان کو گمراہ کرتے بالکل ہندوستان میں یہ فساد ایرانیوں ہی کے طفیل پھیلا ہے۔ ورنہ یہ فرقہ
 یوں تو قدیم سے چھپا چھپا یا چلا آتا تھا۔
 (شیعہ کی بدعتی و مظالم)

اور انہی صاحبوں نے جبکہ گوشہ سیدۃ الفنا رضی اللہ عنہا حضرت شہید کربلا رضی اللہ عنہ
 کو شہید کیا تفصیل اس بات کی مطلوب ہے تو کان دھریئے اور سنئے کو قیام باوقاف جنوں نے
 سالہا سال واد شیعہ گری دی تھی پھر حضرت مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر گئے اور
 میدان کربلا میں آکر خون شہیدان اہل بیت علیہم السلام سے۔ دشت کربلا کو رنگین کیا۔
 کوئی صاحب حضرات شیعہ سے پوچھے یہ کون تھے اور کس کے مرید تھے حضرت امیر رضی اللہ عنہ
 رافع لفرز کوفہ ہے یا حضرات اصحابہ ثلاثہ امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں ہی مدعیان عتبت تھے۔

جنہوں نے دعوتِ تشیع کر کے انجام کار یہ وفائی کی یا اور کوئی؟ بالحد حضرت امیر مثنیٰ الشہدہ کی کتاب میں ہمیشہ یہی مدعیانِ دین شاہ ہے جن کی مداخلت کے باعث دوستان یا اخلاص کو رسائی نہ ہونے پائی۔ الغرض یہی باوقایانِ بے وفا حضرات ائمہ رحمہم اللہ کو ہمیشہ دھوکہ دیتے رہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی شکست کا باعث یہی ہوئے اور حضرت مسلم کو اسنوں ہی نے شہید کر دیا حضرت سید الشہداءؑ و شہیدِ کربلا کی جان نازنین پر انہی کی تیغ ستم چلی حضرت زید شہید صاحبِ جزا و حضرت سجادؑ انہی بزد گواروں کے بھروسے جان بحق ہوئے۔ سنی و بچاے تمہارے گمان کے موافق کس دن ساتھ ہوئے تھے؟ سچ یوں ہے حضراتِ شیعہ، نامتجانِ یزید و شمر اور کاپر و ازان عبد اللہ بن زیاد ہیں۔ زمانہ کے گزر جانے سے ناچار میں ورنہ جو کچھ کرتے حضرت ام ہی کے ساتھ کرتے۔

۱۔ ملا محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں: شیخ منیدہ و بیرونی نے بندہ نے معتبر روایت کی ہے کہ جب حضرت علیؑ نے لوگوں سے بیعت کی اس وقت عبدالرحمن بن ملجم مروی بھی آپ کی بیعت کرنے آیا جناب امیرؑ نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ وہ تین مرتبہ آپ کی خدمت میں آیا اور تیسری دفعہ جناب امیرؑ سے بیعت کی جب وہ چٹا جناب امیرؑ نے دوبارہ اس کو بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور اس سے پختہ قصہ لیا، و جلا العیون مترجم ص ۲۸۷

عبد اللہ بن زیاد بھی حضرت علیؑ کے ساتھ رہا ملا صاحب لکھتے ہیں: پس معاویہ نے زیاد کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا چونکہ وہ شیعوں کو پہچانتا تھا اور ایک مدت تک جناب امیرؑ کے ہمراہ رہا تھا۔ (ایضاً ص ۳۲)

قاتلانِ جگر گوشہ رسول حضرت ام حسینؑ کا کون لوگ تھے شیعہ کا اپنا استدلال غلط ہو۔ پھر میں ہزار اہل عراق نے ام حسینؑ سے بیعت کی اور جنہوں نے ام حسینؑ سے بیعت کی تھی خود انہوں نے ام حسینؑ کے مقابلہ میں شمشیر کھینچی اور ابھی بیعت ام حسینؑ ان کی گدوں پر تھی کہ ام حسینؑ کو شہید کر دیا اس کے بعد ہمیشہ اہل بیت پر ستم کرنے ہم کو ذلیل کیا۔ (ایضاً ص ۳۱)

قاتلانِ امام حسنؑ کی فتنہ شیعہ کا اپنا اقرار جب امام حسنؑ کو مدائن میں خنجر مارا زید بن وہب جہنی امام حسنؑ کی خدمت میں آیا اس وقت آپ وہ عالم کی حالت میں تھے۔ زید نے کہا یا بن رسول اللہ کیا مصلحت ہے تحقیق کہ لوگ اس کام میں متحیر ہیں حضرتؑ نے فرمایا قسم بخدا اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں اور میرے قتل کا ارادہ کیا اور میرا مال لوٹ لیا۔ (ایضاً ص ۳۱) دیکھو حضرت نازوقیؑ نے یہ نہیں کہا بلکہ حضرت امام حسنؑ نے اپنا خنجر بھی ان لوگوں کے بارے میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔ (امداد شریف ص ۱۰)

تا چاری ان کے معبرہ کی تصویر اور ان کے ہمراہیوں کی نعشوں کی خبر لیتے ہیں ڈھول بجاتے ہیں علم اٹھاتے ہیں شدائی دکھلاتے ہیں یہ کام اس روز کس نے کئے تھے، مشتے نمونہ خزانہ سے۔

قیاس کٹن زنگستان من بہار مرا

(اہل سنت حق چاریا کے قائل ہیں)

اور یہ سچی ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یار کو بہتر ترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد (موجود علی منہاج النبوة) اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کوسنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موجود) نہیں سمجھتا۔ ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے۔ دروغے راجز اباشد دروغے۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ حضرات شیعہ البتہ ان بزرگواروں کو امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں ورنہ یوں ان کا امتناع نہ کرتے کہ حضرت امام ہاتھ نہ لگے تو ان کے روضہ کے بانس جدا کر ڈالے اور حضرت قاسم پر پس نہ چلا تو ان کی نعش پر تیر چلا کر دل کے پھوپھے پھوڑے۔ مریٹے لگائے اور شادیانے بجائے باقی جو آپ ابن حجر مکی اور ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری اور قاضی غیاض کا حوالہ دیتے ہیں یہ آپ کا قصور نہیں یہ آپ کے مذہب کی خوبی ہے تفتیہ کی آڑ میں جہاں خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سینکڑوں طوفان باندھے خدا والوں اور رسول والوں پر بھی ایک تہمت نکلانے چلے تو کیا یہ حیا کیا۔ اجماعی صاحب اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے خلیفہ راشد نہیں سمجھتے اگر کسی نے ان کو خلیفہ سمجھا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں ملے۔

لے امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤی فرماتے ہیں۔

”درجہ اول، خلافت راشدہ خاصہ جس کو خلافت علی منہاج النبوت بھی کہتے ہیں۔ یہ درجہ خلافت سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اولین ہیں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر مثل بدر واحد و حدیبیہ و تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں اور آیات الہی کے وعدوں کے موجود اہم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ اور حق خلافت ہر نمایان فرمایا۔ پھر ان کا خلیفہ بنانا امت پر لازم کر دیا ہو اور دین الہی کی ملکین ان کے ہاتھ سے ہوئی ہو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علماء محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا رہائی سوا پر“

(مملک اور ملک کا حفظ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آیا ہے)
 حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں وَشَدَّ دَنَا مَلِكًا رَجِمَ لَہٗ اَن کی حکومت کو مضبوط کیا اور حضرت
 سلیمان علیہ السلام کی شان میں وَهَبَ لِي مَلِكًا اَلَا (اے رب مجھے بادشاہی دے) وار و ہوا ہے۔)

بقیہ حلیہ : حضرت ثلوث رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انہی پر ختم ہو گیا ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب
 تھا کہ گرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ تینوں غلطیوں میں بے جا ہونے کے آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس طرح
 چاہتے ہیں ان کھڑیوں کو حرکت دیتے ہیں اور جو کام چاہتے ہیں ان سے لیتے ہیں یہ تینوں غلطیوں میں گمراہیوں کے ہیں۔
 کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آواز بھری ہوئی ہے جو آواز ان سے نکل رہی ہے ان کی آواز نہیں
 بلکہ مسدود آواز کی آواز ہے ان تینوں خلافتوں میں بھی شیخین کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے درجہ دوم خلافت راشدہ
 مطلقہ پر درجہ خلافت کا گویا پہلے درجہ سے درجہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت درجہ ہے آسمان نسبت بحر شرف
 و درجہ میں عالیست پیش خاک یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لیے ہے جن کا متعلق خلافت میں جہاں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے بیان فرمایا ہو مگر امت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا ہو۔ یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ لہرین
 کو حاصل تھا اور چھ بیٹے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطا
 کو میرے بعد خلافت تین سو برس ہے اس سے مراد وہی دونوں قسمیں ہیں خلافت کی قسم سوم۔ خلافت عادلہ یہ درجہ
 پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہو گیا اور اس جگہ کے حاصل ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع شرائط
 ہو اور متعلقہ خلافت اس سے فوت نہ ہوئے ہوں اس کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا
 استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو حضرت معاویہ کی خلافت اس قسم میں داخل ہے اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل
 ہوتی ہیں کہ بوجہ خلافت راشدہ کا جہر تک ہونے کے بعض علماء نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے جیسے حضرت
 عمر بن عبد العزیز کی خلافت اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے۔ قسم چہارم۔ خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ یہ درجہ بالکل جہر تک
 بادشاہت و سلطنت ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں صرف
 بڑی بڑی شرطیں مثلاً اسلام و عقل و طہارت و ذکر و محبت وغیرہ ان میں پائی جاتی ہیں بعض خلفائے امیہ و اکثر خلفائے عباسیہ یہ قسم میں داخل
 ہیں۔ تفصیل کے لیے ازالۃ الغم مقصد اول ملاحظہ فرمائیں ۱۲ (مقدمہ تفسیر آیات خلافت ص ۱۲) ملاحظہ فرمائیں

بلکہ خود آپ خداوند کریم اپنی شان میں **بَلَدٌ مُّسَلَّمٌ السُّلُوبُ** اور **بَلَدٌ مُّسَلَّمٌ السُّلُوبُ** ایسے ہی **بَلَدٌ مُّسَلَّمٌ السُّلُوبُ** فرماتا ہے پر اس لفظ سے کسی خوش فہم نے یہ نہ سمجھا کہ جناب باری اور یہ دونوں نبی علیہما السلام بھی ایسے ہی تھے جیسے اور ملک کے مثل غزوہ شداد اور فرعون کے گزرتے ہیں یا بادشاہان مذکور فقط بوجہ ملک داری خدا اور انبیاء مذکورین کے برابر ہو گئے۔ یہ خوش فہمی البتہ شیعہ حضرات پر ختم ہوئی اور لفظ ملک کو جو صمیم کے پیش کے ساتھ ہے، کچھ چٹاں معنیہ مطلب اہل سنت نہیں سمجھتے تو کلام اللہ ہی میں **الْمَلِكُ** (بادشاہ) لام کے زیر اور صمیم کے پیش کے ساتھ فرماتے ہیں اگر کلام اللہ یاد نہ ہو اور کیوں ہوگا تو انٹھا تبصروں پارہ میں سورہ حشر کا مطالعہ فرمائیں۔ اور یہ فرماویں کہ لفظ ملک جو صمیم کی زیر اور لام کی زیر سے ہے کیا معنی ہیں؟ بادشاہ کو کہتے ہیں یا کچھ اور معنی ہیں؟ اگر حضرات شیعہ اس بات کو تسلیم کریں کہ لفظ مذکور معنی بادشاہ ہے اور بادشاہ سب ایک رنگ کے ہوتے ہیں۔ خواہ یوں کہ کہ بادشاہان مذکور خدا کی سی شان رکھتے ہیں، یا خداوند کریم معاذ اللہ ان کا ہم رنگ تھا تو اہل سنت والجماعت کی طرف سے ہم ذمہ کش ہیں کہ ہم بھی جس کو خلیفہ کہا کرتے ہیں اس سے خلیفہ راشد مراد لیا کرتے ہیں۔

اور اگر حضرات شیعہ اس بات میں یقین پانچ کریں تو بڑی کسم پستی کی بات ہے کہ اہل سنت پر مصمت الزام لگاتے ہیں اور آپ نہیں شرماتے، اہل سنت کو سب کو خلیفہ کہیں پر (موتوں) خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار بار ہی کو کہتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فتنہ کامل ہو ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے، سو خلیفہ راشد تو چار بار ہی اور زید، ولید، عبد الملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

(حضرت امیر معاویہؓ و حضرت امیرؓ کا معاملہ حضرت عمار بن ابی بکرؓ علیہما السلام بیان تھا)

اور حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ اس باب میں خلیفہ راشد ہیں نہ خلف ہیں۔ ہاں فضیلت

لے کہ بادشاہی اس کی ہے صرف ایک خدائے زیدست کی، حضرت امیر معاویہؓ کا ولید و زید سے الگ ذکر خیر حضرت زوتی کے ان خلیفہ عادل

ہائی ہرگز مستحق کہ ان کے ساتھ باہرین کے ساتھ چار بار لکھا جائے اور وہ خلیفہ نہ تھے مگر بعد و زید کی طرح جبار اور نالائق مجلسین

تھے اس تمام سیاق و سباق کا بخوبی سمجھنا چاہیے اور حضرت معاویہؓ کے حق میں بدگمانی پر گواہ نہ لکھنی چاہیے۔ صحیح ۱۲ مہر نور

حجت اور بزرگی صحابیت اور ائمتہ اہل المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اور اس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے۔ کیونکہ خداوند کریم تمام صحابہ کی نسبت فرماتا ہے یَوْمَ لَا يَخْذِي اللَّهُ الشَّيْءَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جس کو حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوائی کرے گا۔ سو جو کوئی اس پر بھی ان کو رسوا کرنا چاہے وہ خدا کا مقابل ہے ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں نگھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ اور خضر میں یہ جھگڑے قہقہے ہوتے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں انکار کی گنجائش نہیں در نہ اے حضرات شیعوہ خوف کفر ہے پھر بھی کو بزرگ سمجھنا لازم ہے۔ مناقشات صحابہ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ذکر ہے تاریخوں میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار تیسرے حضرت موسیٰ وغیرہ کو باوجود مناقشات معلوم پڑائیں گے اگر ایسا ہی ان حضرات کو کچھ نہ کہو تو کیا پیٹ پھول جائے گا کلام اللہ کے مخالف نہیں حدیث کے منافی نہیں اگر ہے تو موافق ہے۔

بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدعاش بیٹھا جائے۔ تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔ ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار بار اور ہاچوں پانچ چھ عیسے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے دوسرے خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سلیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں یزید اور عبد الملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ہاں عمر بن عبد العزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ فقط

(شیعہ کے منافی اسلام خصائص)

باقی رہی یہ بحث کہ شیعہ کے کہتے ہیں اور سنی کے کہتے ہیں سو اس سے ہمیں کیا بحث؟ پر بات میں بات آگئی تو ہم بھی تفصیل وار نہیں تو بالاجمال ہی اس امر میں کوئی پٹھانٹے چلیں۔

صاحبو! شیعوں اتنی ہی باتوں سے نہیں ہو جاتا شیعوہ ہونے کے لیے بڑے بڑے سامانوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علیؑ اور باقی ائمہ اطہار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھے اور کہے کہ ان کی نسبت نزول وحی کا بھی اعتقاد رکھے۔ دوسری یہ کہ ان حضرات کو دوا و نسخ احکام مختار سمجھے جو سمجھنے والے اب سمجھ گئے ہوں گے کہ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بالکل بے معنی ہو جائے گا کیونکہ حضرات ائمہ جب دوبارہ تحریم و تحلیل احکام خود مختار ہوئے چنانچہ یحلون مایث دون و یحرمون مایث دون جو کتاب نوادر میں اسی بارہ میں موجود ہے اس مطالبے کے لیے دلیل قاطعہ ہے تو ان کی نبوت میں حالت منتظرہ ہی کیا باقی رہ گئی گو اطلاق اسم نبی ان پر نہ کیا جاوے اور در صورت نبوت نبوت حضرات ائمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاقیت کا بطلان ایسا ظاہر و باہر ہے کہ کوئی کور باطن ہی انکار کرے تو کرے بلکہ اگر فہم سلیم ہو تو حملہ یحلون مایث دون و یحرمون مایث دون سے فقط انکار خاقیت ہی نہیں نکلتا اس انکار کے ساتھ حضرات ائمہ کا جملہ اقبیاء سے افضل و اعلیٰ ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے ان تینوں باتوں کے سوا دوا و امر اور بھی شیعوہ ہونے کے لیے ضروری ہیں بلکہ اگر ان کو اصل اصول مذہب تشیع کہا جائے تو مناسب ہے۔

اول بداء جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نعوذ باللہ نا عاقبت اندیش اور عواقب امور سے جاہل محض ہے۔ دوسرے تفسیر جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات اقبیاء و ائمہ تو ہمت اور انکار کے بھروسے ہم رنگ کفار و فاسق بنے ہیں اور بوجہ خوف اعداء ہمیشہ فرائض و ضروریات دین کو چھپاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

کافی کلینی میں اس کے علاوہ اس سبب تشریح بھی ہے کہ امام جعفر صادقؑ حضرت علیؑ کی شریعت کے قائل ہیں کہ حضور کا ہم مرتبہ اور واحد واجب الاتباع مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو امام ابو عبد اللہ فرماتے جو شریعت علیؑ کے میں میں رویتا ہوں چند باتوں سے وہ دیکھیں کہ میں ہوں ہیں ان کو وہی شان ملی ہے جو محمد کو ملی ہے اور محمد کی فضیلت تمام مخلوق النبی و المرسلین پر ہے۔ آپ پر حضرت خدا اور رسول پر عرض ہے کسی چھوٹی جڑی چیز میں آپ پر تشبیہ کرنے والا مشرک باللہ کی طرح ہے میرے المؤمنین وہ دروازہ ہیں کہ صرف ان سے اسلام میں داخل ہوتا ہے یہ وہ واحد راستہ ہے کہ جو سے چھوڑ کر چلا وہ ہلاک ہو گیا اور یہی شان و مرتبہ میرے بعد دیگرے باقی ائمہ بھی رکھتے ہیں۔

(شیعوہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں)

ان شروط کے بعد ایک شرط شیعہ ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ چند حضرات اہل بیت کی محبت کا برائے نام دعویٰ کر کے باقی جملہ حضرات اہل بیت کو کلمات گستاخانہ مثل کافر و فاسق و خالد فی النار کے ساتھ یا دیکھا جاوے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ شیعہ بہ نسبت ازواج مطہرات عموماً اور بہ نسبت حضرت عائشہؓ تحریقاً مجبوراً خاص حضرت خاتم النبیینؐ خصوصاً کیا کیا ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ازواج مطہرات کا اہل بیت میں داخل ہونا شرعاً و عرفاً و مختلاً ظاہر و باہر ہے اس کے سوا حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو بخلاف جملہ علماء سنت و اہل تاریخ بلکہ خلافت اماریت و اشارت قرآنی جناب ختمی مآب کی صاحبزادیوں میں ہی نہیں کہتے اور نسب سے ہی خارج کیے جاتے ہیں۔

(شیعوہ ائمہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں)

علاوہ ازیں زید بن علی بن حسینؑ اور ان کے بیٹے یحییٰ بن زید کو دشمن سمجھتے ہیں۔ جعفر بن موسیٰ کاظمؑ (اور جعفر بن ثقی برادر حسن عسکریؑ) کو لعنت بکذاب کرکھا ہے جس بن حسن المثنیٰ وغیرہ کو کافر و مرتد خالد فی النار جانتے ہیں اس کے سوا اور عقائد و خصائص مذہب شیعہ کو اس پر قیاس کر لینا چاہیے۔ چنانچہ قیاس کن نگہستان شان بہار شان پھر باوجود ان غلطیوں اور گستاخیوں کے جو شیعہ حضرات اہل بیت کی شان میں کرتے ہیں اگر کوئی شیعہ محبت اہل بیت کا بغرض محال و غلط کرے۔ جھوٹا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مذہب حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ علی آلہ اجمعین کا تعلیم کردہ ہو ورنہ آپ ہی کی اولاد کو کیوں قتل کرتے۔

(مذہب شیعہ کا بانی یہودی تھا)

ہاں یوں کہے کہ آپؐ پیشوا عبد اللہ بن سبا یہودی نے اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اول

ذکر بعض اہل العلم ان عبد اللہ بن سبا	بعض اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی
کان یہودیاً فاسلم ووالی علیاً علیہ السلام و	تھا چہرہ مسلمان ہو گیا اور اس نے علی علیہ السلام سے روایت
کان یقول وهو علی یہودیہ فی یوشع بن نون	کیا اور یہ یہودیت کی حالت میں غلو کے ساتھ یوشع بن نون
وصی موسیٰ بالغلو فقال فی اسلامہ بعد وفات	کو رہی علیہ السلام کا وصی کہتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اول تو یہ لوگ یونہی چھپے کے ہے اور جیسے خوارج اور معتزلہ وغیرہ فرقہ کے باطلہ گئے پتے تھے یہ بھی دس دس پانچ پانچ کہیں ہوتے تھے۔ پھر جب اتفاق سے سلاطین ایران نے یہ مذہب قبول کیا تب البتہ اس مذہب کو کسی قدر فروغ ہونا شروع ہوا مگر پھر بھی بعد ازاں ان میں کچلی طغیانت بہت ہیں اور کیوں نہ ہوتے وہ ملک کس کا فتح کیا ہوا ہے مع ہذا یہ فروغ اہل سنت کے فروغ کے سامنے ایسا ہے جیسے آفتاب کے سامنے کرم شب تاب (جگنو) کا فروغ۔ اب فرمائیے آپ کو یہ کہنا مناسب یا ہم کو کہ انشاء اللہ یوم الحجاز میں معلوم ہو جائے گا۔ آدمی کو چاہیے کہ جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ لے اپنے تصور کو اہل سنت کے ذمہ لگاتے ہو اور خدا سے نہیں شرماتے اہل کوفہ سب شیعہ تھے اہل یزید اور عبداللہ بن زیاد کو اگر یوں کہو کہ وہ شیعہ نہ تھے تو سچا ہے مگر ان کو سنی ہی کون کہتا ہے وہ نہ سنی تھے نہ شیعہ تھے نا صبی تھے۔ بہر حال آدمی کو چاہیے جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ لے مگر اہل ایک حساب کے آپ نے بھی سچ فرمایا بیشک اس مذہب فاسد کی جزا روز قیامت ملے گی۔

سوال دوم از جانب شیعوہ (شیعوہ کے نزدیک خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہو سکتی)
سببی کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت کے ابو بکر امام اور بعد ان کے عمر امام تھے سو واضح ہو کہ بعد مرتبہ نبوت کے مرتبہ خلافت اور امامت کا ہے جس طرح خلعت اپنی طرف سے رسول اور نبی

بقیہ حاشیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی علیہ السلام
السلام مثل ذلک وہاں اول من مشہر القول
بقضی امامہ علی وظہر البراءۃ من اعدائہ و
کاشف مخالفیہ واکفرہم فمن
ہنا قال من خالف الشیعۃ اصل
الشیع ماخوذ من اليهودیۃ۔
کی وفات کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے بارے
میں یہی کہا گیا کہ ایسا ہی پہلا شخص ہے جس نے
امامت علی کے فرض ہونے کو مشہور کیا اور ان کے
دشمنوں پر تبر کیا اور ان کے مخالفوں سے کھل کھیل
اور ان کو کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالف کہتے
ہیں شیعہ کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

درجہ کشتی ص ۱۱۱ طبع کر بلا ۱۲ محمد شرف

نہیں بنا سکتی اسی طرح امام و خلیفہ بھی نہیں بنا سکتی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بعد آنحضرت
 کے ابوبکر و بعد ان کے عمر و خلیفہ و امام تھے تو مذہب شیعوں کا باطل اور اگر امامت اور خلافت
 ان کی باطل ہو تو مذہب سنیوں کا تھوڑا سا ہے۔ پس باتفاق سنی و شیعہ منصب امامت و خلافت
 واسطے شخصین کے کسی آیت و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں بلکہ آیت قرآنی لایزال عہدہ
 الظالمین یعنی نہیں پہنچتا عہدہ میرا ظالمین کو اس سے بھی لائق عہدہ امامت کے شخصین نہیں
 ہو سکتے۔ فضل الشہر و زبان البطل باطل میں تصریح کرتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے باجماع اصحاب
 خلافت آنحضرت کی پائی۔ یہ فتنہ کتاب ہے کہ عیسایا جماع سے نبوت نبی کی ثابت نہیں ہوتی
 اسی طرح امام کی امامت خلقت کے بنانے سے ثابت نہیں ہوتی امام میں بہت سی طرفیں
 ہیں اعلم الناس ازہد الناس۔ اوسع الناس اعدل الناس اشجع الناس افضل الناس افسح
 الناس ارحم الناس تاکہ خلقت کو اسے ہدایت ہوئے اور امام ایسا ہو کہ دوسرے شخص اس سے
 دینیہ میں ہدایت پاویں۔ اگر ایسا امام و نائب نبی کا درباب شرعیہ محتاج دوسرے کا ہو۔

پھر وہ نائب رسول کس بات میں ہے آنحضرت خلقت
 کو ہدایت فرماتے تھے اور ہر طرح کے شکوک رفع کرتے تھے اسی طرح خلیفہ ہونا چاہیے کہ اسکی
 طرف تمام خلقت علوم خدا میں رجوع کریں اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی و تشفی کئے
 تاکہ خلافت نیابت آنحضرت کی اس سے ثابت ہو۔ پس شخصین نہ اعلم الناس نہ ازہد الناس
 تھے۔ قبل از اسلام بہت پرستی و غیر و گناہ کبیرہ و صغیرہ میں مشغول تھے پھر تعجب ہے کہ کس طرح خلافت
 شخصین کی رجوع ہوئی۔ اور انتظام دنیاوی ملک کا فتح کرنا باعث خلافت حقہ کا نہیں ہو سکتا جیسا
 کہ تیمور بادشاہ نے بکثرت ملک فتح کیا۔ نائب ہونا جناب رسالت کا اس سے لازم نہیں
 آتا اور جناب امیر میں یہ سب صفات موجود تھیں۔ حاصل تقریر یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت
 قرآن و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں پس جو کوئی ان کو خلیفہ رسول اعتقاد کرے وہ خلافت
 قرآن و حدیث کے ہے پس جب کہ خلافت ان کی باطل ہوئی تو مذہب اہل سنت باطل ہوا۔

جواب سوال دوم

(امامت و خلافت کا نبوت پر قیاس مع الفارق ہے)

اس سوال میں تو آپ نے اپنے گمان میں آسمان کے تارے توڑ لیے اور ایسی دھنکی لی (گھٹی بات کی) کہ خدا کی پناہ۔ مگر صنعت قیاس مع الفارق تو کوئی آپ سے سیکھ جائے۔

فرماتے ہیں کہ بعد مرتبہ نبوت کے خلافت و امامت کامرتبہ ہے جس طرح خلقت اپنی طرف سے رسول بنی نہیں بنا سکتی اسی طرح امام و خلیفہ بھی نہیں بنا سکتی۔ خدا خیر کرے شاید اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ یہ بھی کہنے لگیں کہ خلیفہ نبی بھی نبی اور رسول بھی ہوتا چاہیے اور انصاف سے دیکھئے تو یہ کام ہی آپ کر چکے کیونکہ حضرات ائمہ کو دربارہ نسخ و تبدیل احکام شرعی مجاز و مختار کہنے کے، سوا اس کے اور کیا معنی ہیں کہ حضرات ائمہ کو بھی مرتبہ نبوت حاصل ہے مگر جناب ختمی مآب کی خاتمیت بلا سے باطل ہو جائے مگر اپنے قیاس فاسد میں ذرا غفل نہ آئے یہاں تک کہ غیاب اسلام کے ہوتے کفار و دشمنان دین کو کون پوچھتا ہے شعر :-

آنچه بقیضنی نظر دوست کرد

حیث کہ آن دشمن جانی کند

اور کیا عجیب ہے کہ حضرات شیعہ اسی قیاس کے بھروسے دربارہ ناسبان ائمہ مثل قضاۃ وغیرہ اور رفتہ رفتہ مجتہدین کے لیے یہی مثل ناسبان انبیاء علیہم السلام معصوم و افضل الناس منصوص

چنانچہ ائمہ کے بعد مجتہدین کو عقل معلوم ملے اور فرض کی تہا حق نبوت ہے چکے میں شو قال الحق شیخ عباس قمی منہی الامال چپا میں رقم از ہیں۔

لا تخدوا فتح است کہ مخالفت حکم مجتہدین کہ عاقلان شرع حجت	بالکل دشمن اور واضح ہے کہ مجتہدین کے علم کی مخالفت جو حضرت سید المرسلین کی
سید المرسلین انہما بشر کہ ایک درجہ است پس ہم کہ مخالفت حکم	شرعیہ کے خلاف ہیں۔ شرک کے درجہ میں ہے پس جو کوئی ائمہ معصومین کے نام علم
علم المجتہدین و وارث علوم سید المرسلین و نائب الامۃ المعصومین	دعا کے وارث اور غلام المجتہدین حکم کی مخالفت اور انکی تابعداری کہے وہ
کنند و تمام متابعت نباشد بے شاہد طعون و مظلوم و دود میں	جو شیعہ بعضی چپکار ہو اور اس دامن کے آستین سے دستار بڑھے اسے بڑی
آستان ملائک آستیان مظلوم است بسبب استغیثہ و تادیبات	مزن نہیں دیں حق اور خوب نکتہ گر شمالی کے ساتھ اس کا مواخذہ کیا جائے
منع مواخذہ خواہ شد کتبہ طہاسب بن شاہ اسمعیل صفوی موسوی	یہ فتویٰ طہاسب بن شاہ اسمعیل صفوی موسوی نے لکھا ہے۔ ۱۲۰

من اللہ ہونے کی شرط لگانے لگیں۔ ادرہ حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ خداوندی ہونا خود کلام اللہ میں موجود۔ اس پر مجبور ملائکہ ہونا جو آیات متعدّد سے ثابت ہے۔ اس کا مؤید پھر ضرور اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ پر نسبت حضرت آدم علیہ السلام ضرور معتقد الوہیت و جمیع صفات خداوندی ہوں گے سبحان اللہ قیاس ہو تو ایسا ہو۔

(تقریر امام نص کے بجائے شوری سے بھی ہوتا ہے)

اس کے سوا ہم کہتے ہیں کہ تقریر امام بواسطہ وحی کوئی اور کے تو کے شیعہ کس منہ سے کہتے ہیں دیکھئے نبی البلاغہ جو شیعوں کے نزدیک قرآن سے بھی زیادہ معتبر ہے اس میں حضرت امیر اپنی خلافت کی حقیقت کے ثبوت کے لیے بمقابلہ امیر معاویہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں۔

انما الشوری للمہاجرین والانصار فان
یعنی معتبر دربارہ تقریر خلیفہ مہاجرین والانصار کا مشورہ ہے
اجتمعوا علی رجل وسعوا اماما کان
سومہاجرین والانصار جس شخص کو بالاتفاق خلیفہ بنالیں
ذالک للورضی۔ وہی عند اللہ پسندیدہ ہوگا۔

اگر حضرت علیؓ کے پاس دربارہ ثبوت خلافت کوئی نص صریح موجود تھی تو جناب امیر نے اس کو کس روز کے لیے چھپا رکھا تھا کیا قیامت کو کام آئے گی۔ حالانکہ شوری مہاجرین والانصار میں تو آخر کس قدر مجال گفتگو بھی تھی نص صریح تو ہر کسی کے نزدیک واجب التسلیم ہے اس کو چھپوڑ کر اس کو اختیار کرنا اس پر حجت قاطع ہے کہ حضرت امیر کے پاس دربارہ خلافت کوئی نص موجود نہ تھی ورنہ وفات نبوی کے بعد سے لے کر اخیر عمر تک کبھی تو ظاہر ہوئی۔ بالحد بضر محال اہم کا مخصوص من اللہ ہونا کوئی اور ضروری کہے تو کے مگر شیعوں کو تو بوجہ ارشاد مرقضوی اس کا قائل ہونا درپردہ جناب امیر کے قول کی تخریب کرنی ہے۔

(خلیفہ خاص کا تقریر نص سبب نہیں ہونا چاہیے عقل نقل کا یہی تقاضا ہے)

علاوہ ازیں روایتیں کثرت شیعہ میں اس کی مؤید موجود ہیں بلکہ احادیث مرفوعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود استفسار جناب رسالت مآب نے بالتخصیص کسی کا نہیں کہ خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ ہاں یہ پتہ و نشان بطور قواعد کلیہ جو قیامت تک تقریر خلیفہ کا رآمد ہوں بیان فرمائے اور یہی امر قرین عقل بھی ہے۔ کیونکہ خاص خلیفہ کا تقریر جناب

شارع سے ہوتا موجب عرج عظیم ہے۔ جیسا تمام امور شرعیہ میں مثل نکاح و بیع وغیرہ کے شارع نے لازم و شرائط و اسباب جواز و عدم جواز وغیرہ بطور قواعد کلیہ کے بیان فرمائے اور تعین شخصی مکلفین کے ذمہ رکھی گئی ورنہ بہت تنگی اور وقت پریشانی آتی۔ علیٰ ہذا القیاس تقریر خلیفہ کے بے بھی علامات ولایت میں بیان کئے گئے اور تقریر شخصی مکلفین کے اختیار میں رہا۔ اپنی حاجت و ضرورت کے موافق جبکو مناسب سمجھیں سب رل مل کر اس کو خلیفہ بنالیں۔

(خلفاء کے ساتھ ولیعہد کا برتاؤ حضورؐ نے فرمایا)

اں اس میں شک نہیں کہ جناب رسالتؐ نے خلفاء اربعہ کے ساتھ عموماً اور شخصیں بالخصوص صدیق اکبرؓ کے ساتھ خصوصاً ایسے معاملات کئے اور ان کے ایسے اوصاف بیان فرمائے کہ جن سے ہر اونی و اعلیٰ کو ان کا خلیفہ اول و ہاشمین نبوی ہونا ظاہر و باہر ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ بعد وفات نبوی بلا اختلاف ہر کسی نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور خاص حضرات شیعہ کو ترجیح نہ ہونے نص صریح کے یہ نفع بھی بہت بڑا ہوا کہ اگر دربار خلافت صدیق اکبرؓ کوئی نص صریح موجود ہوتی تو سب جانتے ہیں کہ اس کے منکر کا کیا حال ہوتا۔ جواب ہوگا، انشاء اللہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ اور تقریر بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ سائل کا یہ کتنا پس باتفاق شیعہ و سنی منصب امامت و خلافت واسطے شخصین کے کسی آیت و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں

۱۰۔ امام اہلسنت مناظر اسلامؒ کا ذکر عبدالشکور لکھنوی فرماتے ہیں۔

۱۱۔ خلافت کے شارع کی جانب سے منصوص ہونے کے تین معنی ہیں (۱) شارع یہ بیان فرمائے کہ فلاں شخص یا اشخاص میں خلافت کی ریاست موجود ہے یعنی تمام شرائط خلافت کے اس میں پائے جاتے ہیں اگر وہ خلیفہ بنایا جائے گا تو خلافت کے مقام پر بھی طرح پڑے ہوں گے اس معنی کے لحاظ سے تو کالی صحابہ کرامؓ کی خلافت منصوص بالخصوص و مباحثین کے لیے۔

(۲) یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کر دینے کے علاوہ شارع کی طرف سے ان اشخاص کو خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب و لازم کر دیا گیا ہو اس معنی کے لحاظ سے حضرات شیعین کی خلافت منصوص ہے۔ (۳) یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا ہے تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو اس معنی کے لحاظ سے کسی کی خلافت منصوص نہیں ۱۲۔ اس مقام پر حضرت نازق توٹی اس تیسرے معنی کے لحاظ سے خلافت صدیقی

کے منصوص ہونے کا انکار فرماتے ہیں۔ ۱۳۔ (مقدمہ تفسیر آیات خلافت ص ۲۷ و ص ۲۸) محمد اشرف

بالکل لغو ہے لیونکہ اگر مراد اس سے یہ ہے کہ تعین شخصی بالتصريح رہا تو شخص موجود نہیں تو ہم سرگ
اس میں ہمارا کیا نقصان چنانچہ مذکور ہوا اور خود جناب امیر و دیگر ائمہ کے باب میں اس قسم کی نص
موجود نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شخصین کا لائق خلافت ہونا بھی کسی نص سے ثابت نہیں تو اور کیا کہوں
محبسوں کے منہ میں کچھ اور معاملات نبوی و احادیث نبوی کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے
گا کہ حضرات شخصین کا مستحق خلافت ہونا ایسا روشن ہے کہ بجز تہرور وں کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا
سور کھینچنا چاہیے کہ ان احادیث کا منکر کون ہے شیعوہ یا اہل سنت ؟

(لایزال عہدی الظالمین کا مطلب)

باقی یہ جو بحال نازل آیت لایزال عہدی الظالمین پڑھی جاتی ہے۔ اس کے انجام کی خبر بھی ہے کیا ہوتا ہے؟ اجماعی حضرت کلام اللہ کے معنی سننے جانتیں۔ آپ کیا جانتیں۔ آپ نے کیوں اس بیچ میں ٹانگ ڈاکر اپنی ٹانگ تڑائی کوئی آپ سے پہچنے عند معنی امامت کون سی کتاب میں آپ نے لکھا دیکھا۔ قاموس نے آپ کی ہمت بندھائی یا مطالعہ سراج سے یہ بات ٹانگ آئی اگر آیت انی جاعلت للناس اماما یہ آپ کی نظر ہے تو اس کے معنی ہم سے سنئے خلافہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا جب اس امتحان میں حضرت پورے اترے چنانچہ آیت ما قبل اس پر دلالت کرتی ہے ترجمہ دیکھ لیجئے، یوں تو آپ کیا سمجھیں گے تو خداوند ذوالجلال نے اس کے جلو میں پیشوائی عالم کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ لفظ الناس اس پر شاہد ہے۔ سو خداوند کریم صادق القول نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اس زمانے سے لے کر آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام سب انبیاء اور اولیاء کے پیشوا ہے یہاں تک کہ خود حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے۔ اَنْ اَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا جس کے یہ معنی ہیں کہ تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جائیں بڑے بڑے امیر بادشاہوں کے آگے راہ کی درستی اور صفائی کے لیے چلا کرتے ہیں اور بادشاہ اس باب میں ان کی پیروی کیا کرتا ہے۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیشوا ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت

تو معلوم ہو چکا۔ باقی حضرت پرست علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔ **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ**
وَإِسْحَاقَ يَعْقُوبَ۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ میں اپنے باپ داداوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق
 اور حضرت یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں علیٰ هذا القیاس اور انبیاء کو اسی پر قیاس فرمائیے۔

(**جاء لك للناس اماما ما سے مراد پیشوائی نبوت ہے**)

جب یہ بات مقرر ہو چکی تو یہ عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معنی نائب نہیں تھے۔
 امام معنی نبی و رسول تھے اگر اس امامت کے پیشوائی نبوت و رسالت مراد ہے تو اہل سنت کب کہتے
 ہیں کہ جو لوگ پہلے بت پرست ہوں وہ نبی ہو سکتے ہیں اور اگر امامت معنی خلافت مراد ہے تو یہ معنی
 ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی نہ تھے نعوذ باللہ بلکہ نائب نبی تھے سو یہ بات اور یہ مذہب شیعوں
 ہی کو مبارک ہے اہل سنت تو بجاں و دل ان کی نبوت اور رسالت کے مقتدر ہیں کہ وہ سب کے سب
 سفید ہیں کسی کے نائب نہیں۔ مگر اس تقدیر پر شیعه ان کو کس کا نائب کہیں گے آذر کا کہیں گے
 نعوذ باللہ منہ یا کسی اور کا صبر بانی فرما کر ہم کو بھی اطلاع فرمائیں۔

(**آیت امامت کا بالمثل معارضہ**)

بائیں ہمہ ہم پر چھتے ہیں جیسے یہاں لا یتنا ل عہدی الظالمین ہے اسی صورت میں
 دوسری جگہ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ** ریشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں
 دیتا، بھی فرماتے ہیں اور ظالم ہر ہے کہ اس میں اس سے بہت کچھ زیادہ تاکید ہے جس کے باعث
 یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وعدہ اس وعدہ سے بدرجہا محکم ہے۔ سو اگر ظالمین ظلم گزشتہ اور ظلم حال
 دونوں کو شامل ہے۔ تب تو لازم آتا ہے کہ کسی بت پرست کو ہدایت نہ ہو اگر سے اور یہ ہدایت
 نبوی و انما اطہار اور انبیاء سابقین ایک افسانہ غلط ہو جائے اور تمام شیعیان زمانہ حال و گزشتہ بشادات
 آیت مذکور مسلمان نہ ہوں اس لیے کہ گناہوں سے کوئی خالی نہیں۔ تسپر اسلاف اکثر شیعوہ بت
 پرست تھے جو بت پرستی چھوڑ کر اس مذہب میں داخل ہوئے اور اگر ظلم حال مراد ہے تو اصحاب
 ثلاثہ ایام اسلام میں ایسے جرائم کے مرتکب نہیں ہوئے اور نہ اور کیا رکازہ دوران سے وقوع میں آیا
 اگر فرق بالقوة اور بالفعل مراد ہے یعنی جو لوگ اصل طبعیت میں ظالم اور گنہگار ہیں ان کو تو ہدایت
 نہیں ہوتی جیسے جو اصل سے کالا ہو وہ سفید نہیں ہو سکتا اور جو اصل طبعیت میں گنہگار نہیں اس کو

ہدایت ہو جاتی ہے جو کپڑا وغیرہ کو ٹکوں کے رنگ سے سیاہ کر دیا ہو اس کو سفید کر سکتے ہیں تو یہ فرق مسلم ہے۔
 مگر یہی فرق بہ نسبت آیت اہینال عہدی الظالمین بھی محفوظ رکھنا پڑے گا اور یہ کہنا ہو گا کہ جو
 لوگ باعتبار اصل طبیعت ظالم ہیں وہ قابل خلافت و امامت نہیں اور جن لوگوں کی طبیعت اصل میں
 اوست ظلم سے پاک ہے وہ قابل ہوں تو اس میں کچھ عرج نہیں اگرچہ زمانہ سابق میں بوجہ امور خارجہ
 ظلمت ظلم ان کی طبیعت پر اسی طرح عارض ہو گئی جیسے آئینہ مصطفیٰ و مجاہد پر اوپر سے سیاہی لگ کر پڑے
 مظلوم رہے کہ آئینہ کی صفائی اصلی اس سیاہی سے زائل نہیں ہو جاتی بلکہ سیاہی عارضی سے صفائی اصلی
 اس طرح پرستور ہو جاتی ہے جیسے نور آفتاب پردہ ابر میں چھپ جاتا ہے زائل نہیں ہوتا یہی وجہ
 کہ اگر سیاہی مذکور پانی سے دھو ڈالے تو صفائی اصلی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی صورت بعینہ لایزال
 عہدی الظالمین میں خیال فرمائیے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ نسبت پرستی سے پاک تھے)

غلاوہ ازیں آپ جو حضرات شیخین کو نعوذ باللہ ظالمین میں شمار کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے
 اگر یہ وجہ ہے کہ ان کی عمر کا ایک حصہ زمانہ جاہلیت میں بسر ہوا تو اتنی بات میں تو خود جناب ستر
 کائنات بلکہ حضرت امیر بھی شریک ہیں اور اگر مطلب سائل یہ ہے کہ شیخین زمانہ جاہلیت میں
 مرتکب کفر بھی تھے بخلاف جناب سالماہ و حضرت امیرؓ۔ اور اس وجہ سے ان کو ظالمین کہا جاتا
 ہے تو قطع نظر اس خرابی کے جو اوپر مذکور ہوئی اس دعویٰ کے لیے آخر کوئی دلیل بھی تو چاہیے اور ظاہر
 ہے کہ بدون دلیل نقلی اس باب میں کام لینا معلوم ہے مگر کتب معتبرہ کا حوالہ ہو یا روایات کی گھڑی ہوئی
 بات نہ ہو۔ کتب معتبرہ میں تو اسکا خلاف ہی الشاکہ بلکہ چنانچہ جملہ لیسجد الصئم قط وغیرہ شیخین کی شان
 میں موجود ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے صاحب کتب پر لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر کی فطرت شروع سے ہی سلیم تھی چنانچہ آپ کو اسلام سے پہلے بھی
 بت پرستی سے نفرت تھی اور شراب زہی کو برا جانتے تھے جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابن تیمیہ کے والد سے حضرت عائشہ کا یہ قول
 نقل کیا ہے کہ لقد علم ابو بکر الخیر علی نفسه فی الجاہلیۃ (ابو بکر نے خود جاہلیت میں بھی شراب پینے اور حرام کر رکھی تھی۔
 دیا من التفسیر ۱۶۹ پر شراب و دیگر شرک و غیرہ سے برأت پر ابو بکرؓ کا بیان موجود ہے۔ ۱۲ مہر محمد

باقی فضل اللہ روز بہان پر آپ کا یہ اعتراض کرنا کہ تقرر خلیفہ میں اجماع سے کام نہیں چلتا بلکہ خلیفہ کے لیے اعلم الناس وازداد الناس ووسع الناس واعدل الناس واشجع الناس وافضل الناس وارضع الناس ہونا ضروری ہے۔ محض ہڈیاں سرائی و دعوت نے بلا دلیل ہے پہلے گزر چکا کہ اہم کا بواسطہ وحی مقرر ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کی جانب مخالفت کی تائید کے لیے دلیل بلکہ خود قول مقرر ہی موجود ہے کما مراد اسی قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل اصول تقرر خلیفہ میں اجماع مسلمان ہے۔ ہاں اہل اجماع کو چاہیے کہ مستحب شرائط خلافت کو خلیفہ بنادیں اور آپ جو امام کا اوسع الناس (سب سے زیادہ پرمیزگار) و ارحم الناس وغیرہ ہونا ضروری فرماتے ہیں اول تو ان سب کے ثبوت کے لیے دلیل چاہیے سو یہ امید رکھنی آپ کے بے جا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر افضل التفصیل آپ کو یاد تھے کیفیت ما اتفق لعل فرمادیجے۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ ان تمام صفات میں انبیاء کے بعد افضل الناس تھے)

دوسرے اگر ان امور کو دربار نبوت خلافت شرط مانا جائے تو ذرا یہ تو سہی سینوں کا کون سا قول غلط ہو جائے گا۔ سب جانتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیقؓ را موصوف بہہ صفات کمال تھے ان کے اعلم ہونے پر تو وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز یہ ارشاد فرمایا کہ ایک بندہ کو خدا نے دنیا کی نعمتوں اور آخرت کی نعمتوں میں مقرر کیا تھا کہ ان میں سے جسے چاہو لے لو سو اس نے آخرت کو اختیار کیا دنیا کو اختیار نہ کیا اس پر ابو بکر صدیقؓ روتے اور یہ کہنا کہ قربان آپ پر ہمارے مال اور باپ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ہم کو تعجب ہوا اس شیخ کو دیکھو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں اور یہ روتا ہے سو غیب غیر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر صدیقؓ ہم سب میں اعلم تھے علاوہ ہمیں آخر ایام حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو امام بنانا اور ان کو لقب بصدیقؓ کرنا چنانچہ صحاح میں آئے۔

(بخاری ص ۵۵۵ ترمذی ص ۵۵۵) بخاری ص ۵۵۵ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے آپ کے ساتھ ابو بکر و عثمان تھے حضرت نے دیکھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائمتہ احد فاما علیؓ نبی بصدیقؓ و شہید ان بخاری ص ۵۱۹ خالی بن سیرہ نوٹ میں ہم حضرت علیؓ کے مقتدا ہیں کہ سب باتوں باتوں میں ہم نے ابو بکر بن ابی قحافہؓ کے بارے میں سوال کیا حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ایک ایسے شخص ہیں

سواء اللہ الصديق على سان جبرئيل عليه السلام وعلى سان محمد صلى الله عليه وسلم كان خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم راجعاً من الفرق
الحمد والشرف

پر شاہد ہے میں نے یہ بحث کسی قدر آگے لائی ہے یہاں اتنی پر اکتفا کرتا ہوں اور وجہ شہادت کا دریافت کرنا تحقیق آئندہ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ازہر ہونے پر حضرت علیؓ کی روایت جو مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے۔ دلالت کرتی ہے یعنی وہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ در باب خلافت عرض کیا گیا تو یہ فرمایا کہ اگر ابوبکر کو امیر کرو گے تو اس کو امین اور زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرة پاؤ گے کیونکہ یہ وصف کسی صحابی کی شان میں آپؐ کے نہیں فرمایا۔

اور ان کے اور معنی ہونے پر آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّقِيَ اللَّهَ الَّذِي يَتَذَكَّرُ فِي مَا لَمْ يَكُنْ فِي شَاہِدٍ كَيْفَ لَقِيَ اللَّهَ اور اور معنی ایک ہی ہیں بلکہ کچھ زائد کیے تو یہاں ہے۔ اور ان کے اجماع ہونے پر وہ حدیث گواہ ہے جس میں حضرت علیؓ سے یہ روایت ہے کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غار نے اٹھیرا میں دیکھا رہا اور مجھ سے کچھ نہ ہو سکا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مجمع میں گھس گئے عرض آپؐ کی مدد کی اور اس کو مارا اس کو مارا آپؐ کو بچا لیا۔ کیونکہ روایت غالباً باری طور ہے کہ آپؐ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے آپؐ کو چھپا کر سب میں زیادہ سہارہ کون ہے تو اس پر آپؐ نے یہ فرمایا کہ ابوبکر! اور پھر اس کے ثبوت میں یہ فرمایا

(صدیق کی افضلیت پر خدا کی گواہی)

یہ حدیث صحاح میں موجود ہے فقط شبہ ہے ترا تہی بات میں ہے کہ یہ روایت آپؐ کے صاحبزادے سے ہے یا کسی اور سے ہے اور ان کے افضل الناس ہونے پر بقول خدا تو یہی آیت سورت البیل کی اعنی وسیعہم الذی لقی الذی یؤتی مالہ یزکی شاہد ہے کیونکہ دوسری آیت سورہ حجرات کی اعنی وان احکم مکتہ عند اللہ التکا کہ اللہ کے ہاں بڑا معزز بڑا پرہیزگار ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو لقی ہوتا ہے وہی افضل اور اکرم ہوتا ہے۔ دوسری آیت

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا خَرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي أَسْنِينَ إِذَا هُمَا فِي الْغَدْرِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْذِلْنَا إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

اگر تم اس یغبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے تو اس وقت بھی مدد کی جب کہ اس کو کافروں نے نکالا تھا جب کہ وہ دو میں دوسرے کا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے

لے مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۴) کہ اور یقیناً دونوں کی آگ سے وہ سب لوگ بڑا پرہیزگار بن گیا جتنے کا جو اللہ کی راہ میں مال دیتا ہے تاکہ ایک سال پہنچے۔ لے فتح الباری صفحہ ۵۶۴

اس پر شاہد ہے۔

(حضرت علیؑ کی گواہی)

چونکہ اس کی شرح و بسط بدیۃ الشیعہ میں بوجہ اقم مرقوم ہے تو ہم کو حاجت تحریر نہیں جس کو شوق ہو مطالعہ کر دیکھے پس بحوالہ شیخ البلاغۃ جو شیعوں کے نزدیک دینی آسمانی سے بھی بڑھ کر ہے، اس سے بدیۃ الشیعہ میں حضرت علیؑ سے حضرت ابو بکرؓ کی وہ وہ تعریفیں جو بعد انبیاء و اصدیق اکبر اور کسی میں تصور نہیں یہ قسم منقول ہیں جس کو شوق ہو کتاب موجود ہے مطالعہ فرمائیں عنوان اس روایت کا یہ ہے۔

خدا ہی کے واسطے ہیں شر ابو بکر کے، (یعنی ابو بکر میں خدا اور خوبیاں ہیں) پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کر دیا کی کو اہل اصرار کو یا ستون کو اہل قائم کر دیا سنت کو اور پس پشت ڈالا انہوں نے بدعت کو، دنیائے پاک دامن ہے عیب ہو گئے، غول خلافت کی ان کو نصیب ہوئی اور آگے چل دیے خلافت کے فساد سے، اہل انہوں نے خداوند کی طاقت پر ہیز گار ہے حق پر ہیز گاری کا چلنے لگے اور لگ بھگ سنتوں میں حیران ہیں کہ نگاہوں کو اہل علیؑ کی جگہ بدیۃ دلائل کو اپنی بدیۃ کہتے ہیں

لِلّٰهِ بَلَاءٌ اِلٰی بَكْرٍ فَلَقَدْ قَوْمًا اَلْفِدُوْا وِیْ
اَلْحَمْدِ وَاَقَامَ السَّنَةَ وَخَلَفَ الْبِدْعَةَ
ذَهَبَ لِقَى الثَّوْبِ قَلِيْدَ الْعِيْبِ صَاحِبِ
خَيْرٍهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدَى اِلٰی اللّٰهِ طَاعَتُهُ
وَاَتَقَاهُ بِحَقِّهِ رَحَلٌ وَتَرَكَهُدٰی فِی طَرِیْقِ
مَنْشَعَةٍ لَا يَهْتَدِیْ فِیْهَا اَنْظَالٌ وَلَا
يَسْقِیْنَ الْمَهْتَدِیْ۔

بلکہ ان نفلوں سے ایک دو زیادہ ہی ہوں گے۔ علاوہ بریں بروایت محمد بن الحنفیہ بخاری میں حضرت علیؑ سے صاف منقول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب میں افضل ہیں۔
(حضرت صدیق اکبرؓ میں اوصاف کمال بہ جہانم پائے جاتے تھے)

اور ان کے افضح الناس ہونے پر وہ خطبے جو بعد وفات و قبل دفن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے ہیں شاہد عادل ہیں علیؑ ذوالقیاس لفظ ارحم استی بامتی ابو بکرؓ جو جمعہ کے خطبوں میں بحوالہ حدیث پڑھا ہوا ہے ان کے ارحم ہونے پر دلالت کرتا ہے باقی رہا عادل ہونا سو اس کے ثبوت کے لیے بعد اثبات اوصاف مذکورہ کچھ حاجت نہیں کیونکہ عدل کے لیے فقط امانت و دیانت اور زہد تقویٰ

اور ظلم کی ضرورت ہے ظالم ہیں اہلی اوصاف نہیں ہوتے جو وہ ترکیب ظلم ہوتا ہے غرض باخت
ظلم حب و نیا اور خیانت اور عدم ترکم ہوتا ہے جس میں وہ اوصاف ہیں اور یہ خرابیاں نہیں وہ نہ
لا جرم اعدل انکس ہوگا۔

(ایک شبہ کا ازالہ)

آب اگر کسی صاحب کو اس وجہ سے تامل ہو کہ اکثر روایات مذکورہ اہل سنت کی روایات ہیں۔ تو
اول تو وجہ ثبوت دعویٰ مذکورہ فقط روایات ہی نہیں آیات بھی ہیں۔ اگر آیات کو اہل سنت ہی
کی روایت سمجھتے ہو۔ تو بے نصیب اہل سنت۔ اور بڑے کھوٹے نصیب شیعوں کے۔ جن کے
پاس مطالبہ ثبوت میں کلام اللہ تک بھی نہیں بکراٹا ان کے مطالبہ مخالفت ہے پھر اس پر حضرت
علیؑ کے اوصاف میں سب سے افضل ہونے پر کیا دلیل ہے۔ اگر روایات شیعوں میں تو کیا اعتبار۔ اور
روایات اہل سنت یا آیات کلام اللہ میں تو لایسے دکھائیے مثل استدلال مذکور جو آیت ۵۰
ینال عہدی الظالمین سے ماخوذ تھا انشاء اللہ اس کے کیل پرزے بھی اوصاف جانیے۔
(مشورہ میں خلعت کی طرف رجوع خلیفہ کے لیے غیب نہیں۔)

اور یہ حواشاد ہے کہ اس طرح خلیفہ چاہے کہ اس کی طرف تمام خلعت علوم خدا میں رجوع
کرتے اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی و تشفی کرے تاکہ خلافت و نیابت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ثابت ہو۔ اگر سچ ہے تو ابو بکر صدیقؓ وغیرہم بحمد اللہ ایسے تھے اور اگر کسی
بات میں ان کو اوروں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی تو اس سے ان کی فضیلت کو یہ نہیں
لگتا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے وَشَارَوْهُمْ فِي الْأَمْرِ (یعنی صحابہؓ سے مشورہ کریں گے)
اگر ابو بکر وغیرہ رضی اللہ عنہم نے کسی بات میں کسی کی طرف رجوع کیا اور اس سبب ان کا رتبہ نعوذ باللہ
کم ٹھہرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود حکم خداوندی ہے ابو بکر وغیرہؓ نے تو اپنی طرف رجوع کیا
ہوگا اس صورت میں نعوذ باللہ حضرات شیعوں صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھیں نہ کہ
ایسا برا۔ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جیسوں جالیے وقائع ثابت ہوتے ہیں اور لوگوں نے ان
کی غلطیاں پکڑی ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں (مگر) خارجیوں سے اپنی تسلی کر لیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔
غرض ایک دو جا غلطی ہو جانے سے منصب امامت کو زوال نہیں ہو سکتا حضرت موسیٰؑ

اور حضرت خضر کا قصہ کلام اللہ میں مذکور ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کا کیا سمجھ گئے اور پھر منصب نبوت میں کچھ فرق نہ آیا منصب خلافت تو ایک نمبر اور بھی کم ہے اتنا غل کا ہے کے لیے ہے۔

(خلافت راشدہ کے لیے فتوحات و تمکین ہو غور اور ضروری تھیں)

اور یہ جو آپ فیتے ہیں کہ انتظام دنیاوی اور ملکوں کا فتح کر لینا باعث خلافت حقہ کا نہیں ہو سکتا اگرچہ بظاہر حق معلوم ہوتا ہے پر شیطان نے اپنی بات پھر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دی آپ کے اس آڑ میں اپنا کلمہ کھلا لیا۔ اہل حضرت آپ کس خیال میں ہیں یہی اعتراض بعینہ نصرانی اور یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کرتے ہیں آپ کو ان کا طریقہ ایسا کیوں مہربان آیت

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيُخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ حَمَآ أُمَّتٍ مِّنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمَنًا ۚ

(اور اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ کہ یقیناً ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جسے ان سے پسند لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اپنا پسندیدہ دین قائم کرے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔)

۱۳۴

کو بخور دیکھئے کیا ارشاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین کی یہی نشانی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور بزورِ شمشیر و ممانعت دین متین کو جاویں چونکہ اس آیت کے مضامین بھی درج بہرہ الشیخ ہو چکے ہیں اس لیے ان کے ذکر اور اس آیت کی تفسیر سے معذور ہوں۔ اہل شوق خود مطالعہ کریں گے۔

ہاں اگر خلفاء راشدین کے زمانے میں ترقی اسلام نہ ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیر ہوئی تو ان کو تیمور چھوڑ کر انگریزوں سے تشبیہ دے دی ہوتی اور در صورت کہ عرب کا ایران تک انہیں کی بدولت کلمہ اسلام جاری ہوا تو پھر یہ کہہ کر مصداق وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (جو اس نعمت کے ہو چکنے کے بعد اس کا انکار کرے تو یہی فاسق ہیں) جو بعد آیت مذکورہ واقع ہے بنتے ہو کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ رسوخ خلافت اسلام اور تمکین

دین کے بعد جو شخص ان بزرگواروں کا شکر ادا کرے وہ فاسق ہے اور بھی کوئی نہیں تو شیعوں کو تو شکر گزاری اصحاب ثلاثہ لازم ہے اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو نعرہ یا علی یا علی کر بلا سے کر ادھر کی حد ایران تک جاری نہ ہوتا۔

مجل تقریر یہ ہے کہ جب کلام اللہ و حدیث سے بے گئی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت ثابت ہو گئی اور شیعوں کا دعوے ثابت نہ ہوا تو مذہب اہل سنت حق ہے اور مذہب شیعہ باطل۔

سوال سوم از جانب شیعہ

(بحث متعہ)

متعہ میں اختلاف شیعہ و اہل سنت مشہور و معروف ہے مگر شیعہ کہتے ہیں کلام اللہ میں قرآنیت
فَمَا اسْتَسْتَعْمِلُوا مِنَ النِّسَاءِ فَإِنَّهُنَّ أَجَدْنَ
در پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان
ذَرِیضَةً
کو دو ان کے حق جو مقرر ہوتے۔ م

اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے خاص کر قرأت عبد اللہ بن مسعود جو اہل سنت کے عمدہ پیشوا ہیں کیونکہ ان کی قرأت میں بعد منھن لفظ الی اجل بھی زائد ہے اور ظاہر ہے کہ تحدید اجل متعہ ہی میں ہوا کرتی ہے نکاح میں تحدید مدت کی کوئی صورت نہیں۔ اور احادیث میں حدیث باحت متعہ کا بعض غزوات میں شمرہ عالمگیر ہے بایں ہمہ لفظ اجور حسن ان کے مطالب کے بھی مجید ہے اس لیے کہ اجور عقد اجارہ میں ہوا کرتا ہے اور صحت اجارہ کے لیے تعیین مقدار کی یا تحدید زمانہ و روزگار ضرور ہے مثلاً دزدی ایک دو انگڑی سی ڈینے کا نوکر ہوتا ہے یا ایک دو روز کا یہ نہیں ہو سکتا کہ زمانہ کی کوئی حد نہ ہو نہ کام کی کوئی مقدار ہو اس صورت میں اگر مرد زن میں کوئی زمانہ مقرر ہو گیا تب تو ثبوت متعہ بطور شیعہ سینوں ہی کے اقرار سے لازم آجائے گا اور اگر عدو کرات جماعت معقود علیہ ہے تب بھی وہی بات ہے کیونکہ کرات جماعت ایک زمانہ معین میں پوری ہو سکتی ہے اس لیے پھر وہی انجام نکل آتا ہے۔

(اہل سنت کا استدلال)

مگر شاید اہل سنت و جماعت کو قرآنیت

وَالَّذِينَ هُمْ لِأُوجُوهِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا
عَلَى الْأُجُوهِ أَوْعَاظُكُمْ أَيْمَانُهُمْ فِيهَا
لَهُمْ غَيْرُ مَلُومٍ فَمَنْ ابْتَغَى وَدَاعَ ذَلِكَ
فَوَلَّيْتُ هُمُ الْعَادُونَ

داود وہ لوگ اپنی شہر مگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز
اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے کہ اس میں ان پر علامت
نہیں۔ پس جو شخص ان دو کے علاوہ غیبی تعلق چاہے
پس وہ زیادتی کرتے والے ہیں۔

پر نظر ہو اور یہ خیال ہو کہ آیت مسطور سے زوجہ اور باندی کے سوا اور عورتوں سے اجتناب نکلتا ہے
اور زن متعہ بالیقین دونوں قسم سے خارج ہے۔ باندیوں کی قسم سے علاحدہ ہونا تو محتاج بیان ہی
نہیں ہاں احتمال زوجیت ہو تو ہو لیکن اول علماء شیعہ نے ان زن متعہ کو زن نکاح سے جدا رکھا ہے
بلکہ جیسے اہل سنت موافق اشارہ آیت مسطورہ زن حلال کی کل روحمیں بتلاتے ہیں ایک اپنی
زوجہ دوسری اپنی باندی ایسے ہی علماء شیعہ زن حلال کی چار قسمیں بتلاتے ہیں دو تو یہی قسمیں جو مذکور ہوئیں۔
اور دو اور۔ ایک زن متعہ دوسری زن عاریہ یعنی وہ باندی جس کا مالک کسی کو صحبت کرنے کے لیے
مستعار دے دیوے سو اس سے صاف ظاہر ہے کہ زن متعہ زوجہ نہیں کہلاتی۔ دو کے لوازم و آثار
نکاح زن متعہ میں یک نخت منقود ہیں نہ چار کی حد نہ عدل کی ضرورت نہ طلاق کی کوئی صورت نہ
عدت کی حاجت اور ظاہر ہے الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ اگر زن متعہ منجلہ ازواج ہوتی
تو یہ سارے لوازم و آثار پائے جاتے بالجملہ علماء اہل سنت کو بقابلہ شیعہ آیت والذین ہم
لفردجہم حافظون الخ پر نظر ہو تو ہو اور اس لیے متعہ کو حرام کہتے ہوں
(شیعہ کی طرف سے جواب)

تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ یہ آیت دو جاکلام اللہ میں آئی ہے ایک سورت المؤمن
میں دوسری سورت معارج میں اور بالتفاق مفسرین یہ دونوں سورتیں مکہ میں یعنی قبل ہجرت نازل
ہوئی ہیں اور حدیث اباحت متعہ منی ہے کیونکہ غزوات سب مدنی ہیں اس لیے واقعہ اباحت
آیت حرمت کے بعد کا قصہ ہے اس صورت میں حدیث ہی ناسخ آیت معلوم ہوگی آیت
کو ناسخ حدیث نہ کہہ سکیں گے باقی یہ حسن ادب کہ آیت حدیث سے اعلیٰ اور افضل ہوتی
ہے پھر حدیث سے کیونکہ منسوخ ہو اسی شخص کا کام ہے جو وجہ ثبوت قرآنیت قرآن مجید سے
غیر وار نہ ہو پر جس شخص کو اتنی بات کی اطلاع ہے کہ قرآن کا قرآن ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشاد سے معلوم ہوا اور ان احکام کا احکام خداوندی ہونا اقیوں نے آپ کے فرمان سے جاننا۔
 تو اس شخص کو اس بات میں ہرگز تامل نہیں ہو سکتا کہ نسخ قرآن شریعت حدیث نبوی سے ممکن ہے
 چنانچہ علماء اہل سنت خصوصاً حنفی اسی جانب سے ہیں اور اس لیے حدیث کلامی لایسوخ کلام اللہ کی
 تائیدیں کرتے ہیں۔ ہاں افضلیت قرآن مسلم مگر یہ افضلیت باعتبار الفاظ ہے باعتبار احکام نہیں
 جو احکام کہ احادیث سے ثابت ہوں بشرط ثبوت احکام قرآنی سے کم نہیں کیونکہ احکام مندرجہ
 احادیث بھی احکام خداوندی ہیں گویا اعتبار ظاہر احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتے ہوں اس لیے
 کہ آپ رسول اور پیغام بر ہیں بذات خود حاکم مستقل نہیں۔ باقی رہی روایت نسخ اباحت متعہ یعنی وہ
 روایت جس میں بعد اباحت حکم حرمت بھی موجود ہے شیعوں کے نزدیک ضروری التسلیم نہیں اس
 لیے کہ اس کے راوی فقط اہل سنت میں اور انہوں نے اپنے مطالب کے موافق بنالی ہوگی۔

(جواب از اہل سنت والجماعت)

الجواب : بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِیْنُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَ
 نَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ
 اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا
 اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَارْزُقْهُ
 اِمْهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتَهُ وَاهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرٰهٖمَ
 اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ۔ اللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُبَارَكَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَللّٰهُمَّ
 اِنَّا الْحَقُّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بِاطْلَا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔

بعد حمد و صلوة بندہ گنہگار محمد قاسم عرض پر راز ہے کہ تقریر سوال شیعوں کو اس کمترین نے اس ذرق
 برقی سے کر دی ہے کہ خود شیعوں کو بھی اس انداز سے بیان کرنا نصیب نہ ہوا ہوگا اور اس وجہ سے
 میرے ممنون ہوں تو بجا ہے مگر مقتضائے احسان مندی یہ ہے کہ تقریر جواب کو بھی جو انصاف
 و یکجہی مطلب کے یا تو سمجھتی ہوتے ہیں پر انصاف پرستی جو ہر انسانی ہے تقریر سوال تو دلچسپ ہی
 تھی پر تقریر جواب اس سے بھی بڑھ کر لیجئے حضرات شیعوں کا مطلب نہ آیت استماع سے ملے

نہ حدیث سے ثابت ہو اور نہ آیت سورت مؤمنون و سورت معارج حدیث مذکور سے فسوخ ہوتی
اور نہ ہو سکے۔

(حرمت متحرکی عقلی وجوہ)

علاوہ بریں عقل صائب اس بات پر شائبہ ہے کہ تجویز متعہ ہمیشہ کے لیے ہر کسی کے لیے خدا
تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ادیان سابقہ
میں سے کسی دین میں متعہ جائز نہیں ہوا اور اس دین میں سوا حضرات شیعہ اور کوئی اس طرف نہ گیا بلکہ
ابتداء عالم سے لے کر اس زمانہ تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہویا نہ ہو سکتے مذہب شیعہ
یا مشرب جابلان زمانہ جاہلیت ملک عرب اس امر کا پتہ نہیں سینکڑوں تاریکین موجود ہیں یا حوں کے
افسانے مشہور ہیں پر کہیں متعہ کا نام و نشان نہیں ملتا خیر یہ بات تو اتفاقی تھی کلام اللہ اور حدیث سے
استدلال کا حال بیان کیجئے اور حقیقت نسخ کا پتہ دیکھئے تو کام چلے۔

(نکاح کا اولین مقصد اولاد کی پیداوار ہے)

اس لیے بطور تمہید اول کچھ گذارش ہے بگوش ہوش سنئے کلام اللہ میں فرماتے ہیں نساء
کہ حدیث لکھ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیت ہیں اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح
سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مقصود پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی
اولاد ہے گیہوں چناؤ وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کے نزدیک جو سات جہان کے
خلاف یومی سے اعلان درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے کیونکہ اعلان سے اولاد اولاد
متصور نہیں مگر ماں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو اور موافق شعر ذوق سے
نہیں ہیں خون سے مرگن تر بہ خار و لہشیں نکلے
جنوں یہ بیشتر کیسے کہیں ٹوہ بے کسبیں نکلے

اور صر سے نطقہ اوھر چلا جاتا ہو باقی رہا جملہ فاتوا حدیث کہ انی شتم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آؤ
اپنی کھیتوں میں جہاں سے چاہو شیعوں کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اول تو انی بمعنی کھیت بھی آتا ہے پھر ان
کو کیا اختیار کرے وجہ انی کو بمعنی طرف مکانی رکھیں مستدل اور مدعی کے لیے وہ بات مفید نہیں ہو سکتی
جس میں احتمال مخالفت بھی ہو جو باس ہر جملہ نساء کہ احتمال مخالفت بمعنی کھیت کے مؤید

اور معنی طرف: سنانی کے مخالف ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور اگر انی بمعنی طرف مکانی میں ہو پھر بھی حیوں کو کچھ مفید نہیں کیوں کہ جیسے کوئی یوں کے کہ اپنی زمین میں زنج ڈالنے کے لیے شرق کی طرف جاؤ یا غرب کی طرف بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بڑا ہے دونوں طرف کے جانے میں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں طرح ایک ہی ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل ہی سمجھے گا کہ اپنی بیویوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھے صحبت کیجئے تو بچہ اچھا ہو اور الٹی کیجئے تو اسول پیدا ہو جیسے یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم و فاسد کی مداخلت کے لیے یہ ارشاد ہوا کہ فاء تو وحدۃ کدانی شتم۔ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھئے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب کی سمجھ گئے۔ مگر وہ بھی کیا کریں اگر مستعد اور اعلیٰ نہ ہوتا تو خواص تو متفہم تھے ہی علوم کا لانا عام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

(ولد صالح باقیات صالحات میں سے ہے)

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ انہما الا اعمال بالنسبات۔ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حساب سے اولاد کا ہونا برابر تھا۔ اگر صالح ہوتی تو کیا اور فاسق ہوتی تو کیا علیٰ ہذا القیاس سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہونا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں ہاں جیسے اکل غذا سے بدل مایہ حمل مقصود ہے اور بھوک مثل چپڑاسی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مقصود ہے اور شہوت جماع تقاضا جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے۔

(وقت واحد میں ایک عورت کے لیے یا وہ خاوند نہ کر سکی وجہ)

مگر جب اولاد مقصود پٹھری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانہ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ تھی۔ اس لیے کسی دین میں یہ امر جائز نہ ہوا۔ کیفیت شہادت آیت مرقوم ہو چکی ہاں عقل صائب کی گواہی باقی ہے اس لیے یہ گزارش ہے کہ دقت ہار اور نہایت خود مطلوب نہیں ہوتا پھل مطلوب ہوتا ہے سامان اور اسباب مطلوب نہیں ہوتا۔ یہ گدازش ہے کہ دقت ہار اور نہایت خود مطلوب نہیں ہوتا پھل مطلوب ہوتا ہے سامان اور اسباب مطلوب ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ شہوت رانی اور جماع اولاد کے لیے سامان اور اسباب میں

سے ہے یا قصہ برعکس ہے؟ سو ایسا کون نادان ہو گا جس کو وقار و جماع کے سبب ہوئے اور اولاد کے سبب ہوئے میں تامل ہو۔ علاوہ یہی آیت وَمَلَخْنَاهُ الْجَنِّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادُونَ۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن و انس کو خاص اپنے کام کے لیے بنایا ہے اور آیت خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ جِجَعًا لَّهُ اسْتَوِي إِلَى السَّمَاءِ فَنُفِثَ فِيهَا صَبْعَ السَّمَوَاتِ اس بات پر شاہد ہے کہ زمین و آسمان بنی آدم کے لیے بنائے گئے ہیں برعکس نہیں۔

(کائنات انسان کیلئے بنی اور انسان عبادت الہی کے لیے بنایا گیا)

زمین اور زمین کی پیداوار کا بنی آدم کے لیے ہونا تو لفظ لکھو سے ظاہر ہے اور آسمانوں کا بنی آدم کے لیے بنایا جانا بقدر عطف ظاہر ہے یعنی قید لکھو یہاں بھی بقدر عطف ملخوذ ہوگی علاوہ یہی آیت الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَغَيْرَ آيَاتٍ میں یہ بات زیادہ مصرح ہے اور کیوں نہ ہو زمین و آب ہوا و آتش و آفتاب و کواکب و افلاک نہ ہوں تو ہماری ہزاروں حاجتیں مند ہو جائیں بلکہ یوں کہو ہم مر جائیں اور ہم نہ ہوں تو ان اشیاء کا کچھ عرج نہیں۔ پھر یوں نہ کیئے تو اور کیا کیئے کہ وہ ہمارے لیے بنائی گئی ہیں ہم ان کے لیے نہیں بنائے گئے مگر اس صورت میں یہ بات ظاہر ہے کہ زمین ہو یا آسمان ہو جو کچھ بنی آدم کے لیے بنایا گیا اس کو حصول عبادت میں دخل ہے یعنی اگر وہ نہ ہو تو پھر عبادت میں کمی یا نقصان پیش آئے یا وہ نہ ہو تو عبادت نہ ہو سکے کیونکہ اس وقت بنی آدم اور باقی مخلوقات مشارالہ کی ایسی مثال ہوگی جیسے یوں کیئے گھوڑا سواری کے لیے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لیے سو جیسا یہاں ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر گھاس دانہ نہ ہو تو پھر سواری کی بھی کوئی صورت نہیں بلکہ گھوڑا ٹپ ٹپ کر مر جائے ایسا ہی بنی آدم اور ان چیزوں کو سمجھئے جو اس کے لیے بنائی گئی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو پھر عبادت ہی نہیں سو کھانے پینے کی ضرورت تو ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ اگر خورد و نوش کی نوبت نہ آئے تو آدمی مر جائے پھر عبادت کون کرے۔ اور پھر کھانے پینے کے لیے زمین و آسمان کی ضرورت ظاہر۔ زمین کو تو ہم خوب جانتے ہیں رہا آسمان اس کی ضرورت کھانے پینے کے لیے آیت وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَكُمْ ذِقَا لَكُمْ اور آسمانوں سے پانی اتار جس کے ذریعے پھل نکلا کہ تمہارا رزق بنایا ہے سے ظاہر ہے پر شہوت جماع کو اس کام

میں کچھ دخل نہیں ہو کہ کیونکر ہو سکے کہ امور خارجہ میں ذات العابد میں تو حصول عبادت پر نظر ہے اور شہوت کو جو ایک امر دخلی ہے باوجود ارشاد **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي** میں کچھ دخل نہ ہو۔
 الغرض شہوت کا نبی آدم میں پیدا کرنا بذات خود بے مصرف معلوم ہوتا ہے ہاں اگر تولد اولاد پر نظر کیجئے تو پھر اس کے برابر خورد و نوش ہی عبادت میں دخل نہیں رکھتے کیونکہ کھانے پینے سے اگر طاققت عبادت پیدا ہوتی ہے تو بھلا غے سے خود عبادت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں بالحد عقل و نقل اس بات پر شاہد ہیں کہ شہوت رانی بذات خود مقصود نہیں تولد اولاد مقصود ہے
(کثرت اولاد سے کثرت امت پر حتمی علیہ السلام وخرکتے)

چنانچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو زیادہ تر غیب نکلان مشہور ہے اس میں یہ جملہ کہ **اَلْفَ مِائَةِ بَكْرَةٍ** اس مضمون کو اور بھی واضح کئے دیتا ہے کیونکہ غرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب نکل سے اس وقت یہ نکلی کہ امت کے لوگ کثرت نکاح کریں گے تو اولاد کثیر پیدا ہوگی اور اس وجہ سے یہ امت بڑھ جائیگی اور ایک سامان افتخار آپ کو ماتحت آئے گا۔
 جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے شہوت رانی مقصود نہیں تو اب وجہ ممانعت تعدد نکاح زن بھی ایک زمانہ میں بھی بیان کر لی چاہیے۔
(عورت کے لیے بیک وقت تعدد نکاح کی ممانعت کی عقلی دلیل)

سنئے زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں غورش میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے شرکت میں کوئی غزالی پیش نہیں آتی علی السوئے تقسیم ہو سکتی ہے۔ یہ اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم پیاہو امید کثرت عباد و عبادت تو درکنار پہلے ہی عابدوں کی خیر نہ ہو کیونکہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ کچھ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب بڑکے ہی ہوں یا سب بڑکیاں ہی ہوں اور پھر ایک ہی قسم کے ہوں تو وہ سب عابد و زاہد ایک ہی نمبر کے ہوں اور عاقل و فاضل ایک ہی درجہ کے ہوں بلکہ عارۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں

نہ اہم اور نہ مطلوب ہوتا اور بعد حصول اولاد کے سب سے سختیوش آنا ہی پر دال ہے کہ اولاد مقصود طبع سلیم انسانی ہے۔ ۱۲

مٹے اور حسین میل ایک ہی طرف کے ہوں اور قوی تو ان ایک ہی طاقت کے ہوں۔ ۱۲ (حاشیہ طبع سلیم)

نہیں جوتیں۔ ایسے ہی تمام اولادیکہاں نہیں ہوتی اور محبت پر ہی سب کے ساتھ عداوت۔
 سو بالفرض ایک عورت کے اگر کئی خاوند ہوں اور وہ بھی فرض کر دے ایک پورے کاسٹے والا
 ہو ایک پچھم کا تو پھر تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہیں۔ بوجہ تفاوت معیار جو باہم اولاد میں ہوا کرتا ہے
 اول تو ناقص حصہ والے کا اپنے نقصان پر راضی ہونا دشوار ہے۔ دوسرے بوجہ محبت تمام اولادوں
 کا صبر کرنا معلوم۔ اور اس وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں کہ دوہم وغیرہ سے جبر نقصان کر کے ایک
 کو راضی کر دیجئے خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند کئی۔ یا عدد ازواج زن، زوج۔
 رجعت، جو اور عدد اولاد و طاق۔ ہاں اگر اولاد کاٹنے پھانٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلام مشترک
 یا گروشت مشترک جامہ مشترک کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع رفع کر دیتے یا مثل غلام عورت
 کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوا کرتا تو ہفتہ وار
 یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی۔ مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن اطفال کو
 قبول نہیں کرتا دوسرے اختلاف احوال زن بیشتر موجب اختلاف ذکور و انوث و عقل
 و بے عقلی وغیرہ احوال و اخلاق ہو جاتا ہے۔

(والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج و اخلاق پر پڑتا ہے)

جو لوگ دقائق طبعیہ اور حقائق موجبات اختلاف امر حجب اولاد سے واقف ہیں وہ خوب
 جانتے ہیں کہ وقت جماع و وقایع جو کیفیت والدین خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی
 کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے اول تو اہل عقل کو مشاہدہ بقاء النواع
 سے یہ بات ظاہر ہے کیونکہ آدمی کے گھر آدمی کا پیدا ہونا اور سنگ و خوک سے سنگ و خوک کا پیدا
 ہونا اور اسپ و غر سے خچر کا پیدا ہونا جس میں دونوں کا اثر مشہود ہوتا ہے اس بات کے سمجھ
 لینے کو کافی ہے۔ کہ کیفیت مزاج والدین کو اخلاق و عقل اولاد میں دخل تام ہے۔

دوسرے اولاد کے اثرات بھی جو جملہ مسئلہ ہر عام و خاص ہے اس بات پر شاہد ہے کیونکہ
 کسی کو کسی کا اب حقیقی اور والد تحقیقی باعتبار وقت علوق نطفہ ہی کہہ سکتے ہیں اور اوقات کے
 حساب سے یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے۔ سو وقت علوق جو کیفیت مزاج والدین پر غالب ہو اسی
 کا اثر اولاد میں آتا ہے نیز اولاد میں لایہ کیونکہ صحیح ہو گا۔

(حضرت مریم کے پاس بشر بن کر جبرئیل کے آنے کی وجہ)

ادھر محققان اہل اسلام نے حضرت مریم کے سامنے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آدمی کی شکل میں آنے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی شکل ملکی میں ان کے رو برو نظر ہوتے تو حضرت مریم علیہا السلام تقاضا بشریت ڈرجا تیں اور وہ کیفیت خوف مزاج عیسوی میں اثر کر جاتی آپ نامرد اور بزدل پیدا ہوتے اور کارسالت ادا نہ کر سکتے کیونکہ اس کام کے لیے ہمت عالی اور شجاعت نامہ کی ضرورت ہے نامردوں سے ایسے بڑے کام جس میں ایک جہان سے مقابلہ اور عداوت کھڑی ہو نہیں سکتے۔ باقی رہا صورت ملکی سے خوف کھانا وہ حضرت مریم سے کیا بڑے بڑے مردوں سے بھی مستبعد نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبرئیل کی صورت ملکی سے مرعوب ہو گئے تھے اور کسی کا ٹوکنا ذکر ہے۔ علاوہ یہ کہ یہ قصہ اکثروں نے سنا ہو گا کہ وقت جماع کسی عورت کو سانس نظر پڑ گیا تھا، بچہ جو پیدا ہوا تو سانس ہی کی شکل تھی بالحد بوجہ تفادیت احوال معلوم یہ بھی ممکن نہیں کہ غلام کی طرح نوبت بہ نوبت ہر خلوند کے پاس رہا کرے کیونکہ عورت کے لیے اگر یہ امر تجویز کیا جائے تو مقتضائے انصاف یہ ہے کہ خدمت فراش یعنی وقاع و جماع کی مقدار قدر نوبت مقرر ہو اور بہت دراز کر دے تو ایک شب رکھ لو اس لیے کہ عورت کے متعلق یہی خدمت ہے اور اس خدمت کے ادا کرنے میں اتنی ہی دیر کافی ہے اور اس باب میں غلام پر قیاس ممکن نہیں اس لیے کہ خدمت غلام کوئی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعین نوبت میں ملحوظ ہے۔ اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکار کے نزدیک ادا کر سکے معین ہو گا۔ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی نوبت پر بھی قیاس نہیں کر سکتے جو کم از کم ایک شب ہی مقرر ہو اس لیے کہ غرض اصلی یعنی جماع جو تعین نوبت سے مقصود ہے مرد کے لیے اختیار میں نہیں ہے کہ جب چاہے سبکدوش ہو جائے کم سے کم ایک شب میں البتہ اس کے وقوع کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ عدل زمین مشکوٰۃ کے لیے

لے علاوہ انہیں مرد کو ہر وقت قدرت علی الجماع ہونی معلوم اور حاجت الجماع کا ہر لحاظ احتمال اور یہ حاجت بدون عورت رفع ہونی محال یعنی مثلاً اگر غلام نہ ہو تو بجائے غلام کا دوبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ بھی مقصود

ہے کہ وہ دہرے سے بھی شرکت زوجہ میں خلوت مصلحت ہونی چاہیے۔ ۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)

جماع ضرور ہوا، ہاں خدمت فرائض البتہ عورت کے ہر وقت اختیار میں ہے۔

(نسب و حمل میں اختلاط بھی تعدد زوج سے مانع ہے)۔ بایں ہمہ عورت قبل طور حمل اگر دوسرے کے پاس ہے تو یہ تعین نہیں ہو سکتی کہ یہ حمل کس کا ہے اور بعد طور حمل اگر دوسرے کے پاس جائے تو اس کے لفظ کے اختلاط کی وجہ سے پھر وہی عورت اشتراک پیدا ہوتی ہے دو بچے پیدا ہوتے ہیں تو تعین مشکل ہو جاتی ہے اور اتنا زمانہ دراز نوبت کے لیے مقرر کیا جائے کہ ایک کا لفظ دوسرے کے لفظ کے ساتھ مختلط نہ ہو سکے تو یہ وقت تو کہیں نہیں گئی کہ کسی وقت رحم زن لفظ قبول کرنا ہے اور کسی وقت نہیں کرنا اور کرنا ہے تو کسی وقت کیفیت صالحہ عارض حال زن ہوتی ہے۔ کسی وقت کیفیت فاسدہ لاحق حال ہو جاتی ہے اور در صورت وحدت مرد و تعدد زمان بھی اگرچہ یہی احتمال ہے مگر چونکہ وہ صاحب حرث ہے تو اگر وہ وقت کیفیت صالحہ عورت کے پاس نہ جائے تو کچھ اپنا ہی نقصان کرے گا کسی دوسرے کا حق تلف نہ کرے گا جو گنجائش اعتراض ہو۔

جب یہ سب باتیں ذہن نشین ہو گئیں اور وجہ ممانعت تعدد مرد و عورت زن معلوم ہو گئی تو یہ بھی عرض کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ایام عدت و فوات و طلاق میں جو نکاح ممنوع رہا تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر ساعت و دو ساعت بیشتر مرگ و طلاق سے باہم جماع کا اتفاق ہوا ہو اور پھر دو فوات زوج و طلاق پھر دوسرے سے نکاح کر کے جماع کی نوبت آئی تو وہی خرابی لازم آئے گی جو وقت واحد میں کئی خاندانوں کے ہونے میں متصور تھی کیونکہ وہاں بھی وقت واحد میں تو دونوں کا جماع متصور ہی نہ تھا ساعت و دو ساعت کے فاصلہ کی ضرورت بالضرورت تھی جب باوجود اس کے خرابیہ پائے مذکورہ لازم آتی تھیں تو یہاں کیوں نہ لازم آئیگی۔

(والمحصنات من النساء اللہ لہن الا فائدہ یہاں اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہاں محرمات میں غفلت نہ کر کیوں اختیار کیا لفظ منکوحات یا لفظ مستزوجات وغیرہ الفاظ دالہ علی النکاح میں سے کوئی اور لفظ کیوں نہ اختیار فرمایا۔ یعنی اگر والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمنکوحات یا المستزوجات فرماتے تو معتدہ خاص کر معتدہ و فوات یا معتدہ طلاق مغلطہ کو یہ لفظ شامل نہ ہوتا اور پھر بدالائت و احل لکم ما وراذکم معتدہ سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا مگر جن غرابیوں کے باعث حیات زوج اول یا نکاح زوج اول کے وقت نکاح ممنوع تھا وہ سب غرابیاں اس نکاح میں لازم آتیں الغرض لفظ والمحصنات کے اختیار فرماتے کی یہ وجہ ہے کہ حرمت نکاح معتدہ کی طرف بھی اشارہ منظور ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لفظ انصاف یعنی حفظ آتما ہے سو یہاں جو وہ مذکورہ بالا یہ عرض ہے کہ خلوہ
اپنی عورت کو غیر مرد سے محفوظ رکھے اور جو وہ نہ ہو تو جیسے فرض کیجئے سرگاہ آئے تو ہوں کی کس کو رکنہ اور خویش واقرباء
حافظ تنگ و ناموس ہیں مگر چونکہ بنا حفظ تنگ و ناموس پاس نسب ہوتا ہے تو اگر بعد موت زوج اول یا طلاق
زوج اول عورت ایک ساعت کے بعد می بچہ جن اٹھے تو اب حفظ تنگ و ناموس کی کچھ ضرورت نہ رہی کیونکہ
اب اختلاط نسب متصور نہیں۔ اس لیے اس صورت میں بچہ وضع حمل اس کو اختیار دینا مناسب سمجھا اور یہ ارشاد ہوا
وَ اُولَاتِ الْاِحْصَاءِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يُّضَعْنَ حَبْلَهُنَّ
(حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے۔)

ہاں اگر حمل کے ہونے نہ ہونے میں اشتباہ ہو اور کسی کی زوجہ کی نسبت ہر دم یہ اشتباہ رہے کیونکہ اول علق
میں تو جانوروں میں نیز حمل ہونا آدمیوں میں تو اس صورت میں انتظار طور حمل مناسب تھا۔

(عدت بیوہ اور عدت مطلقہ میں فرق کی وجہ یہاں اس لیے عدت بیوہ دس دن چار مہینے مقرر ہوئی وجہ
اس کی یہ ہے کہ اس مدت میں حمل ہو گا تو خود ظاہر ہو جائے گا کیونکہ موافق اعدایت صحیحہ چالیس دن تک لطفہ پر
صورت لطفہ باقی رہتی ہے اگرچہ اول و آخر وقت میں فرق زمین و آسمان ہوتا الغرض جیسے خون سیاہ و سرخ و
زرد میں باوجود اتناوات الوان وہ بات مشترک ہے جس کے باعث اس کو خون کہے جاتے ہیں ایسے ہی لطفہ
پر روز اول اور رنگ ہو اور چالیسویں دن اور رنگ ہو۔ بایں ہمہ کوئی ایسی بات باہم مشترک ہوتی ہے جس کے باعث
اس وقت تک لطفہ ہی کہہ سکتے ہیں علقہ یا مضغہ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں دوسرے چلے میں وہ حالت اس پر عارض
رہتی ہے جس کے سبب علقہ یعنی خون کا لوتھڑا اس کا نام ہو جاتا ہے پھر تیسرے چلے میں مضغہ ہو جاتا ہے اور
چالیس دن تک مضغہ رہتا ہے بعد تیسرے چلے کے پورے ہو جانے کے لطفہ روح کی تربت آتی ہے۔ مگر
اول اول جان پڑتی ہے تو نہایت درجہ کی ناتوانی ہوتی ہے حرکات کی طاقت کجا کسی قدر عرصہ کے بعد حرکات
ظاہر ہونے لگتی ہیں سو تین چلوں کے تو پورے چار مہینے ہوتے ربع چلہ بغرض ظہور حرکات اور بڑھایا تاکہ حمل کے
ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے یعنی جب مقدار شکم زیادہ ہو گئی اور حرکات نمایاں ہوتیں تو پھر یہ احتمال ہو ہی
نہیں سکتا کہ استسقاء یا رجاء وغیرہ امراض ہوں ہاں اگر اتنے عرصہ میں ہی حمل ظاہر نہ ہو تو پھر یقین کامل ہو گیا کہ
حمل زوج مردہ نہیں جو اس کے تنگ و ناموس کو محفوظ رکھیں اور نسب کی حفاظت کی جائے اس لیے یہ ارشاد ہوا
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِیْهَا
(پھر جب وہ اپنی عدت (کے عرصہ) تک پہنچ جائیں تو تم پر کوئی
گناہ نہیں اگر وہ اپنے متعلق جائز صورت اختیار کریں۔)

اس تقریر سے فائدہ فقط تریبصن بھی ظاہر ہو گیا اور متحول تریبصن بھی معلوم ہو گیا یعنی غرض اس لفظ سے یہ
 معنی کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ عورتیں دس دن چارھینے انتظار کیا کریں سو اس تقریر سے واضح
 ہو گیا کہ انتظار ظہور حمل مقصود ہے تاکہ حمل ظاہر ہو جائے تو وضع حمل تک اور کسی سے نکاح نہ کیا جائے اور
 اگر ظاہر نہ ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ الغرض لفظ یَتَرَبَّصْنَ کے ساتھ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ کو طے
 تو یہ مطلب نکل آتا ہے کہ اگر آپ کے چار ماہ دس روز انتظار ہی میں گزر جائیں تو پھر عورت کو اختیار ہے مگر
 انتظار اسی حالت کا نام ہے جس میں اس چیز کے ہونے نہ ہونے کا یقین نہ ہو سکا انتظار ہے۔ سو پورے چار
 ماہ دس دن تک انتظار بھی مقصود ہے کہ آخر ساعت تک یقین حمل نہ ہوا ہو اور در صورتیکہ حمل کا یقین پٹے
 ہی ہو چکا تو اب اس حالت کو تَرَبَّصْ یعنی انتظار نہیں کہہ سکتے جو موافق فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ایسی حالت
 میں بعد چار ماہ دس روز کے عیادت نکاح مل جائے بلکہ اس وقت وہ عورت بخدا دُاُولَاتُ الْمُحْصَاةِ
 أَجَلَهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ سمجھی جائے گی۔ اس طور پر آیت۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا
 يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ
 وَعَشْرًا (بقرہ ۲۰۶)

(اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں
 تو چاہیے کہ وہ عورتیں اشہار میں رکھیں اپنے آپ کے چارھینے
 اور دس دن)

اور آیت وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں کچھ تعارض نہ رہا۔

(وفات کی عدت میں انتظار سے) | اور آیت فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ میں جو لفظ بالمعروف موزود ہے اس کا
 مقصود فقط ظہور حمل ہے | فائدہ یہ بھی معلوم ہو گیا یعنی عدت معلومہ کے بعد باوجود ظہور حمل اگر

عورت نے کسی سے نکاح کر لیا تو بوجہ مذکور یہ نکاح بھی معروف (جائز) نہ سمجھا جائے گا۔ مگر چونکہ وجہ تریبصن
 بعد موت زوج فقط انتظار حمل ہی تھا اور وجہ تریبصن بعد طلاق انتظار رضاء زوج بھی ہے۔ تو عدت طلاق
 میں تو حمل کے چھپانے نہ چھپانے میں جداگانہ کچھ ارشاد نہ فرمایا کیونکہ یہاں تو خود ظہور حمل ہی کا انتظار مقصود
 ہے ادھر دس دن چار ماہ ایک مقدار معین ہے جس میں کبھی بیشی مقصود نہیں پھر کیا حاجت جو بروے احتیاط
 اور تاکید کی جائے اور عدت طلاق کے ذکر کے بعد یہ بھی ارشاد کر دیا۔

وَكَايِدٌ لَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ مِمَّا خَلَقَ اللَّهُ فِي
 أَنْحَامِهِمْ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

(اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان
 کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور کھیلے)

کیونکہ انتظار حمل کے سوا یہاں انتظار رضاء زوج بھی ہے اور طہر حیض اول تو بھلا امور مخفیہ میں (دوسرے ان کے لیے مقدار معین نہیں۔ موافق بعض مذاہب اوستا لیس^۲ دن میں تین حیض متصور ہیں اور اس قدر مدت میں حمل اوروں پر خوب ظاہر نہیں ہو سکتا غرض انتظار حمل مقصود نہ تھا جو بیان مدت دربارہ ممانعت خفا کافی ہو جاتی اور حرج خفا امر طہر حیض و عدم تعین مدت پھیلانے کا احتمال تھا اس لیے یہاں بتصریح ارشاد کی ضرورت ہوئی۔

اطلاق کی عدت میں مقصود | باقی رہی یہ بات کہ عدت طلاق میں انتظار رضاء بھی مقصود ہوتا ہے اور خاوند کی رضا بھی ہے) عدت وفات میں فقط انتظار حمل ہے یہ خود ظاہر ہے رجعت کا طلاق

میں مقرر ہونا اور بے نکاح زوج کو زوجہ پر تصرف کر لینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح بالکل منقطع نہیں ہوا اور کیوں ہو حقیقت نکاح تراضی ظرفین بھی اور بنا تراضی اتحاد نوعی اور احتیاج ظرفین ہے جو ایک کو دوسرے سے لگی ہوئی تھی پھر احتیاج بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اس احتیاج کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرد و عورت کا دل مجتہب بنایا گیا اور عورت منظر جمال مجتہب بنائی گئی تاکہ احتیاج اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر احتیاج کی کوئی صورت ہی نہیں کہ ایک محشوق ہو اور اہل فہم جانتے ہوں گے کہ جذب محبوب جذب محبت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس صورت میں یہ کب ہو سکتا ہے کہ محبت محبوب محبت محبت سے کم ہو۔ ورنہ ضعف جذب جو آثار طلب محبت میں سے ہے ادھر ہوتا اور ادھر نہ ہوتا۔ اس صورت میں محبت محبوب، محبوب یکدگر ہوں گے اور محتاج یکدگر، مگر سوا اس کے اور احتیاج جس یا اس کے برابر ہوں گی یا اس سے کم تر وجہ اس کی یہ ہے کہ بنا بر احتیاج محبت پر ہی یا تو ہو یعنی عدت طلاق رجعی میں انتظار حمل رضا اگر پہلے واسطہ محبت ہے تو وہ احتیاج عشق کی ہم وزن ہے بلکہ خود عشق ہے اور اگر بواسطہ ہے جیسے روپیہ وغیرہ وسائل و ذرائع رزق کی محبت جو بذات خود فرض کرد محبوب ہے یا متعلقات اشیاء یا بڑے محبوب ہی کی محبت۔ تو وہ اس سے کم تر، بہر حال احتیاج عشق و محبت جمال سے بڑھ کر کوئی احتیاج نہیں اور بنا بر طلاق ناخوشی اور شکر رنجی معاملات خانی پر ہے اور ظاہر ہے کہ اتحاد نوعی اور محبت عشقی کوئی امر ناپائیدار نہیں جو یوں کہے کہ آج ہے کل نہیں۔ ہاں شکر رنجی معاملات بیشتر ایک امر ناپائیدار ہوتا ہے اس لیے انتظار رضاء نکاح ثانی کے لیے ضرور مختار۔ بالجلد تقرر رجعت جو عدم الفطاع نکاح پر دلالت

کرتا ہے ضرورت انتظار رضا کے لیے دلیل کامل ہے۔ ہاں جب دوبار یا تین بار پاک صاف ہو کر لباس
 زیور سے آراستہ ہو کر عورت ہمیش نظر سے دور پھر بھی زوج کو ادھر التفات نہ ہوا تو یوں کہو یہ ناخوش دلی
 تھی اور یہ نفرت تہ دل کی تھی جو باوجود اس بھانے کے کچھ خیال نہ آیا۔ الغرض عدت طلاق میں ایسی
 مقرر کی گئی جس میں حفظ و نسب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور نوبت آمد دور مفارقت کو بھی نہ آئے جو مخالفت
 اصل طبیعت اور منجملہ البغض المباحات ہے وجہ ثانی کا اس حکم میں ملحوظ ہونا تو آشکارا ہو چکا۔

(عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت) | پر حفظ نسب کی کیفیت بیان کرنی ضرور ہے حالت حمل میں
 سب جانتے ہیں کہ حیض بند ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان ایام کے خون کو اگر اتفاق سے آبائے تو حیض
 میں شمار نہیں کرتے امرض استحاضہ میں محسوب ہوتا ہے موجب مکرر نہ کر حیض آیا تو احتمال حمل اعتدال نہ رہا۔
 ہاں ہر تقریباً یہ مدت بھی دس دن چار فیصد کے قریب آڑتی ہے۔ کیونکہ اکثر عورتوں کی عادت یہ ہے
 کہ فیصد میں ایک بار آئے اور زیادہ سے زیادہ دس دن آئے سو اگر شروع منظر میں کسی نے اپنی زوجہ کو
 طلاق دی تو ایک ایک ماہ کے یقین طہر اور تین حیض کا ایک ماہ جس کا ماہ حاصل وہی چار ماہ نکلے مگر چونکہ
 خاندانیاں زندہ ہے اور اس کو سب سے زیادہ پتہ نسب کے رہنے بگڑنے کا خیال ہے تو اس قسم کی احتیاط
 عورت کو کرنی ضرور نہ ہوتی جس قسم کی احتیاط عدت و قات میں ضروری تھی جو اور دس روز کا بھی حساب لگایا جاتا۔
 (طلاق مغلطہ میں عدم انتظار رضائے) | اب شاید یہ شبہ باقی ہو کہ طلاق مغلطہ میں تو احتمال رجعت باقی نہیں
 زوج کے کسبہ کا ازالہ) | پھر یہ عدت کا ہے کے لیے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چار ماہ
 دس روز بغرض کمال احتیاط مقرر ہوئے تھے اور وجہ اس احتیاط کی یہی تھی کہ صاحب نسب مرگیا دوسروں
 کو ایسا کیا خیال ہوگا اور نہ حیض اس امر میں کافی تھا۔ کیونکہ حیض کا آنا خود حاملہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ سو
 جب صاحب نسب زندہ ہو تو پھر اس احتیاط کی کیا ضرورت۔ وہ خود تحقیق کرتا ہے کہ بہت ہوگا تو مزید
 کہ دو باتوں میں ایک ہے۔ خود محتاج ایہ سے بے واسطہ محبت ہو یا واسطہ۔ اور انتظار تھا دونوں ہی کا۔
 طلاق مغلطہ میں فقط انتظار حمل ہی رہ گیا۔

(طلاق مغلطہ میں عدت کا فائدہ خاوند کو ناشکری کی) | بلکہ غور سے دیکھئے تو یہاں انتظار رضائے کے
 سزا میں ذہنی گرفت میں مبتلا کرنا بھی ہے) | بے ایک اور غرض ساتھ مل گئی وہ کہ
 زوج کا جانا۔ یعنی جب طلاق ثالث کے بعد عورت نے مکرر (دول) نبھایا تو اگر اس کو کچھ بھی محبت ہوگی

تو اب بجز سوز و گداز اور کیا ہاتھ آئے گا۔ اپنے جی میں جل بھین کر رہ جائے گا۔ اور اس کا یہ اضطراب و قلق اور یہ سوز گداز آگے کو تو اس کے یوں کام آئے گا۔ اور عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے گا۔ اور اوروں کو یوں معید ہو گا کہ انہیں بھی اپنے دن نظر آئیں گے اور عبرت چکا کر لے خیالات سے باز رہیں گے بحال طلاق خلافت مرضی خداوندی تھی اس لیے یہ جبر مانہ مقرر ہوا۔ سو یہ بات حیض و طہر ہی کے ساتھ خوب مربوط ہے اس دن چار ماہ کو اس سے علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس عدد کو بچانے میں کچھ دخل نہیں علاوہ بریں کسی طلاق کا ثانی یا ثالث ہونا ایک امر اضافی ہے لمحاظ ما قبل یہ وصفت اس پر عارض ہوتا ہے ورنہ فی حق ذات اول اور دوم اور سوم سب برابر ہیں اور عدت مذکورہ حسب بیان بالا طلاق کے مقتضیات ذات میں سے ہے۔ یعنی یہ انتظار رضا بوجہ اتحاد نوعی محبت باہمی وقت ناخوشی قابل لحاظ تھا اور حرمت مغلطہ بوجہ امر اضافی مذکور عارض ہوئی اس لیے عدت جوں کی توں رہی۔ کیونکہ مقتضیات ذات عوارض خارجیہ کے باعث زائل نہیں ہو سکتے۔ ہاں جیسے نور شمس وقت کسوف زائل نہیں ہوتا چاند کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے لوازم مقتضیات ذات بھی عوارض خارجیہ کی آڑ میں مستور ہو جاتے ہیں اور اپنا اثر نہیں کرتے سو یہاں بھی بعینہ قصہ ہے کہ عدت وہی کی وہی رہی پر فائدہ عدت متفرع نہ ہوا یعنی انتظار رضا بے کار گیا اور زوج اول کے ہاتھ پے کچھ نہ پڑا۔ بالکل حالت عدت میں خاص کر عدت وقات اور عدت طلاق مغلطہ میں مکمل باقی نہیں رہتا اگر رہتا ہے۔ تو اس کا اثر یعنی احسان

باقی رہتا ہے۔ سو اگر لفظ والمحصنات نہ فرمائے بلکہ والمتزوجات یا والمنکوحات فرمائے تو بار بار **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ مَعَهُ** طلاق مغلطہ اور معتدہ وفات دونوں حلال کبھی جائیں پر علت حرمت جوں کی توں باقی رہتی۔ چنانچہ بخوبی واضح ہو گیا۔ اس لیے جناب باری تعالیٰ نے لفظ والمحصنات اختیار فرمایا اور سو اس کے اور خدا جانے کیا کیا ممکن ہیں گی۔

(علت احسان سے متعذر حرام ہے) لیکن جب وجہ اختیار لفظ والمحصنات معلوم ہو گئی اور معنی احسان بخوبی ظاہر ہو گئے تو اب التماس دیگر یہ ہے کہ یہی وجہ اور یہی معنی **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ** اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُصَارِفِينَ (اور حلال میں تم کو سب عورتیں ان کے سوا

بشرطیکہ طلب کردان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ جستی نکلنے کو، میں ملحوظ رکھنے چاہئیں بلکہ یہاں یہ لحاظ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اس لیے کہ غیر مسافحین بھی یہاں تو ساتھ لگا ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ شہوت رانی مقصود نہ ہو غرض یہاں احصان مذکور زیادہ تر ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور باوجود اس دلالت سیاق اور تائید غیر مسافحین اگر احصان مجہول ہو تو یوں کہو کہ منکوحات امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ المحصنات نہ ہوں اور سوا ان رشتہ داروں کے جن کے ساتھ نکاح کرنا حسب ارشاد سابق حرام ہو چکا ہے اور سب کو منکوحات امت محمدیہ سے حالت نکاح اول میں بھی نکاح درست ہو نحوذ بالعدۃ منہا۔ ہاں اگر احصان کے یہ معنی نہ ہوتے اور وجہ امر احصان یہ نہ ہوتی جو بندہ کمترین غرض کر آیا ہے تو البتہ کسی صاحب کو مجال دم زندن بھی تھی مگر قطع نظر اس بات کے کہ اشارہ حفظ نسب جملہ احکام متعلقہ نکاح سے مترشح ہے۔ چنانچہ معروضات سابقہ اس باب میں کافی ہیں۔ اور وہ اشارات ارادہ معنی معروض پر مثل آفتاب روشن دلالت کرتے ہیں اور کوئی معنی یا وجہ اگر حکم احصان کے لیے تجویز کی جائے تو بجز اس کے اور کیا ہو کہ وجہ احصان انتساب فی ما بین یعنی عورت کا مرد کے نام لگ جانا موجب حکم احصان ہو اور تفسیر احصان غیرت جاہلیت اہل ہند ہو۔ یعنی تمام عمر کی عدت عورت کے ذمے پڑے۔ سو اپنے مضامین نے تسلیم کرنے کے لیے عقل جاہلانہ اور مذہب ہندوانہ کی ضرورت ہے اہل اسلام کو ایسے غرافات سے کیا مطلب۔

کون نہیں جانتا کہ ہندی غلام بلکہ اور اموال مملوکہ بھی بعد مرگ مالک اس کی ملک خارج ہو جاتے ہیں۔ اجازات بعد موت مسافر فسخ ہو جاتے ہیں سو ملک منافع بضع یا ابارہ نکاح ایسا کیا پائیدار اور مستحکم ہے جو بعد مرگ بھی باقی ہے اور عمر طلاق خود قطع نکاح کے لیے موضوع ہے۔ نہایت کار ایک دار میں عقدہ نکاح منقطع نہ ہو۔ تین بار میں منقطع ہو جائے۔ آخر کلمہ اگر بیشہ وغیرہ آلات تجارتی جو قطع اشجد وغیرہ کے لیے موضوع ہوئے ہیں ایک بار اور ایک دار میں تو نہیں قطع کر دیتے۔ بالجلہ طلاق تو قطع نسبت عقد کے لیے موضوع ہے اور موت اگرچہ بالذات قاطع نسبت نہیں پر قاطع رشتہ حیات منتہیں ہے مگر منتہیں یا احد المنتہیں نہ ہوں تو نسبت منقطع کیا معدوم ہی ہو جائے گی اس صورت میں بقار علاقہ نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

(وضع حمل سے پہلے عورت نکاح کی حسی مثال) | ہاں ایسے کیسے کہ جیسے ظروف مبیعہ میں بائع کا ردغن یا شند و شیر وغیرہ مثلاً رکھا ہوا ہو۔ اور اس وجہ سے مشتری اپنا ردغن وغیرہ تا وقتیکہ وہ ظروف خالی نہ ہوں۔

ان میں ڈال نہیں سکتا کیونکہ ڈالنے کو اطلاق حق غیر اور افساد حق غیر لازم آتا ہے یعنی بعد اختلاط و غیر حق
مشکل ہے ایسے ہی تالیقات حمل زوج اول، زوج ثانی زراعت ولد یعنی جماع جس میں البقاء تخم ولد یعنی
نطفہ ہوتا ہے۔ نہیں کر سکتا۔ ہاں مگر اشتقاق ہے کہ روغن و شیر و غیرہ کا برتنوں میں رکھنا کوئی خواہش
طبعی اور لذت قلبی نہیں جو بعد زرع قبل استفرغ غلط اندیشہ اختلاط ہو۔ اور روغن و شیر و غیرہ ایسی
اشیا نہیں کہ سوا ظرف اول بے نقصان اور کسی ظرف میں منتقل ہی نہ ہو سکیں، بایں ہمہ قطع نظر تعلق
حق غیر سے روغن و شیر و غیرہ ایسی اشیا نہیں کہ زمین پر گرا دیجئے تو یہ گرا دینا اس کے حق میں کوئی ظلم و ستم
سمجھا جائے اس لیے قبل استفرغ یعنی خالی کرنے سے پہلے ان کی زرع میں کوئی نقصان یا اندیشہ نہ تھا
البتہ قبل وضع حمل اگر نکاح تجویز کیا جائے تو یہ ساری غریباں موجود ہیں نہ یہ ہو سکے کہ شک نہ وجہ سے نکاح
کسی اور شکم میں رکھ دیں نہ یہی ہو سکے کہ اگر زوج اول اپنے حمل کے نکلنے میں دیر کرے تو زمین پر ہی گرا
دیجئے کیونکہ قطع نظر حق زوج اول سے حمل کا گرا دینا بھی تو منجملہ خون ہے جو اول درجہ کا ظلم ہے بایں ہمہ یہ
زراعت یعنی البقاء تخم نطفہ جو بوسیدہ جماع ہوتا ہے، ایسی خواہش غالب اور لذت عجیبہ ہے کہ بعد
قدرت، صبر قریب محال ہے۔ اس لیے ایسے وقت میں اجتناب زمانہ کے وہ فضائل مقرر ہوئے کہ
کیا کیئے، بایں نظر نکاح ہی ایسے اوقات میں ممنوع ٹھہرایا گیا نہ یہ کہ بقاء نکاح، مانع نکاح ثانی ہے اور ظاہر
ہے کہ بعد انقطاع نکاح اول سوا اندیشہ اطلاق حق غیر یا افساد حق غیر دوسروں سے نکاح کا ممنوع
ہونا ایسا ہی ہے جیسا بعد انقطاع علاقہ ملک کسی غلام باندی کا کسی سے عقد اجارہ خدمت کا ممنوع ہونا
سو جیسا اس کو کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا ایسے ہی قطع نظر اطلاق و افساد حق غیر سے بعد انقطاع نکاح اول
ممانعت نکاح ثانی کوئی تجویز نہیں کر سکتا۔ ورنہ قطع نظر مخالفت ہدایت کے پھر عدت ہی کی کیا تخصیص
تھی مثل بیوگان ہند ساری عمر ہی نکاح ممنوع ہونا تھا۔

بہر حال سوا اندیشہ اختلاط نسب وجہ ممانعت نکاح وقت بقاء نکاح اول یا وقت عدت اور کوئی
امر نہیں اس لیے ایسے نکاح کی تحریم کے وقت ایسا لفظ جامع اختیار فرمایا جو اس وجہ مشترک پر دلالت
کرے اور پھر اس کے بعد وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ
مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔ ارشاد کیا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو عورتیں باقی رہیں وہ کیف
ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادہ احسان ہی حلال ہیں ورنہ موافق قاعدہ مذکورہ لازم آتا ہے کہ منکح

اہل اسلام اوروں پر حرام نہ ہوں۔ کیونکہ جب احسان ملحوظ نہ رہا تو وہ منجملہ محضات نہ ہوتی سو جو لوگ ایسے ہوں کہ ان سے کوئی رشتہ موجب حرمت منجملہ رشتہ ہائے مذکور الصدر نہ ہو ان سے نکاح حرام نہ ہو۔
(حرمت متعہ کی وجہ شہوت رانی ہے) | مگر جب معنی احسان اور تفسیر احسان یہ خطری جو اوپر معروض ہوئی تو نکاح متعہ حلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے۔ احسان مقصود نہیں ہوتا۔
 اگر احسان مقصود ہوتا تو عدت ضرور مقرر ہوتی کیونکہ تا بقامت عدت متعہ خاوند جمیع کامجاز ہے اور کیوں نہ ہو عورت کو اور نوکر ہی کہے کے لیے رکھا ہے اور جب آخر ساعت عدت متعہ میں جماع کی نوبت آئی تو پھر احتمال حمل باقی ہے اس صورت میں عدت کا مقرر ہونا ضرور تھا حالانکہ باقرار شیعو متعہ میں عدت نہیں ہوتی اور کلام اللہ میں اس کی عدت کہیں مذکور نہیں۔ یعنی جیسے عدت طلاق اور عدت وفات جدا جدا کلام اللہ میں مذکور ہیں عدت متعہ جدا گانہ کلام اللہ میں کہیں مذکور نہیں۔ الغرض نہ شیعو اس بات کے قائل ہیں کہ عدت متعہ مثل عدت طلاق یا عدت وفات ہے اور نہ کلام اللہ سے اس کا کہیں پتہ نکل سکتا ہے۔

(از روئے عقل متعہ عدت کا متقاضی نہیں) | اور یہ عدم عدت متعہ بروئے عقل بھی دیکھے تو بجائے خود ہے کیونکہ یہاں نکاح متعہ وقت اختتام مدت تمام ہو چکا اور ظاہر ہے کہ کسی شے کے تمام ہو جانے کے بعد اس کے آثار باقی نہیں رہ سکتے ہاں انقطاع شے کے بعد وہ آثار جو بوسیدہ اتصال ظاہر ہوتے تھے کسی قدر باقی رہتے ہیں مثلاً ایک تو درخت کا تمام ہو جانا ہے اس صورت میں تو آثار نمو بھی مثل تازگی وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگر شاخ درخت سے ملی ہوئی کوئی چوب خشک رکھی ہوئی ہو تو آثار نمو یعنی تازگی اس میں نہیں جاتی اور اگر درخت کو یا اس کی شاخ کو قطع کر نیچے تو وہ تازگی جو اوپر کے کسی ٹکڑے کو بوجہ اتصال نیچے کی طرف پہنچی تھی کس قدر دیر تک باقی رہتی ہے اور پھر ایک زمانہ معین کے بعد مبدل بخشکی ہو جاتی ہے۔ سو ایسے ہی نکاح حلال اور متعہ میں فرق ہے۔ متعہ میں تو تک منافع اختتام کو پہنچ جاتی ہے اور طلاق و وفات میں تک نکاح منقطع ہو جاتی ہے اگر ان دونوں کی نوبت نہ آئی تو نکاح کے بقا میں کوئی شک نہیں اور متعہ میں ظاہر ہے کہ طلاق دو یا نہ دو مرد و یا نہ مرد و بعد اختتام مدت مثل دیگر اجازت تمام لازم آجاتا ہے سو یہ عدم جواز نکاح ثانی جو آثار و لوازم نکاح اول میں سے تھا نکاح متعہ میں باقی ہے تو کیونکہ یہاں اگر نکاح حلال کے انقطاع کے بعد جو کسی قدر باقی رہے تو بجائے خود ہے

(استبراء کا ذکر لنگ مغنیہ نہیں) | اس صورت میں اگر کوئی شیخہ بوجہ دور اندیشی آج استبراء کی پیروی نہ کرے تو اس کا کیا جواب دیں گے کہ یہاں استحقاق استبراء زوج اول کو باقی نہیں کیونکہ اس کا حق تمام ہو چکا منقطع نہیں ہوا اگر منقطع ہو جائے تو منقطع بھی تھا غرض نہ صحیح اول باقی ہے نہ اثر نکاح اول پھر استحقاق زوج اول ہی کیا ہے جو ثانی سے معاملہ نہ ہو سکے۔ ہاں اگر ممانعت نکاح محسنات کی علت سواہر پکس زوج اور کوئی امر ہو تو منقطع بھی نہ تھا مگر ناظران تقاریر گذشتہ پر یہ بات بخوبی واضح ہے کہ یہ ممانعت بے شک بوجہ حق زوج ہے اور کیوں نہ ہو۔ ازواج متعدد ہوں تو شہوت رانی میں چنداں حرج نہیں تولد اولاد میں کچھ نقصان نہیں اگر شہوت رانی کو تعدد ازواج مانع ہوتا تو زنیوں کی دوکان کاہتہ کو چلتی۔ تولد اولاد میں نقصان کا خیال تو غلط۔ ہاں اُمید کیے تو بجا ہے ایک زوج ہو تو یہ بھی احتمال ہے کہ عنین ہو یا اس کا نطفہ صالح نہ ہو متعدد ہوں تو یہ احتمال بھی اٹھ جاتا ہے غرض تکثر بنی نوع اور تکثر نسل حضرت آدم میں یہ امر خارج نہیں۔ ہاں بنی آدم بوجہ املات و افساد حقوق یقینی تھا اس لیے ممنوع کھڑا گیا۔ (زنا متعہ کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے) | باقی رہا باندیوں پر قیاس کرنا اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہے۔ کیونکہ وہاں نکاح زوج اول یعنی کافر تمام نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس ملک ملک اول تمام نہیں ہوتے یہ دونوں منقطع ہو جاتے ہیں اگر مقام ہوتے تو بے احراز یا بے یس بھی وقت معلوم پر زوج اول اور ملک اول سے زمان معلومہ جدی ہو جاتیں اور جب انقطاع کھڑا تو اب عدت بوجہ مذکور بجا کے خوب مگر چونکہ بشاوت آیت۔

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (پہلے ۴) | یہ بیویوں کی سزا ہے (تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے)

جو چند آیتوں کے بعد آگے موجود ہے یہ بات معلوم ہوئی کہ احترام اِماد مثل احترام حراز نہیں بلکہ باندیوں کا احترام حراز سے آدھا ہے تو عدت اور طلاق بھی ان کی آدھی مقرر ہوئی کیونکہ یہ دونوں باتیں بھی بوجہ احترام ہی مقرر ہوئی ہیں یعنی بایں نظر کہ اولاد حراز زیادہ مہم غائب و معزز سمجھی جاتی ہے۔ تو ان کی اولاد کا نسب بھی زیادہ قابل حفاظت سمجھا گیا اس لیے ان کے لیے پوری عدت مقرر ہوئی یعنی وہ عدت مقرر ہوئی جو بشاوت عقل زیادہ سے زیادہ ہے مگر جب باندیوں کی اولاد زیادہ معزز اور محترم نہ ہوئی تو بقدر کمی احترام احتیاط اور حفظ میں کمی آئے گی سو وہ کمی چونکہ بقدر نصف تھی تو طلاق عدت میں بھی

مثلاً حدود تنصیف لازم آیا۔ اس لیے کہ علت تنصیف دونوں جانوروں پر ہے یعنی تنصیف احترام ہی باعث تنصیف عذاب ہوا تھا۔

قاعدہ ہے جن کا اعزاز زیادہ کیا جاتا ہے انہی سے مواخذہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔
نزدیکاً تراشیں بود حیرانی

انسان کو ترک صوم و صلوٰۃ اور ارتکاب ظلم و فساد اور زنا اور شرب خمر وغیرہ پر عذاب ہوگا
جانوروں کو نہ ہوگا۔ وجہ کیا ہے؟

یہی احترام و اکرام ہی آدم اور عدم احترام و اکرام حیوانات ہے اسی طرح تنصیف احترام موجب تنصیف طلاق اور تنصیف عدت ہونا چاہیے۔

رہائی میں طلاق کی تجزی نہ ہونے کی وجہ | ہاں اتنا فرق ہے کہ ماہیت عذاب مٹا رہا یعنی حدود اگرچہ قابل تنصیف حقیقی نہیں پر حدود عذاب یعنی حدود قابل تنصیف حقیقی ہے۔ اس لیے تو ستودہوں کی جا بچائیں اور انہی کی چائیں مقرر ہوئے مگر طلاق کو دیکھا تو زمانہ ماہیت طلاق قابل تنصیف ہے اور نہ حدود طلاق لائق تنصیف۔ عدو کا قابل تنصیف نہ ہوتا تو اس کے طلاق ہونے سے ظاہر ہے اور اگر کسی کو بوجہ تجویز کسور شبہ واقع ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کسور حدود میں ہوتی ہیں عدو میں نہیں ہوتی ورنہ وحدت ایسا حد واحد است واحد نہ رہیں مگر کب اور متعدد ہو جائیں اس سے زیادہ علماء کو ضرورت نہیں اور کم فہم زیادہ بھی بدقت ہی سمجھیں گے یہی ماہیت طلاق اس میں تنصیف درکنار مطلق انقسام ہی کی گنجائش نہیں۔ ہاں وہ اگر سبکد کھات ہوئی ہو تو یہ بات ہوتی البتہ بوسیدہ عدو انقسام عدوی تصور ہے۔ اس لیے اس کی طلاق مغلطہ دوسری طلاق ہوگی کیونکہ اگر بالفرض کوئی شخص بوجہ خود آدمی طلاق سے تو اس کے اقرار کے موافق وجود مادہ طلاق تو ہوا مگر طلاق واحد حسب بیان بالانرا باعتبار ماہیت قابل تقسیم ہے نہ باعتبار عدو حیویوں کا جاکے کہ آدمی آدمی نہیں اس لیے جب ہوگی تو پوری ہی ہوگی۔

حیض و طہر بذات خود قابل انقسام نہیں | علیٰ ہذا القیاس عدت طلاق کو خیال فرمائیے کیونکہ حیض و طہر بذات خود تو قابل انقسام ہی نہیں مگر ہیں تو باعتبار زمانہ قابل انقسام ہیں وجہ اس کی اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے لیے کوئی مقدار معین نہیں یعنی کوئی ایک زمانہ مقرر نہیں کہ اس سے کمی بیشی تصور

نہ ہو قلیل و کثیر سب پر ان دونوں کا اطلاق درست ہے سو یہ بات کہ قلیل و کثیر دونوں پر برابر اطلاق ہو
 سکے اشکال و صورت یعنی حدود کے خواص میں سے ہے خواہ وہ شکل و صورت مدارکات بصری میں سے ہو
 یا کسی اور حاسہ کے مدارکات میں سے ہو۔ غرض اس جگہ صورت مصطلع اہل منطق کبھی چاہیے صورت
 حاصل فی العقل سے جو وہ مراد لیتے ہیں وہی مراد لیتا ہوں۔ اور وجہ اس اختصاص کی کہ اس قسم کا اطلاق
 انہیں کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ حدود و صورت گہرے حدود و صورت کمیات و مقادیر کیوں نہ ہوں تمام
 کیف میں سے ہیں اقسام کم میں سے نہیں جو مقدار کی کمی بیشی باعث اختلاف مقصود ہو جائے اگر مثال سے
 تسکین خاطر مقصود ہے تو سنئے کسی کی تصویر اس سے چھوٹی ہو یا اس سے بڑی، صورت وہی کی وہی
 رہتی ہے ورنہ تبدیل صورت ہو کر تا تو پھر اس کا تصویر ہونا اور اس پر اس کا دلالت کرنا غلط ہو جائے۔
 اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمی بیشی معروض تصویر میں ہوتی ہے خود تصویر میں نہیں ہوتی اس صورت میں
 حیض و طہر کا انقسام بھی بذات خود ممکن نہ ہو جو ملائشہ قدر کی جگہ بانڈیوں کے لیے ڈیڑھ قدر بلا کم و کاست
 مقرر ہو اس صورت میں جب ڈیڑھ قدر کسی کے ذمہ رکھا جائے گا تو پورے دو ہی قدر لازم آئیں گے۔

رحمٰنی قدر میں حنفی شافعی اختلاف اور | اگر قدر بمعنی حیض ہے جیسے حنفی کہتے ہیں تو دو حیض۔ اور
 علم ریاضی سے اس کی وضاحت | بعضی طہر ہے جیسے شافعیوں کا مذہب ہے تو دو طہر ہوں

معروض طہر و حیض یعنی زمانہ مثل معروض تصویر البتہ محل انقسام ہوتا ہے سو وہ اور چہرے اس سے یہاں
 بحث نہیں۔ بحث کے قابل یہ بات ہے کہ تصویر یعنی وہ صورت جو کاغذ و غیرہ پر مرقوم ہوتی ہے۔
 قطع نظر کاغذ سے بھی قابل انقسام ہے یا نہیں۔ سوال اہل فہم سلیم پر روشنی ہو گا کہ اگر وہ اس طرح قابل انقسام
 ہوئی تو لاریب اس کے لازم ذات بھی قابل انقسام ہوتے اگر صورت حسین ہو تو حسن بھی بعد انقسام منقسم
 ہو اور قبیح ہو تو قبیح بھی بعد انقسام منقسم ہو۔ علیٰ ہذا القیاس در صورت حسن جس قدر محبت پوری صورت
 سے ملتی وقت تنصیف وہ بھی نصفاً نصفی ہو جائے حالانکہ تنصیف میں تو بہت کچھ نقصان کھاتا
 ہے۔ یہاں تو فقط ایک آنکھ ناک کی کمی بیشی میں حسن تبدیل بقیح ہو جاتا ہے۔ اور محبت تبدیل بغض
 سو وجہ اس تبدیل و انقلاب کی یہی ہے کہ صورت سابقہ منقسم نہیں ہوتی بلکہ بدل جاتی ہے اور
 کیونکہ نہ ہو بعد انقسام منقسم کا اقام پر صادق آنا ضرور ہے۔ فلہذا آب زمین وغیرہ اشیاء کو اگر تقسیم کر لے
 ہیں تو تمام اقسام اور اجزاء کو بعد تقسیم بھی غلہ، آب، زمین ہی کہتے ہیں اور صورت کا یہ حال ہے کہ بعد

غرض اس حالت کے جس کو بظاہر انقسام کہتے اطلاق منقسم درست نہیں ہوتا بلکہ اس کا اور کچھ نام ہو
 جائے مثلاً مربع کو اگر قطر وغیرہ سے تقصیف کیجئے تو پھر ان ٹکڑوں کو جو بعد انقسام مشار الیہ حاصل
 ہوتے ہیں مربع نہیں کہہ سکتے بلکہ شدت یا سخرت کہیں گے۔ وجہ اس انقلاب کی وہی ہے کہ یہ
 تقسیم صورت مربع پر عارض نہیں ہوتی بلکہ معرض مربع یعنی سطح پر عارض ہوتی ہے۔ اس لیے
 اطلاق سطح ہونہ بدستور ہے۔ مگر چونکہ سطح مذکور کو بوجہ عرض صورت مربع، مربع کہہ دیتے ہیں اس
 لیے غلام کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مربع یعنی صورت مشار الیہ منقسم ہو گئی اسی طرح آب و زمین وغیرہ اشیاء
 جنس کو سمجھئے کہ جو چیز قلیل و کثیر ہر برابر بولی جاتی ہے وہ صورت آب و زمین ہے مگر وہ قابل انقسام
 نہیں اور جو چیز قابل انقسام ہے وہ معرض صورت آب ہے وہ بیوتی ہو یا اجزاء لہذا تحریر ہی یا بعد
 مجرور سو کوئی صاحب اس بات سے کہ آب بعد انقسام پھر آب ہی رہتا ہے حالانکہ قلیل و کثیر پر
 بولا جاتا ہے و صوکانہ نکھائیں اور اس بات کو غلط نہ سمجھیں کہ جو چیز قلیل و کثیر پر یکساں بولی جائے وہ
 مثل صورت حدود قابل انقسام نہیں ہوتی وجہ اس شبہ کی یہ ہے کہ کبھی حدود خود محدود ہو جاتی ہیں۔
 جیسے سطح حد جسم ہے اور بہ نسبت خطوط خود محدود ہے۔ سو ایسی ہی چیز میں ایک حد ہوتی ہے ایک حدود
 ایک صورت ہوتی ہے، ایک معرض۔ صورت انقسام تو خواہ عرض محدود و معرض میں سے ہوتا ہے۔
 اور اطلاق علی القلیل و الکثیر لازم و موجبات صورت حدود میں سے ہوتا ہے اور جہاں دونوں باقی
 مجتمع ہو جاتی ہیں یعنی ایک شے کسی کی حد اور صورت ہو اور کسی کی محدود اور صورت۔ تو انقسام اور
 عدم انقسام کا بھی یہی حال ہوگا کہ ایک اعتبار سے انقسام ہوگا اور ایک اعتبار سے نہ ہوگا۔ مثلاً سطح
 اگر منقسم ہے تو عرض و طول میں منقسم ہے مگر اس اعتبار سے وہ حد اور صورت جسم نہیں۔ حد اور
 صورت جسم ہے تو باعتبار عمق ہے اور ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے سطح قابل انقسام نہیں۔

القصر حیض و طہر طہارت و نجاست مجملہ صورت و حدود ہیں اور احکام دینے میں یکثیت صورت
 ہی ملحوظ ہیں۔ کیونکہ ان سے یا تحدید زمانہ مقصود ہے جیسے عدت میں ہوتا ہے یا تنبیہ مکلفین مثلاً
 جب یوں کہتے ہیں کہ نماز بے وضو درست نہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ مومن مطلق کی نماز صحیح نہیں
 بلکہ مومن ظاہر کی نماز صحیح ہے سو جیسے غسل، وضو قابل انقسام نہیں ورنہ آدھے وضو سے آدھی نماز
 صحیح ہو جایا کرتی اور آدھے غسل سے اس کے متعلق آدھے کام نکل آیا کرتے۔ ایسے ہی حیض و طہر

کو سمجھئے۔ سو جب ان میں انقسام ہی نہیں تو اگر کہیں نصف حیض یا نصف طہ لازم آئے گا تو سارا ہی حیض و طہ لازم آئے گا کیونکہ آدھا کو یا ستانی وجود مادہ پر دلالت کرتا ہے مگر مادہ چونکہ قابل انقسام نہیں اور قلیل و کثیر پر اطلاق برابر درست ہے تو آدھا ہے جب سارا ہوگا اور ستانی ہے جب سارا ہوگا۔

استبراء بیک حیض اور عدت کامل میں فرق | اور استبراء بیک حیض جو بعد ملک باذریوں کے باب میں ضرور ہوا اور تین حیض بے نہ در۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت طلاق میں فقط حفظ نسب ہی مقصود نہ تھا بلکہ انتظار رضاء زوج بھی ملحوظ تھا تو یہاں انتظار تو ہے نہیں اگر ہے تو فقط حفظ نسب ہے اس کے لیے ایک حیض کافی ہے کیونکہ حیض آنا حمل کے نہ ہونے کے لیے دلیل کامل ہے بایں ہمہ اندیشہ اعتقاد افسا و حق غیر نہیں کیونکہ اگر حمل ہوا بھی تو وہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ داخل ملک ملک ہو چکا۔ اس لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ ہوتی مگر بہر حال یہاں بھی انقطاع نکاح ہے اتمام نکاح نہیں جو زن متعہ کو ملک یحییٰ پر قیاس کر کے استبراء کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرتفع ہو گیا کہ عدت متعہ کلام الشہد میں مذکور نہیں تو کیا ہوا استبراء زن غنیمت اور یا غریبوں کی عدت بھی مذکور نہیں۔ کیونکہ یہ سب کلام الشہد ہی سے ثابت ہوا۔ بایں ہمہ ان وجوہ میں سے ایک وجہ بھی مذکور ایسی نہیں جو زن متعہ کو اس وجہ سے ان احکام میں سے کسی میں شریک کر دیجئے اور نہ انشاء اللہ قیامت تک علماء شیعہ کو کوئی وجہ مقتضی استبراء غنیمت و غنیمت سے ملے بلکہ برعکس آرزو شیعہ وجوہ عدم استبراء غنیمت و غنیمت سے نمایاں ہیں۔ سو اگر علماء شیعہ کو غنیمت و غنیمت سے سرکار ہے اور اس دین کو موافق اشارہ و یَعْلَمُہُمُ الذِّکْرُ وَ الْحِکْمَةُ عین حکمت سمجھتے ہیں تو عدم وجوب استبراء کے قائل ہوں گے اور پھر بوجہ عدم دخول فی المحصنات متعہ کی حرمت پر ایمان لادیں گے۔ ورنہ وہ جانیں۔

بالجملہ جملہ محصنین الا اس پر شاد ہے کہ وہ عورتیں جن کو مسا ورا ذلک کہیے اگر حلال ہیں تو بشرط احسان حلال ہیں اور نظام ہے کہ رعایت احسان ان عورتوں کے محصنات بنانے کو مقتضی ہے اور بالالتزام زن متعہ کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ غرض یہ مضمون ایسا عام نہیں کہ زن نکاح اور زن متعہ دونوں کو شامل ہو اور تخریج حکم استمتعہ ببدنہن از قسم بیان احکام خاص بعد ذکر العام ہو۔

(استملاء کا مفہوم و مطلب) ہزار افسوس علماء شیعہ نے استملاء کی سیم تا ہیں کہ تو دیکھو ہر مذہب کا اگر یہ کلمہ
پر دلالت کرے گا تو یہ قصہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسے کہا کہ ہے۔ بیاد میں زیج کا یہ کلمہ اول کلام معارض
کلام آخر اور آخر معارض اول ہو جائیں گے۔ مگر ہاں شاید علماء شیعہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ خدا کو بھی اپنی طرح
دروغ کہہ سکتے ہیں۔ اور اپنی شرم اتارنے کہ حافظ نباشد کا الزام خدا کے ذمہ لگاتے ہیں۔ سبحان اللہ اس
خوش فہمی کے قربان مجاہد کریم، آ، عین کے حیرت سے سینوں سے الجھنے کو تیار ہیں۔ اگر ان خرابیوں پر
نظر نہ تھی جو مذکور ہوئیں تو معنی لغوی استملاء کو دیکھنا تھا کہ کیا ہے۔ بوستان گلستان کے پڑھنے والے
بھی اتنا تو جانتے ہیں کہ یہ مادہ بمعنی استملاء آتا ہے۔ بوستان کا یہ مصرعہ "تمتع زہر گوشہ با فہم" علی
شیعہ کو بھی یاد ہو گا۔ اور استاد کے بتلاتے ہوئے معنی بھی محفوظ ہوں گے۔ اگر لغات عرب اور محاورات
کلام اللہ سے جا مل تھے۔ تو گلستان بوستان تو عربی کی کتاب بھی نہ تھی۔ جیسے زبان اردو میں عربی فارسی
وغیرہ الفاظ داخل ہو گئے ہیں ایسے ہی حضرت سعدی کے زمانہ کی فارسی میں سیکنڈوں الفاظ عربی داخل
ہو گئے تھے منجملہ ان کے لفظ تمتع بھی تھا۔ اگر اسی قرینہ سے یہ سمجھ لیتے کہ لفظ استملاء بمعنی استمتاع ہے
تو کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ہاں یوں کہنے بھوکوں کو دو اور دو چار روٹیاں ہی کچھ میں آتی ہیں جہاں میم،
آ، عین ہو وہاں موافق آرزو پہنچانی شیعوں کے مرد و عورت کو مستحکم کچھ میں آتا ہے لیکن یہ بات تھی تو اس
مطلب کے لیے آیت فَمَنْ تَمَتَّعْ بِالْعُسْطَةِ إِلَى الْجِجِ زِيَادَةً مِّنَ الْجِجِ بَيَانِ مَدَدِ
اور تکرار زمانہ کے لیے عمدہ ماخذ تھا کیونکہ آیت فَمَنْ تَمَتَّعْ بِالْعُسْطَةِ إِلَى الْجِجِ زِيَادَةً مِّنَ الْجِجِ
فَرِيضَةً میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو تکرار مدت پر دلالت کرے اور مستحکم کے لیے وجہ ثبوت
ہی جاتی۔ اور اگر قرأت عبداللہ بن مسعود میں الی اجل صبی ہے تو وہ مثل الی اجل متواتر نہیں بلکہ قرأت
شاذہ میں سے ہے اور جب سینوں کے نزدیک وہ قرأت شاذ ہوئی تو پھر اس کے بھروسے ان کا الزام
دینا شیعوں کی غلط فہمی ہے۔

رشیعہ کے نزدیک تمتع نکاح سے افضل ہے (دوسرے نکاح اور متعہ میں اگر بظاہر ایک نوع کا تجانی
ہے تو درحقیقت بون بعید اور فرق زمین و آسمان ہے۔

نکاح ایک ہو یا ہزار نہ حضرت امام الشہداء (دور کر بلا) امام حسین رضی اللہ عنہ کا رتبہ بڑے نہ حضرت
سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ جیسے آگے نہ حضرت امیر رضا، اللہ عنہ کا مقام حاصل ہو نہ حضرت سرور عالم علیہ

اللہ و علی آلہ وسلم کا منصب نصیب ہو۔ اور متعہ کا یہ رتبہ کہ ایک (مرتبہ) کرے حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی مسند اڑائے اور دو کرے تو حضرت سبط اکبر کی گدی اڑائے اور تعمیر کرے تو پھر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت میں شریک ہو اور جو تختی میں تو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہم جوہار ہے۔ اور پھر قیاس کو دوڑائے تو حسب خیالات و افہام شیعہ پانچویں مرتبہ میں خدا ہونے کی امید کا موقع ہے۔ اور غسل میں یہ پاکیزگی کہ ہر قطرہ شیر یک ملک (فرشتہ) ہے جس کو سوا تسبیح و تقدیس ربانی اور کچھ کام نہ ہو۔ اس صورت میں متعہ کا نیک کے ساتھ ہونہ ایسا ہے جیسا غراب مرد بازاری سے آج شاہانہ کو سی دیکھئے۔

لے کتب شیعتہ سے متعہ کے ان فضائل کا ثبوت موجود ہے۔ دیکھو شیعوں نے مفسر ابنی تفسیر منہج الصادقین میں نقل کرنا ہے من تمتع حرقان درجہ کہ درجۃ الحسین علیہ السلام ومن تمتع موتین فہد درجۃ الحسن علیہ السلام ومن تمتع ثلاث مراتب کان درجۃ علی بن ابی طالب علیہ السلام ومن تمتع اربع مراتب فہد درجۃ کہ درجۃ عیسیٰ کہ کہہ رہے ہیں کہ وہ جو دو چوں جبریل علیہ السلام باشد وہ کہ وہاں متعہ کند وہاں چوں ابراہیم باشد ہر کہ سوا متعہ کند وہاں چوں جبریل علی بنی طالب علیہ السلام باشد وہ کہ چار بار متعہ کند درجۃ او مانند درجۃ من باشد۔ تفسیر منہج الصادقین ص ۴۹۳ مطبوعہ تہران۔ ۱۲۔ محمد شرف لے ہر کہ یکبار در مدت عمر خود متعہ کند اذ اہل بہشت باشد وہ کہ گاہ متمتع و تمتعہ باہم بشینہ فرشتہ برایشان نازل کرد و حراست ایشان کند تا آتش از آن مجلس برخیزند و اگر باہم سخن کنند سخن ایشان ذکر و تسبیح باشد و چوں یکے گرہ نہ بند حق تعالیٰ بہر لہو سہی و عمر و برائے ایشان بوسہ و چوں خلوت کنند ہر لذت و شہوتے حزن برائے ایشان بوسہ مانند کہہ مائے برا فرماشتہ، بعد ازاں فرمود کہ جبریل مرگفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ می فرماید کہ چوں متمتع و تمتعہ برخیزند بغسل کردن مشغول شوند و بغسل در حالتیکہ عالم باشد یا آخرت من پروردگار ایشانم گواہ شود بہ آتش من آہر زیم ایشان را و آب برینج موائے از بدن ایشان نگذرد و مگر کہ حق تعالیٰ بہر موائے وہ تنہ برائے ایشان بوسہ و وہ سیرہ نمکند وہ در جہ رفیع نماید۔ پس امیر المؤمنین علیہ السلام برخواست و گفت انا صدقنا من تصدیق کنندہ ام تر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیست جزائے کسی کہ در این باب سعی کند؟ فرمود لے اجر ہا تراہ را باشد اجر متمتع و تمتعہ۔ گفت یا رسول اللہ اجر ایشان چہ چیز است؟ فرمود چوں بغسل مشغول شوند ہر قطرہ آب کہ از بدن ایشان ساقط شود حق تعالیٰ فرشتہ بیافزند کہ تسبیح و تقدیس او سجدہ کند و گلاب آن از برائے غافل و خیر و باشد مانند قیامت۔

(ائمہ سے متعہ کے فضائل و مسائل) | ہاں اگر حج کعبہ سے متعہ کو توڑیے تو بڑے باطنی توبہ مناسبت کر حج
 متعہ حج کے لیے ہیں) اگر موجب مغفرت معافی ہے تو متعہ سر مایہ توفی مدارج ہے وہ
 اگر عنوان محبت ہے تو یہاں صدق محبوبیت ہے۔

تفصیل اس اجمال کی احکام حج اور فضائل متعہ سے عیاں ہے۔ احرام سر و پا رہنے نعرہ لبیک زبان
 حجر اسود کا بوسہ اور ملتزم کی ہم آغوشی اور کعبہ کا طواف اور کوچہ صفایں مائے مائے پھر نادر رمی جملہ، ناصح
 نادان کرسنگ ہاراں کرنا اور پھر آخر کار قربانی۔ یعنی جان و مال کو قربان کر دینا یہ سب عاشقوں کے کام
 ہیں اور مقامات حسنین رضی اللہ عنہما اور مناصب حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور مدارج حضرت بشیر و نذیر
 علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں سر مایہ محبوبیت ہے۔

ادھر نکاح میں بجز حصول اولاد یا قضا بہت اور کچھ منفعت دینی ہے نہ دنیوی اس لیے وہاں
 اگر صبر میں زخارف دنیوی مقرر کئے جائیں تو بجائے خود ہے۔ پر متعہ جیسی افضل العبادات کے اجر میں
 مال دنیا کا دینا لاریب موجب تو ہین ہے۔ ہاں جیسے نکاح میں باموال حکم فرمایا ہے متعہ میں اگر
 بالعمہ فرمائیں تو البتہ کچھ ٹھکانے کی بات ہے پھر اگر الی الحج کو غایت تمتع نہ کیئے بلکہ بیان تحدید عوض متعہ
 ہو۔ یعنی عمرہ سے لے کر حج تک جو کچھ ثواب اور برکات میسر آئیں وہ سب اجر و عمر متعہ قرار دیا جائے
 اور تحدید مدت مثل لفظ استمتع لفظ تمتع کے بدولالت میں سے رکھنے تو کو تحدید مدت متعہ کہیں سے
 بتصریح ثابت نہ ہوگی اگر ہوگی تو بدولالت وضع مادہ متعہ ثابت ہوگی مگر اس صورت میں فضیلت
 متعہ کی طرف زیادہ تراشعار ہو جائے گا اور ہر جزا کا اسْتَبْرَ مِنْ الْهَدْیِ کی وجہ موجب ہاتھ آجائے
 گی یعنی در صورتیکہ اس متعہ کو جو آیت هُنَّ لَمْ تَمَتَّعْ میں اس کی طرف اشارہ ہے متعہ حج کیسے جیسا تمام
 امت کہتی ہے۔ توبہ حکم پدی وجہ شکر توفیق جمع عمرہ و حج سمجھا جاتا تھا اور جب اس متعہ کو متعہ زن قرار
 دیا جائے اور اس کے لیے اس قدر ثواب و مدارج تجویز کئے جائیں تو پھر بدرجہ اولیٰ شکر مذکور لازم آئے
 گا کیونکہ اس صورت میں اپنی جان بھی قربان ہو جائے تو بجائے وصال جانناں اور رضائے جان آفریں
 دونوں موجود ہیں۔ بہر حال اگر یہی غفل بے چوڑ قصہ ہے تو مطلب برآرمی شیعہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ
 بِهِ مِنْهُنَّ فَاسْتَمْتَعْتُمْ اس قدر متصور نہیں جس قدر آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ سے اس مطلب کے
 حصول کی امید ہے۔

(آیت تمتع حج کی طرح آیت فہما استمتعتم | ہاں اگر اس پر نظر ہے کہ کلام ربانی میں تحریریت معنوی نہ ہونے سے بھی مقصود مراد لینا بالکل باطل ہے) پائے اور تعارض اول آخر کی نوبت نہ آئے بلاغت کلام اللہ سے نہ جائے اور حکمت عقلی قانون نقل سے ٹکرنہ کھائے تو پھر نہ آئے فہم تمتع سے یہ مطلب نکل سکتا ہے اور نہ آیت فہما استمتعتم پہ نہ نہیں آئے یہ کام چلتا ہے آیت فہم تمتع میں بشمارت سیاق و سباق انتفاع دو عبادتوں سے ایک احرام میں مراد ہے۔ اور آیت فہما استمتعتم میں انتفاع جماع و خلوت مقصود ہے یعنی اگر بعد نکاح خلوت صحیحہ کی نوبت آجائے تو پھر جتنا مہر مقرر ہو لیا ہے سارا کا سارا دینا آئے گا چنانچہ الجودہا کے بعد لفظ فریضۃ اسی لیے بڑھایا ہے اور وجہ اس ارشاد کی یہ ہے کہ اگر بالفرض بعد نکاح قبل خلوت زن منکوحہ کو اس کا شوہر طلاق دیدے۔
تو موافق ارشاد آیت

وَإِنْ طَلَّقَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُ
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُمْ فَرِيضَةً فَنِصْفُ
مَا فَرَضْتُمْ لَهُمْ (بقرہ ص ۴۱)

(اور اگر طلاق رواں کر دے لگائے سے پہلے اور مہر چکے تم ان کے لیے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے)

آدھا مہر دینا آتا ہے سارا مہر واجب نہیں ہوتا۔ سارا مہر بھی واجب ہوتا جب کہ خلوت صحیحہ بھی میسر آجائے۔

(قرأت شاذہ ابن مسعود کا محل) | اس صورت میں قرأت حضرت عبداللہ بن مسعود اسی مضمون کی ہیں اور مختصر ہوگی اور یہ قاعدہ بھی درست ہے گا کہ قرأت شاذہ حکم تفاسیر رکھتی ہیں اور وجہ تفسیر کی خود ظاہر ہے کیونکہ الی اجل فایت استمتعتم ہوگی۔ سو اجل منکر (نکوحہ) کو غایت و نہایت استمتاع یعنی انتفاع خلوت رکھا جائے گا تو یہی معنی ہوں گے کہ کسی قدم مدت تک بھی نوبت استمتاع آجیگا تو سارا ہی مہر لازم آئے گا۔ بالحد لفظ اجل بھی مثل زمانہ قلیل و کثیر پر بولا جاتا ہے۔ ایک ساعت قلیل سے کہ زمانہ دراز تک کو اجل کہہ سکتے ہیں۔ سو قدر خلوت صحیحہ بھی ایک مصداق الی اجل ہے۔ الغرض شیعہ الی اجل کو استہار عقد سمجھ کر ہلکے اگر انتہاء استمتاع سمجھ جائے تو ساری باتیں ٹھکانے لگتے اور اس تجویز کی بھی نوبت نہ آئی کہ استمتعتم میں تضمین معنی عقد کر کے اپنا کام بنایا معنی حقیقی آیت سے کام نہ چل سکا۔ الغرض اگر آیت استمتاع کو ماضی مدت مستحضر کیجئے تو اول تو معنی مجازی ہے

کی ضرورت یعنی تفسیر میں محض عقد کیجئے تو کام چلے سوا اس کے کلام اللہ کی بے ربطی۔ نظم قرآنی کی بے انتظامی
 آیت مَحْصِنَاتٍ اور آیت الْمُحْصَنَاتُ کے مخالف آیت نِسَاءُ مَكْرُوهَاتٍ نَكَحُوا حُرِّمَ مَعَارِضِ
 عِلَّتِ تَعْدُو الزَّوْجِ لَیْنِ وَاوَدَّ كُوْمَتَهُمْ۔ اتنی خرابیاں سر و سر پہ تو متو کے جواز کا آیت اِسْتَمْتَعْتُمْ سے
 نام لیجئے۔ سو یہ بات سوا شیعوں کے اور کس سے ہو سکے۔

لفظ اُجُوْدَہُنَّ سے تعین مدت کے | باقی وہاں شبہ جو لفظ اُجُوْدَہُنَّ سے دوبارہ تعین مدت
 لئے میں واقع ہونے والے شبہ کا جواب | واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیت

میں متصل ہیں لہٰذا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّکُنْ
 الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ
 مِنْ فَتٰی تَکُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
 بِاَیْمَانِکُمْ بَعْضُکُمْ مِنْ اٰیْمَانِکُمْ هُنَّ
 بِاِذْنِ اٰہْلِہِنَّ وَاَنْتُمْ مِنْ اُجُوْدَہُنَّ (پ ۱۷۱)

اور جو کوئی نہ سکے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں
 لائے یہ بیاں مسلمان تو نکاح کرے ان سے جو تمہارے ہاتھ
 کمال ہیں جو تمہارے آپس کی لڑکیاں ہیں مسلمان اعدائے
 کو خوب معلوم ہے تمہاری صفائی تم آپس میں ایک ہو
 ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور وہ لڑکیاں

اس آیت میں بتصریح ذکر نکاح ہے اور پھر بایں ہمہ لفظ اُجُوْدَہُنَّ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح
 و متعہ کی حقیقت میں تو یہی فرق ہے کہ متعہ میں مدت محدود ہوتی ہے نکاح میں مدت نکاح محدود نہیں
 ہوتی سو جس طرح بیاں لفظ اُجُوْدَہُنَّ مقتضی تعدید مدت نہیں لے لے ہی آیت اِشْتَمَلَع میں بھی سی۔
 علاوہ بریں عقد نکاح کو عقد زوجہ تو کہہ ہی نہیں سکتے اگر کہیں گے تو عقد اجارہ ہی کہیں گے اور یہ بھی ظاہر
 ہے کہ متعہ کو تو سوا شیعوں اور کوئی جائز نہیں کہتا پر نکاح کے جواز میں کسی کو کلام ہی نہیں موجب اس کو عقد
 اجارہ کہا اور مدت معین نہ ہوئی تو لفظ اُجُوْدَہُنَّ نہ شیعوں کو معنی ہوا نہ بیٹوں کو مضمر۔ بلکہ یہ شبہ الٹا
 شیعوں کو مضمر پڑا۔ اس لیے کہ تصحیح متعہ کے پتے (لیے) نکاح متزوج علیہ کا قہ لازم غلط ہو گیا یعنی جب
 لفظ اجودہن اس بات کو مقتضی ہے کہ عقد مذکور عقد اجارہ ہو اور عقد اجارہ کو تعین مدت اس صورت
 میں لازم ہوتی کہ تعین کار کسی اور طرح نہ کیا گیا ہو۔ تو پھر اس صورت میں نکاح امام کا اعلان آپ ظاہر
 ہو گیا۔ لفظ اُجُوْدَہُنَّ موجود ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ عقد نکاح عقد اجارہ ہو اور مجھ کا یہ عقد۔
 کار کی کوئی صورت نہیں تو اب بجز اعلان اور کیا ہو گا۔

رنگ اور ملک عین میں ملک اصلی ہے | اور ہم سے پوچھئے تو تحقیقی بات یہ ہے کہ جیسے روشنی
 مستعد اور عاریت میں صرف اخذ منافع) کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ذاتی دوسری عرضی۔ یعنی ایک
 تو یہ کہ روشنی کہیں اور سے ماخوذ اور مستعار نہ ہو جیسے بظاہر نور آفتاب کا حال ہے۔ دوسرے یہ کہ کہیں اور سے
 ماخوذ ہو جیسے دھوپ کے وقت زمین کی روشنی۔ ایسے ہی ملک منافع کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ لوہیت
 استعارہ نہ آنے جیسے اپنے ملک میں ہوتا ہے دوسرے یہ کہ کہیں اور سے حاصل کیجئے پھر اس کی بھی دو صورتیں
 ہیں ایک تو یہ کہ ملک منافع بعض مال ہو جیسے اجارہ میں۔ دوسرے یہ کہ بے عوض ہو جیسے عاریت میں
 ہوتا ہے۔ بہر حال ملک منافع جو بطور اخذ و استعارہ ہو اس کے لیے ماخذ اور معبر کی ایسی ہی ضرورت
 ہے جیسے روشنی ماخوذ کے لیے ماخذ کی ضرورت ہوتی ہے سو جیسے منافع ماخوذ اخذ کی ملک ہو جاتے ہیں۔
 ماخذ منافع حاصل کی ملک ہوتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد گذارش یہ ہے کہ مستعد میں تو مر و اخذ منافع بعض ہوتا
 ہے اور نکاح میں مرد و ملک ماخذ ہوتا ہے۔ سو جیسے اپنی باندی غلام سے انتفاع بوسیدہ ملک ماخذ
 ہے بوجہ اخذ منافع نہیں اور دوسرے کی غلام سے انتفاع یا کسی اور مجلس یا اجیر سے انتفاع بوجہ اخذ
 منافع ہے بوسیدہ ملک ماخذ نہیں اور اس لیے احسان و اجارہ میں بعد مر و وقت انتفاع یعنی احسان
 و اجارہ ملک خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی باندی غلام کے منافع کی ملک بعد مر و وقت انتفاع
 بھی باقی رہتی ہے۔ البتہ بوجہ اعتاق یعنی ازالہ ملک ماخذ منافع ملک زائل ہو جاتے ہیں ایسے ہی اپنی
 زوجہ منکوحہ سے انتفاع بوسیدہ ملک ماخذ ہے اخذ منافع نہیں۔

(مستعد میں طلاق اور اعتاق نہیں ہوتا) | اور یہی وجہ ہے کہ بعد مر و وقت انتفاع بھی ملک اور
 اختیار انتفاع باقی رہتا ہے۔ مر و وقت انتفاع سے ملک زائل نہیں ہوتا طلاق یعنی ازالہ ملک
 ماخذ منافع سے ملک منافع زائل ہو جاتی ہے اور زن مستعد سے انتفاع بطور اخذ منافع ہے اس لیے
 زوال وقت موجب زوال ملک و زوال اختیار انتفاع ہو جاتا ہے۔ طلاق کی حاجت نہیں۔ اور اس
 تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مستعد میں طلاق کیوں نہیں ہوتی اور نکاح میں کیوں ہوتی ہے۔ القصہ جیسے
 ملک عین کے لیے اعتاق ہے ملک اجارہ کے لیے نہیں ایسے ہی ملک ماخذ منافع زن کے لیے
 طلاق ہے ملک منافع یعنی اجارہ مستعد کے لیے نہیں بہر حال جیسے ملک عین میں انتفاع کے لیے
 کوئی مدت معین اور محدود نہیں ہوتی ایسے ہی ملک ماخذ منافع میں بھی انتفاع کے لیے کوئی وقت

معین نہیں ہوتا۔

(متعد ملک میں بیع کا شہ بھی باطل ہے) | اُن یہ شبہ باقی رہا کہ اگر کسی ملک مانعہ اور مناسب طلاق و عتاق ہے تو یوں کہو کہ ملک میں عورت اپنے آپ کو یا کسی عضو خاص کو شوہر کے ہاتھ بیع کر دیتی ہے سو اول تو احرار و عرائز کی بیع یا ان کے اعضاء کی بیع درست نہیں نہ خود ان کو نہ کسی اور کو کیونکہ حر و حرہ کسی کے مملوک نہیں ہوتے نہ اپنے نہ کسی بیگانہ کے اور بفرض محال ہوتے بھی تو اپنے تو ہو ہی نہیں سکے کیونکہ مالک اور مملوک اور بائع اور بیع میں تقابل و تضالیت ہے۔ اور متضالیین میں تغایر ضرور ہے اتحاد تصور نہیں چنانچہ مفہوم مالک و مملوک و بائع و بیع بشارت و جہان بھی ہر خاص و عام کے نزدیک تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

(منکوحہ میں بیع و شراہ مہبہ اور عاریت کے اختیارات کیوں نہیں؟) | در ستر اس صورت میں مہر کو ثمن و قیمت کہنا تھا اجریوں فرمایا علاوہ بریں بیع و شراہ اور مہبہ اور عاریت کا اختیار کیوں نہیں اس کا جواب ایک مقدمہ لطیفہ پر موقوف ہے اول اس کا عرض کرنا ضرور ہے۔

(مقدمہ لطیفہ تمام اشیاء میں قبضہ علیٰ ملک قبضہ ہے سو اس کے اور کوئی امر موجب ملک نہیں ہی سے ملک حاصل ہوتا ہے) | اموال منقولہ و غیر منقولہ اول اگر مملوک ہوتے ہیں تو اسی قبضہ کے بدولت ہوتے ہیں جانور ان وحشی اور نباتات خود روئیدہ اور آب چاہ و دریا کے مملوک ہونے کا طریقہ مکر قبضہ اور کچھ نہیں۔

(اسباب معروفہ بیع و شراہ وغیرہ انتقال ملک کا سبب ہیں نہ کہ حدوث ملک کا) | باقی رہی بیع و شراہ و مہبہ اجارہ وصیت میراث اسباب معروفہ اسباب انتقال ملک ہیں اسباب حدوث ملک نہیں یعنی ملک موجود ایک جاسے دوسری جا چلی جاتی ہے یہ نہیں کہ پہلی ملک کا نام و نشان کچھ نہ تھا اسباب مذکورہ کے سبب از سر نو حادث ہو جاتی ہے بایں ہمدان اسباب میں بھی قبض کی ضرورت

لے اس سوال کا جواب ۲۴۵ پر موجود ہے۔ ۱۲۔ لے ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ منکوحہ میں اسباب معروفہ بیع و شراہ وغیرہ نہیں پائے جاتے پھر یہ اسباب انتقال ملک کا سبب ہیں۔ حدوث ملک کا سبب نہیں جیسا کہ بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی۔

حصول ملک کے لیے اہل ذہن پر غفلت نہیں قبل قبضہ جو بیع بیع مشتری کو منسوخ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ملک قبضہ ہی سے حاصل ہوتا ہے قبل قبضہ حاصل نہیں ہوتا پھر بیع کس چیز کی کی جائے بیع مالا ملک نقل درست ہے چنانچہ اس حدیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں۔ اور نہ مختار زیبا اس لیے کہ بیع میں مبادلہ ملک بالملک ہوتا ہے۔ جب ملک ہی نہیں تو مبادلہ کیونکر ہو سکے اور اگر قبل قبضہ بیع ملک پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ممانعت کی کیا وجہ بنتی ارکان بیع سائے موجود بائع موجود مشتری موجود بیع موجود غرض موجود۔

حرمت ربا کی وجہ یہ ہے کہ ربا میں ایک طرف سے عوض ملک نہیں پایا جاتا۔ اگر صورت ربا ہوتی تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر فرض کرو سیر جبرگیوں کو سوا سیر گیوں سے مثلاً فروخت کریں گے تو پاد سیر کے مقابلہ میں کچھ نہ ہو گا۔ اس صورت میں اس کو بیع کہو گے تو غن نہار دے اور غن کہو گے تو بیع نیست و نابود ہے اور پادے سوا سیر کو سیر کے مقابلہ میں کہہ سکتے ہیں کیونکہ جس صورت میں غن واحد ہے تو موجبات رغبت دونوں طرف برابر ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف سیر بھر ہو اور ایک طرف زیادہ اس لیے عدالت خداوندی اس بات کو مقتضی ہوئی کہ اتحاد عین کی صورت میں مقدار میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ ہاں در صورت اختلاف عین بجز تساوی وزن و پیمانہ رغبت کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے دہاں اہانت دہی گئی۔ اور اگر کسی صاحب کو رضا طریقین کے سبب کچھ تامل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراخی بہ نیت ثواب و مواصلات ہوگی تو وہ معاملہ بیع نہیں قدر زائد کو جبہ سمجھو اور اگر غفلت غرض مال ہے تو کوئی صاحب فرمائیں قدر زائد کے عوض میں کیا ہے۔

(بیوع فاسدہ میں بھی ربا ہے) | علی ہذا القیاس بیوع فاسدہ کو کچھ کیونکہ وہاں بھی علاوہ متقابلین ایک طرف کچھ اور بھی شرط ہوتا ہے مثلاً گھڑا اجینس، لگائے مکان کی کسی قدر دیوں کے عوض بیع کر کے بائع یہ شرط لگائے کہ ایک ماہ تک مثلاً میں قبضہ نہ دوں گا اپنے ہی قبضہ میں رکھوں گا۔ سورہ ایک مہینہ کے منافع بے عوض بائع کو حاصل ہوں گے کیونکہ جب بیع واقع ہو چکی تو اب بیع کو بائع سے کیا علاقہ وہ مشتری کے باپ دارے کی ہو چکی اس کے منافع میں بائع کا استحقاق منجملہ محالات ہے اس لیے بنا چاری ان منافع کو بلا عوض کٹنا پڑے گا اور اگر فرض کر دیں بھی ہوئی ہی نہیں تو مشتری کو دعوے استحقاق جیسا اب ناروا ہے ایسا ہی بعد ماہ بھی ناروا ہو گا بالکل بیوع فاسدہ اور معاملات سود کے ممانعت کی ایک ہی وجہ ہے۔ قدر زائد اور شرط زائد میں ارکان بیع و اجارہ سائے موجود نہیں آتے۔

اگر بیع یا منافع جہد ہوا تو کوئی ترمیم ہو جائے تو بیع و منافع کا نشان نہیں عرض بیع فاسد میں وہ بیع سود ہوا کچھ اور ظاہر میں ایک ہوتی ہے۔ اور کہنے کو ایک معاملہ ہوتا ہے پر حقیقت میں ایک ترمیم صحیح ہوتی ہے اور ایک بیع باطل اس کے ساتھ اور نگلی ہوتی ہوتی ہے۔ یعنی وہ معاملہ لگا ہوتا ہے جس کے تمام ارکان موجود نہیں ہوتے اگر ہوتے ہیں تو بعضے موجود ہوتے ہیں بعضے نہیں ہوتے سورج قبل القبض کر اگر موجب ملک کہا جائے تو پھر کون سا کہن بیع مفقود ہو گیا ہے جو اس کو منوع کہنے بلکہ معاملہ بیع موجب استحقاق قبض ہو جاتا ہے اور قبض موجب ملک علیٰ ہذا القیاس بہ کہ کچھ فرق ہو گا۔ تواتر ہو گا کہ کسی کے نزدیک مثل بیع قبضہ مثل بھی موجب ملک سمجھا جائے اور کسی کے نزدیک قبضہ مثلاً کافی نہ ہو بلکہ ہاں نظر کہ اشتراک کے لیے تساوی مراتب ضرور ہے ورنہ مالک اور مستغیر اور خدائے مالک الملک اور بندگان مالک و قابض اموال شریک دیگر سمجھے جاتے تقسیم کی ضرورت پڑی تاکہ مویوب کے لیے کوئی مزاحم باقی نہ رہے ورنہ اشتراک باوجود عدم تساوی مراتب قبضہ جملہ قابضان لازم آئے گا۔

(اجارہ عاریت، میراث اور وصیت | جب بیع اور ہبہ کا حال معلوم ہو گیا تو اجارہ اور عاریت میں بھی قبضہ پایا جاتا ہے) کے حال کی تحقیق کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ یہاں بعینہ

وہی معاملہ ہے جو وہاں ہے یعنی اجارہ میں بیع منافع ہوتی ہے اور عاریت میں ہبہ منافع فقط۔ نوع بیع اور نوع مویوب جدا جدا ہے۔ ہاں میراث اور وصیت باقی ہیں۔ سوال میں بظاہر اگرچہ حصول ملک کے لیے قبض کی ضرورت نہیں پر غور سے دیکھئے تو وہاں ہجرت موت مورث موصی قبضہ ذات وارث موصی لا حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ قابض اول کا قبضہ تو کیا خود ہی اٹھ گیا اور کوئی مزاحم حال نہیں، حاکم سب کا وکیل، اور اس کا قبضہ موجود، اور ظاہر ہے کہ قبضہ وکیل وہ قبضہ موکل ہی ہوتا ہے۔ بالجلہ حاکم بوجہ حکم خداوندی وادث اور موصی لڑکے دلانے کو موجود۔ اور کوئی دعویٰ استحقاق نہیں رکھتا۔ ہاں بیع و ہبہ میں قبضہ بائع و واجب ہنوز موجود ہے جب تک اس کا قبضہ باقی ہے۔ مشتری اور مویوب لہٰذا قبضہ ممکن نہیں۔

(مال غنیمت میں بھی قبضہ علت ملک ہے) | القصہ تمام احکام و آثار ملک قبضہ کے علت ملک

ہونے پر ولایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اعزاز کا ملک غنیمت کے لیے مشروط ہونا اور قبضہ کفار کا رافع پاک اہل اسلام ہو جاتا ہے۔ اسی جانب مشیر ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ کسی کے نزدیک بعد غلبہ کفار اگر ہبہ

اہل اسلام مسلط ہو جائیں تو ملک سابق اہل اسلام خود نہیں کرتی بعض اموال مقبوضہ ملک مالکان سابق نہیں ہو جاتے بلکہ حسب قانون غنیمت تقسیم کیے جائیں گے اور بعضے علماء کے نزدیک وہ ملک سابق پھر عود کر آتی ہے۔ جیسے بدورت آب بعد زوال حرارت پھر عود کر آتی ہے بالجلد جس طرف دیکھے قبض ہی کا موجب ملک ہونا نکلتا ہے تمام احکام دین اور اقوال علماء دین اس پر شاہد ہیں۔

(بدن کے واسطے سے اموال پر روح کا قبضہ ہوتا ہے | اس صورت میں بدن انسانی کا مملوک اور مرلے سے بوجہ اٹھ جاتے قبضہ کے ملک چلی جاتی ہے) روح انسانی ہونا ضروری التسليم محض کیونکہ

روح انسانی کا اپنے بدن پر قبضہ دیدی (ہے) اگر ہاتھ کو اشارہ کرتی ہے تو وہ چلتا ہے اور پاؤں کو اشارہ ہوتا ہے تو وہ چلتا ہے۔ آنکھ۔ کان سب اسی کے زیر فرمان ہیں اسی کے احکام کی بجا آوری میں شب و روز مشغول ہیں۔ بلکہ قبضہ روح جو اور اشیاء پر ہوتا ہے اس کے لیے قبض علی البدن شرط ہے یعنی جب تک روح کا قبضہ بدن پر نہ ہو چکے تب تک کسی چیز پر قبضہ روح نہیں ہو سکتا اس سے زیادہ اور کیا تصرف ہو گا جس کا تحقق قبضہ کے لیے انتظار ہے اور ہر بدن انسانی کا قابل الملک ہونا اور روح کا لائق ملکیت ہونا ایسا نہیں جو گنجائش انکار ہو اگر روح لیاقت مالکیت نہ رکھتی تو کسی چیز کی نسبت مالکیت تحقق نہ ہو سکتی۔ اموال منقولہ و غیر منقولہ سب آزاد ہی رہتے اس لیے کہ سوار روح اور ہے تو بدن ہے اور بدن کا مال ظاہر ہے کہ وہ تنہا ملک تو کیا مملوک ہونے کے قابل نہیں۔ القصہ بعد انتقال وانفکاک روح۔ بدن جوں کا توں رہتا ہے۔ اگر ملک خود بدن ہو اگر تاثر نہ صرف مورث کی ملک زائل ہوتی اور نہ وارث کی ملک اس کے قائم مقام ہو سکتی مالکیت روح ہی کے متعلق ہوتی مگر چونکہ سرمایہ ملک وہ قبضہ ہے اور اموال پر قبضہ بوسیدہ بدن تھا اور وقت انتقال۔ بدن سے قبضہ اٹھ گیا تو اموال سے بھی قبضہ اٹھ گیا۔ بالجلد روح کا ملک اور لائق مالکیت ہونا ایسا نہیں کہ انکار ہو سکے۔

(بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل) ہر بدن اس کا مملوک ہونا اول تو اسی سے ظاہر ہے کہ ملک یحییٰ اس دین کے مسلمات میں سے ہے۔

(دوسری دلیل) او سکے مملوک ہونے کے لیے مالیت شرط ہے اور مالیت کے لیے میلان خطر ضرور ہے غرض مال اس میلان ہی سے مشتق ہے اور موجب میلان طبائع سیمر بھی نافع ہوتے ہیں

دختر خنزیر اور میتہ وغیرہ ناپاک اشیاء غیر نافع
ہونے کی وجہ سے مسلمان کی ملکیت نہیں بن سکتی

یہی وجہ ہے کہ میتہ اور دم اور ناپاک کو مال نہیں کہتے
اور ان کی بیع کو باطل کہتے ہیں کیونکہ بیع میں بھی مبادلہ

مال بالمال ہوتا ہے جب ان اشیاء میں منافع ہی نہیں تو مال بھی نہیں کہہ سکتے۔

علیٰ ہذا القیاس خمر و خنزیر میں اگرچہ منافع موجود ہیں مگر مسلمان کے حق میں خمر و خنزیر نافع نہیں
بلکہ ایسے مضر ہیں جیسے سمیات اگرچہ کسی نہ کسی بات میں نافع ہیں لیکن مزاج انسانی کے لیے مضر ہیں
بالجملہ ملکہ ملکیت مالیت پر ہے اور ملکہ مالیت منافع پر ہے اور ظاہر ہے کہ منافع بدن انسانی منافع
اہل ان دین سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ اس کے صنائع و بدائع ایسے نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ اس صورت
میں بدن انسانی کو اسی روح کا مملوک کہنا جو اس پر قابض ہے اور متصرف ہے اور حاکم اور بادشاہ
ہے ہر عاقل کے ذمہ ضرور ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ جیسے مملوکات خداوندی قابل بیع و ہبہ و
میراث نہیں ایسے ہی بدن انسانی بھی قابل بیع وغیرہ نہیں۔ علاوہ بریں جیسے چھت کی کڑی کا بچہ
قبل انفصال ناجائز حالانکہ اس کا مملوک ہونا بدیہی اسی طرح باوجود مالکیت و مملوکیت بیع بدن قبل
انفصال روح تو اس لیے ناجائز ہے کہ قبضہ مشتری تصور نہیں اور بعد انفصال اس لیے جائز نہیں
کہ اول تو اختیار بیع مالک کو ہوتا ہے مالک وہ روح تھی سو وہ اور عالم کو چل دی۔ دوسرے معنی مالیت
بعد انفصال روح باقی نہ ہے کیونکہ اس وقت بدن انسانی ایک میتہ اور حیضہ ہے اور میتہ اور حیضہ
کو مال نہیں کہہ سکتے کیونکہ اب کوئی منفعت اس میں باقی نہ رہی۔

روح اور روح کے تعلق کی مثال بالجملہ جب تک بدن میں پر تو روح اور اثر روحانیت ایسی طرح
موجود تھا جیسے زمین میں دھوپ کے وقت پر تو آفتاب اور اثر آفتاب ہوتا ہے تب تک اس میں
منافع حیات موجود تھے۔ بعد موت نہ اثر روحانیت یعنی حیات رہا نہ وہ منافع باقی ہے مگر ہاں اگر
بوجہ کفر موافق اشارہ اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کوئی شخص طبعی بالحووانات ہو
جائے اور اس لیے داخل حبابہ ملک اہل ایمان ہو تو گو تنہا بدن ان کے حق میں بھی نافع نہیں۔
مگر جیسے اور حیوانات سے بسندہ پر تو روحانی انتفاع ممکن ہے۔ یہاں بھی ممکن ہے۔ اور یہ بات
اگرچہ اپنے بدن کی بیع دشوار ہیں کبھی خیال میں آسکتی ہے۔ لیکن جب اس بات کا لحاظ کیجئے کہ در
صورت بیع خود روح بائع ہوگی اور ظاہر ہے کہ بیع غیر بائع ہوتی ہے کیونکہ بیع ایک مستنوم اضافی

ہے۔ جس کی ایک جانب بالغ ہے اور ایک طرف صبیح اور یہ دونوں متحد نہیں ہو سکتے ورنہ حقیقتیں
اضافت کا انتخاب ہی اور ضروری ہے محض غلط ہو جائے اس لیے غور و روح تو جمع بن نہیں سکی
پھر اگر روح کی اندوسر و ط ہے تو وہی فساد اور بطلان مشار الیہ لازم آئے گا اور انداز مشروط نہ ہو اور کھیر
کام لیا جائے تو ظلم صریح کا فتویٰ دینا پڑے گا۔

روح کفار پر پوجہ جائز ہونے جبر کے
غلام اور باندی میں ملک آجاتا ہے

اور جہاد میں بیع نہیں ہوتی جو فساد و بطلان کا اندیشہ ہو
ظلم کا کٹھن کا فضیلت جہاد نے رفع کر دیا غرض جیسے شکات

دشیل اور قطع عضو بوسیدہ اور ریم غرورہ نہ دشیل و عضو کے حق میں ظلم ہے نہ صاحب و شیل و عضو کے حق میں۔ بلکہ صاحب و شیل و عضو کے حق میں احسان ہے ظلم نہیں ایسے ہی قتل و قمع کفار نہ ان کے حق میں ظلم نہ اور عالم کے حق میں ظلم ہے بلکہ اور عالم کے حق میں احسان ہے۔

اس لیے وہاں اگر روح کفار پر جبر کیا جائے تو بدرجہ اولیٰ جائز اور بھلے خود ہو گا۔ آئندہ بعد اسلام غلام یا اس کا آزاد نہ ہو جائے اگر کسی کو موجب معاملہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حق ملک یقینی اور اسلام میں یہ احتمال کہ بغیر غرض عشق ہو۔ اور اگر یقینی امر متحمل سے حقوق غیر میں مر تفع نہیں کر سکتی دوسرے اسلام ضد کفر ہے ضد رقیب نہیں جو بے رفع کے مر تفع ہو جائے جیسے کفر خود ضد عشق نہ تھا جو بے مملوک بنائے یعنی بے قبضہ کئے کافر مملوک ہو جائے۔ ایسے ہی اسلام ضد مملوکیت نہیں جو بے رفع کیے مر تفع ہو جائے یعنی بے آزاد کئے آزاد ہو جائے۔ ہاں جیسے کفر موجب قبول ملک ہے اور یہی وجہ ہوئی کہ قتل و سلب و قبضہ جان و مال کی ترغیب دی گئی۔ ایسے ہی اسلام میں غصت قبول مذکور آجائے اس لیے اعتناق کی ترغیب دی گئی۔ اور اس تقریب سے حقیقت معاملہ کتابت جو مکاتب کے ساتھ ہوتا ہے معلوم ہو گئی ہوگی۔

کتابت میں مملوک اپنے آپ کو خرید لیتا ہے | غرض یہ ہے کہ معاملہ کتابت میں مالک کی جانب سے بیع اور مکاتب کی جانب سے شراہ بدن خود ہوتا ہے مگر چونکہ موانع مذکورہ میں سے یہاں سب مستفوز ہیں تو بیع جواز معاملہ اور کوئی حکم نہ آیا۔

بالجملہ روح انسانی اس بدن کی ضرورت ملک ہوتی ہے جس کے ساتھ اس کو تعلق حاصل ہے اور جب ملکیت اور مملوکیّت متحقق ہو گئی تو اس وجہ سے تو اس جمع میں مالی ذریعہ نہیں جو تحقیق حقیقت

نکاح مفہوم ہوتی ہے۔ ہاں کوئی اور وجہ ہو تو مضائقہ نہیں سوا اور کوئی وجہ اگر مستصوّر تھی تو وہی عدم امکان قبضہ
 تھا وہ بھی غور سے دیکھا جائے تو یہاں موقوفہ ہے کیونکہ کل بدن کی بیچ میں تو بوجہ عدم امکان قبضہ جس کی
 تشریح بقدر کفایت ہو چکی ممانعت کی گئی تھی بوجہ عدم مالکیت و مملوکیّت نہیں کی گئی تھی۔ رہی حریت وہ
 اصل میں صفت روحانی تھی صفت جسمانی نہ تھی بلکہ جسم تو مملوک روح تھا اور روح احرار کسی کی ملک نہ
 تھی۔ اس لیے بیچ ارواح تو بوجہ حریت ممنوع تھی اور بیچ اجسام خود روح کو تو بوجہ عدم امکان قبضہ اور
 سوا اس کے اوروں کو بوجہ ملک غیر ممنوع ہوتی۔ ہاں جب بوجہ کضرر کفار کے اموال کی اجازت ہوتی
 اور ان پر جبر و تعدی جائز ہوا تو بدن مملوک روح پر تو قبضہ اور خود روح پر دوبارہ اعمال جسمانی جبر میں
 کچھ حرج نظر نہ آیا بلکہ ملازمان خاص یعنی اہل ایمان کی کار برآری کے لیے مثل قبضہ و اکرام حیوانات قبض
 و اکرام کفار کی اجازت دی گئی۔ الغرض بیچ اجسام احرار بوجہ عدم مملوکیّت ممنوع نہ تھی بوجہ عدم امکان
 قبضہ یہ بیچ ممنوع تھی مگر نکاح میں یہ قبضہ بے ظلم و جبر برضا و رغبت بالغ یعنی زلی منکوحہ متصوّر ہے
 چنانچہ ظاہر ہے۔

(احرار کے اجسام کی بیچ بوجہ تدلّیل جائز نہیں) ہاں اگر احرار کو خصوصاً مردوں کو اوروں کی خدمت
 گاری ایسی طرح مرغوب ہوتی جیسے عورت کو خدمت فرمائش یعنی جماع مرغوب ہے تو پھر علی العموم بیچ ابدان
 احرار جائز ہو جاتی۔ مگر یوں دیکھا کہ ارواح احرار کو اوروں کی خدمت مرغوب تو کیا ہوگی ایسی
 مکروہ ہے کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی مکروہ ہی نہیں۔ اگرچہ بوجہ طمع یا اندیشہ تربت اندظار نہ پہنچے
 یا امید جنائت خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معارض نہ ہوں تو یہ اہل ہمت کو نفس خدمت
 گذاری سے مرگ بہتر ہے کیونکہ اس میں ہشک عزت ہے اور عزت کے پتے ہی اکثر جانیں جاتی ہیں۔
 بلاشبہ ہوں کی لڑائی بھوک و پیاس کے تقاضے سے نہیں عزت ہی کے لیے ہے وقت غیرت مردوں کا
 زیر کھالینا اور گولی کھا کر مر جانا اس عزت ہی کی بدولت ہے بلکہ غور میں جن کا خوف و جبن ان کی حسب
 زندگانی پر گواہ ہے غیرت کے وقت ڈوب کر مر جاتی ہیں تو اس عزت کی محبت میں مر جاتی ہیں اس
 صورت میں اگر بالفرض بیچ ابدان ارواح کو جائز ہوتی تو اس بیچ کے سبب وہ ذلت اٹھائی پڑتی کہ خدا کی پناہ
 القصہ عزت کے برابر بندوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں بلکہ بندے کیا خدا کے یہاں بھی اگر بوجہ
 بھی ہے تو اسی کی ہے۔ وہاں بھی اگر مطلوب ہے تو یہی عزت مطلوب ہے۔ چنانچہ آیت۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادَتِي
وَمَا أَمْرُهُ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ -

(اور میں نے جن و انسان کو اپنی سوا حق بندگی کو) اور آیت
(اور ان کو حکم میں ہوا کہ بندگی کرے اللہ کی خالص لئے
اس کے واسطے بندگی۔)

اسی صبر طلب پر ولایت کرتی ہیں۔ کیونکہ تعبد اسی تذل کو کہتے ہیں اور تذل میں بھی (خدا کے لئے)
صبر عزت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے اور نعمتوں کی داد و پیش کے لیے مخلوقات کو رکھا اور عزت کا
مصرف کسی اور کو نہ بنایا بلکہ اوروں کے لیے صرف عزت سے مطلقاً منع فرمایا۔

خدا نے تمام قوتوں کو مخلوق کے لیے صرف کرنے کا | تفہیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نعمت داخلی
حکم دیا ہے لیکن عزت کرانے کے لیے مخصوص کر دیا | ہوں جیسے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک یا نعمت خارجی

جیسے روئی کپڑا خدا کے کسی مصرف کا نہیں اس کی اگر ضرورت ہے تو مخلوقات ہی کو ہے ہاں
بائیں نظر کہ حوائج ضروریہ سد باب عبادت اور نیز موانع ہر کار میں کھانے پینے کو سامان عبادت کہنے اور
ہاتھ پاؤں کی عبادت کو رفع موانع قرار دیکھئے تو پھر اس داد و پیش اور اس امداد کو خدام کہہ سکتے ہیں
بہر حال صرف نعمت خارجی و داخلی سوانعت عزت، مخلوقات کے لیے تجویز کیا اور اس پر کیا کیا اواب
عنایت فرمایا مگر ہاں عزت بنی آدم خاص اپنے لیے رکھی یہاں تک کہ سوال سے منع فرمایا اور حسب
اس اختصاص کی یہ ہوئی کہ عزت کے لیے استغناء کی ضرورت ہے اور ذلت کے لیے احتیاج کی حاجت
اور استغناء اس سے زیادہ مقصور نہیں کہ سب خوبیاں موجود ہوں اور ذلت اس سے زیادہ ممکن نہیں کہ
ہر خوبی میں دوسرے کا محتاج۔ سو وہ صوتیکہ خدائے تعالیٰ اور بندہ ناکارہ میں یہ فرق ہو تو پھر جس کے محتاج
ہوں وہی عزت کا مستحق ہے سو اس کے اور کسی کے سامنے ذلیل نہ ہونا چاہیے یا یوں کہئے خدا تعالیٰ
کے خزانہ میں سب کچھ ہے ایک عجز و نیاز ہی نہیں اسی کی طلب نگاری ہے اس لیے جتنا عجز و نیاز ہی
ہے اسی کے سامنے بجا لانا چاہیے اور کسی کے لیے نہ جھکانا اور مگر اگر انسان چاہیے بالحد عزت سے
بستر کوئی چیز نہیں خدا کے یہاں بھی اسی کی پوجہ باجہ ہے اس لیے یزید بدن تو ممنوع رہی کیونکہ
ذلت خدمت نگاری کے برابر کوئی چیز نہیں اور نامطلوب نہیں اور اس کا لزوم یزید میں ضروری۔ اور اس
کے ساتھ کوئی لذت یا منفعت ایسی نہیں کہ اس کی لذت کی مکافات ہو جائے اور نکاح میں جو چیز
لازم آتی ہے وہ بائع یعنی زن سلوک کے حق میں ایسی مطبوعہ کہ اس کے پتے (لئے) عزت جیسی عزیز چیز

بھی بسا اوقات خاک میں رل جاتی ہے علاوہ بریں جیسے مافی الارض بشادیت۔

آیت۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَافِيَ الْأَرْضِ
جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ
سَبْعَ مَسَاطِیٖتٍ (بقرہ ۲۲)

کر دیا ان کو سات آسمان

زمین و آسمان خصوصاً ارض و مافیہا بنی آدم کے لیے مخلوق ہوا۔ ایسے ہی بشادیت

وَمِنْ آیَاتِهِمْ أَنَّا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم ۲۱)

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنائے تمہارے
واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہوان کے
پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہربانی

عورتیں مردوں کے لیے مخلوق ہیں اس لیے کہ بقرہ آیت۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ
وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (اعراف ۱۷۲)

روہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے
اور اُنسی نے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اس کے
پاس آرام پڑے

ازواج سے آیت مذکورہ میں عورتیں ہی مراد ہیں۔

(عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں) اور عقل صائب کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ عورتیں مردوں

کے لیے مخلوق ہیں مرد عورتوں کے لیے مخلوق نہیں ہوئے وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کا بھی چاہے یا

نہ چاہے مرد اس سے کامیاب ہو سکتا ہے اور مرد کو اگر رغبت نہ ہو تو پھر عورت کی آرزو پوری

نہیں ہو سکتی اس صورت میں عورت کو ایسا سمجھو جیسا فرض کرو کسی گھوڑے کو مثلاً یہ آرزو ہو کہ مجھ پر فلاں

شخص سوار ہو جیسی آرزوئے بلاق بہ نسبت سواری حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے

بفرض کرو طعام و شراب وغیرہ نعماء رضی کر یہ تمنا ہو کہ ہم کو فلاں شخص استعمال کرے اس صورت

میں جیسے آرزوئے اسب وغیرہ نعماء کا حصول ہی استعمال کرنے والوں کی مرضی پر موقوف ہے اور بنی

آدم کا استعمال کرنا ان اشیاء کا مرضی پر موقوف نہیں۔ ایسے ہی کامیابی زن و مرد ہے۔ عورت کو رغبت

ہو کہ نہ ہو مرد اپنی آرزو پوری کر سکتا ہے اور مرد کا اگر جی راغب نہ ہو تو عورت سے کچھ نہیں ہو سکتا

پھر لیسر جیسے نعماء و خیر کو اپنے منافع سے کچھ مفاد نہیں اگر ہے تو استعمال کرنے والوں کو مفت ہے

ایسے ہی عورت کے منافع معلوم سے خود عورت کو کچھ منافع نہیں البتہ مرد کو اس کے منافع سے منافع ہے یعنی اولاد جو اس زراعت اور اس زمین کی پیداوار ہے عورت کے ذریعے سے خداوند عالم مرد کو عنایت کرتا ہے عورت کو اس سے کچھ علاقہ نہیں چنانچہ قرآنی یعنی الْمُؤَلَّوۃُ لَہَا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبْنِیْکَ اسی جانب مشیر ہے کہ اگر اولاد کی نسبت کچھ شائبہ مالکیت ہے تو والد کو ہے والدہ کو نہیں اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ سلسلہ نسب والد کی طرف کرچلتا ہے اور اسی سے متعلق ہوتا ہے والدہ کی طرف کو نہیں چلتا اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ تمام عالم۔ تمام اقوام۔ تمام مذاہب اس پر متفق ہیں۔

(نکاح میں منافع کا ماخذ ملک میں آجاتا ہے) اس صورت میں جیسے اور نعام ملک میں آجاتی ہیں ایسے ہی ماخذ منافع جماع بھی قابل ملک ہے اگرچہ عورت حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں منافع مردان احرار خود ان کے لیے مفید ہیں یعنی ان کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں بھی رفع کر سکتے ہیں۔ بلکہ اول اپنی ہی رفع کرتے ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان سب میں اول اپنے ہی کام آتے ہیں ان اعضاء کا اپنے حق میں ضروری ہونا ایسا نہیں جو کسی پر مخفی ہو اس لیے یوں نہیں کہہ سکتے کہ یہ اعضاء اور ان کے منافع اور یہ جسم اور اس کے فوائد خود صاحب عضو کے لیے موضوع نہیں کسی اور کے لیے مخلوق ہونے میں اور اسی کے ملک میں آسکتے ہیں اس صورت میں اوردوں کی کار بر آری میں لحاظ اجر و اجرت ضرور ہوگا۔ ہاں کار بر آری مرد میں جو بوسیلہ عورت ہوتی ہے الہی ضرورت نہ ہوگی۔

ان قابل احرام منافع میں اجرت | اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور اجارات میں تعین خود بخود ثابت اور لازم ہو جاتی ہے | اجرت صحت اجارہ کے لیے ضروری ہے پر عہد نکاح میں تعین ضروری نہ ہو کہ ہر ضروری نہیں بلکہ نفی ضروری کی جائے اور یہ شرط لگائی جائے کہ ہر نہ ہوگا تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے۔ ہاں جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ زن عمرہ کے منافع جسمانی میں سے مردوں کیلئے مخلوق ہونے میں تو یہی منافع جماع یا ماخذ منافع جماع مخلوق میں تو معاد غنہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اور منافع میں زمان عمارت مردان احرار کے ہم پلہ ہیں جیسے مردان احرار اپنے جسم کے مالک ایسے ہی زمان عمارت اپنے جسم کی مالک۔ اور ظاہر ہے کہ منافع معلوم اور ماخذ منافع معلومہ جسم سے متعلق ہیں بالکلہ ماخذ منافع معلومہ اور جسم زمان عمارت زن و بہتین معلوم ہوتا ہے سو کچھ تو اس وجہ سے تملک کے لیے غرض کی

ضرورت ہوئی اور کچھ بائیں نظر کہ مانند منافع معلومہ اگرچہ مردوں کے لیے مخلوق ہے۔ پرسنل منافع مخلوقات
 اصل میں مملوک خداوند متعال ہے سو اور منافع قبیل العزت کو تو یوں ہی سے دلا دیا یہ ان منافع محترمہ کے
 لیے کچھ محمول مقرر کر دیا تاکہ ان کا احترام اور عزت معلوم ہے اور موجب مزید امتنان ہو یعنی جب ان کی
 عزت اور احترام خوب دلشیں ہو جائے گی تو خالق منافع کا کیا کیا شکر ادا کریں گے چنانچہ حدیث علی
 علیہ السلامی صدقہ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے جسم کے ہر ہر جوڑ اور ہر ہر عضو پر صدقہ
 دینا چاہیے اس قسم کی بات کی طرف مشیر ہے اور ضرور موجب طاعت و عبادت کے لیے موافق اشارہ آیت
 تَعْبُدُونِ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ
 لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا۔ (پہلا آئہ ۱۰۶)

کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک
 نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی۔

منافع نفع دینوی سبب کامل ہے۔

بالجملہ ہر نعمت خاص کر نفع محترمہ استحقاق غرض رکھتی ہیں سو مانند منافع معلومہ چونکہ بقایت
 درجہ محترم ہے۔ اس لیے غرض کا مقرر کرنا ضروری تھا اس لیے اُن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ حُرِّجَ
 لَكُمْ مَا وَدَّذَ إِلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (پہلا آئہ ۱۰۶) جسے شکرانہ مال کر جسے زکوٰۃ کہتے ہیں مساکین وغیرہ مصارف
 معلومہ کے لیے مقرر کیا تھا شکرانہ نکاح یعنی ہر خود محل مانند نکاح یعنی عورت کے لیے مقرر کر رکھا۔

(عورت کا تمام جسم حق شوہر میں پابند | مگر چونکہ مانند منافع معلومہ اور مانند زکوٰۃ سے علیحدہ نہیں اور
 بننے کی وجہ سے نان و نفقہ واجب ہے) اس وجہ سے اور مانند بیکار رہتے ہیں۔ کیونکہ بیکار بوجہ تعلق ملک
 شوہر جس کی ایضاح کی اب حاجت نہیں اور مانند بلکہ تمام جسم زن محسوس جس شوہر رہتا ہے تو اور مانند زکوٰۃ
 ہر جہانہ دنیا پر سے گائی ہوئی کہ نان و نفقہ لباس وغیرہ ضروریات معلومہ شوہر کے ذمہ ہیں کیونکہ
 تکلیف صرف قومی نفع بغرض ضرورت ہوتی ہے۔

سو بالفرض اگر عورت بطور خود رہتی تو بغرض تحصیل ضروریات
 اپنے قومی نفع اور اعضاء کا سب کو صرف میں لاتی۔ اس سے زیادہ اقتصاد اصل فطرت نہیں جو اور
 کچھ بڑھ جائے اور ضروریات معلومہ پر قناعت نہ کیجئے بہر حال قابلیت ملک مانند منافع معلومہ میں
 کچھ تامل کی گنجائش نہیں۔

(مہر کو منافع کے عوض ہونے کی وجہ سے) | ہاں یہ بات باقی ہے کہ عوض معلوم ہو اور نہ مہر کیوں
اَحْوَرُ هُنَّ فَرَمَا اَنْتَا لَهِنَّ نَه فَرَمَا | کہتے ہیں قیمت و ثمن کیوں نہیں کہتے سوا ہر دھرم کہنے
 اور ثمن و قیمت نہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ منافع از قسم معاد ہیں اور مصدر کا اطلاق مرتبہ بالقوہ اور مرتبہ
 بالفعل پر برابر شائع۔ اور یہ نہ ہو تو مشتقات میں بھی یہ فرق باقی نہ رہے۔ کیونکہ جار و بار و مثلاً بالقوہ اور بالفعل
 دو طرح کے ہوتے ہیں تو عمارت اور یہ و دت ہی کے بالقوہ اور بالفعل ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سو
 جس کو ماخذ منافع کیے وہ مرتبہ بالقوہ ہے اور منافع حاصلہ وہ منافع بالفعل۔ اور اسے مرتبہ مابہ
 المنفعت کہتے ہیں یعنی جیسے علم میں ایک مرتبہ مابہ العلم اور مابہ الانکشاف اور مابہ
 العلم اور مابہ الانکشاف اور مابہ العلم یعنی مرتبہ بالقوہ ہے خواہ وہ قوت علیہ ہو یا
 نہ ہن یا کچھ اور۔ اور ایک مرتبہ انکشاف متحدہ اور علم متحدہ۔ یعنی مرتبہ بالفعل ہے۔ لیکن یہ منافع
 معلومہ کے لیے دو مرتبہ ہیں ایک مرتبہ بالقوہ اور ماخذ المنافع اور مابہ المنافع ہے اور ایک مرتبہ
 بالفعل یعنی منافع متحدہ۔ لیکن اہل لسان عوض منافع کو اجر اور اجرت کہتے ہیں اور عوض اخیان کو ثمن
 اور قیمت معقود علیہ اگر اخیان ہو تو زیع کہتے ہیں اور منافع ہوں تو اجارہ اس لیے قرآن شریف
 میں لفظ اَحْوَرُ هُنَّ فَرَمَا اَنْتَا لَهِنَّ نہ فرمایا۔

(نکاح میں منافع بالقوہ مع اخیان) | ہاں یہ بات مسلم کہ اخیان اور مرتبہ بالقوہ قار الذات ہونے میں
 کی طرح پورے موجود ہوتے ہیں) | شریک ہیں یعنی جیسے اخیان اُن واحد میں بتما نہ موجود ہوتے ہیں
 ایسے ہی مرتبہ بالقوہ مذکور بتما نہ اُن واحد میں موجود ہو جاتے ہیں یہ نہیں کہ آنا فنا مثل حرکت ادھر موجود
 ہو جائیں اور ہر معدوم ہوتے جائیں۔ اور مرتبہ بالفعل میں زمانہ کے ساتھ ساتھ متحد ہوتا جاتا ہے اس لیے
 مرتبہ بالفعل تو شیئاً فشیئاً ملک میں آتا جاتا ہے اسی طرح ملک سے نکلتا جاتا ہے۔ کیونکہ جب موجود
 ہی نہیں تو مملوک کیوں کہ ہوں اور مرتبہ بالفعل بالقوہ ایک دفعہ سارا کا سارا ملک میں آ جاتا ہے۔
 اور پھر بوجہ القضاء زمانہ ملک سے نہیں نکلتا ہاں جیسے اخیان میں باندی غلام اصل میں قابل ملک
 نہ تھے بلکہ آزاد اور علم تھے فقط بوجہ عراض معلوم ملک ان پر عارض ہو جاتی ہے۔ اور اس
 لیے فعل مالک جس کو عتیق کہتے ملک عارض کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے حریت سترہ
 پھر ظاہر ہو جاتی ہے ایسے ہی ماخذ منافع معلومہ اصل میں بوجہ حریت منکوحہ قابل ملک نہ تھی پھر بوجہ

مذکورہ ملک عارض آزادی اور یہ قید کی معلوم کردہ باقی ہے اور اصل مطلق اس کو زائل کر کے آزادی اصل کو ظاہر کر دیتی ہے ورنہ جیسے باندی غلام کی ملک اپنے آپ مثل تعلق اجارہ قابل زوال نہ تھی ایسے ہی ملک مثل تعلق متعلق اپنے آپ زوال پذیر نہیں۔

(منکو حصہ میں حق جس ہوتا ہے اور باندی میں حق ملک | ان یہ بات باقی رہی کہ اگر یہ ہے تو پھر بیع وہی اس لیے منکو حصہ میں بیع وہیہ کا اختیار نہیں) | کا اختیار کیوں نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حسب تقریر بالتمام منافع بالقرن و زن بلکہ خود جسم زن شوہر کی جس میں آجاتا ہے اور ایک منفعت کے ماخذ کے پتے ملے ماخذ بلکہ محل تمام ماخذ مجبوس ہو جاتا ہے

سو جہاں عورت خود راغب ہو وہاں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی رضا مندی سے جس کی نوبت آئی ہے بظلم و ستم نہیں کہہ سکتے جو منع کیا جائے مگر غاوند اگر بطور خود کسی کے حوالہ کرے تو ماخذ مملوک میں تو اس کو اختیار تھا ماخذ مجبوس میں اس کو کیا اختیار جو اپنے جس سے نکال کر اور وہاں کے حوالے کرے۔

(منکو حصہ میں حق ملک کا مفت و ہونا اور احسان کا ضروری | ان اگر ماخذ منافع معلوم پر قبضہ نہ ملے ہو ہونا بیع و شرار سے مانع ہیں اور حق جس کا اتفاق کرتے ہیں) | سکتا تو پھر وجہ ممانعت بیع وہیہ تصرف فی ملک الغیر تو نہ تھی البتہ احسان مذکور الصدر جس کی ضرورت بدلائل عقلیہ و نقلیہ اور پر ثابت ہو چکی ہے مانع بیع وہیہ ہو گا اور یہ ایسی وجہ ہے کہ اگر بالفرض عورت جس غیر شوہر پر راضی ہو جائے تو پھر بھی اجازت بیع وہیہ نہیں ہو سکتی۔ الغرض تملک ماخذ معلوم کو بذات خود تو وہیہ اور بیع سے انکار نہیں پر فرضیت احسان اور ثمول حق زن مانع بیع وہیہ و عاریت ہے اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ جو شیعوں نے اعادہ فروج جواری تجویز کیا ہے تبیس شیطانی ہے سراسر فحش ہے قابل جواز نہیں مگر جب مرتبہ احسان اس درجہ کو پہنچا کہ لازم تملک کو بھی بیکار کر دیا یعنی اختیار بیع و شرار وہیہ و عاریت جو اصل مقتضاء مالکیت ہے احسان کے باعث بیکار ہو گیا تو پاس ثبوت پرستی جو سراسر اس قاعدہ کے مخالف ہے جو آیت نَسَاءُ كُمْ حَرِّثَ لَكُمْ سے منزع ہوتا ہے کیونکہ ناسخ ضرورت احسان ہو سکتا ہے۔

بالجملہ یہ آیت حسب بیان بالا اولاد کے مطلوب ہونے اور قضاء ثبوت کے اس کی نسبت رسید ہونے پر والی ہے ان ظاہر ہے کہ پاس مبادی ناسخ مطالب نہیں ہو سکتا۔ ان رعایت مطالب

دافع لحاظ و مسائل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوئی ہے کہ ایام شیر خوارگی اولاد میں بعض اشیائے کھانے بہ نسبت ممانعت بخلع پائے جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس ایک سال کا غیر محمود ہوتا بھی ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اور عورتوں میں دود و دود (محبت کرنے والیوں کے جھنے والیوں) کا اثر معدوم ہونا اور عقائم (بائچہ عورتوں) کا کسی قدر غیر محمود ہونا اسی پر مبنی ہے۔ اور ضرر زمان دیندار کا اور بارہ نکلج محمود ہونا بھی اسی جانب شیر ہے کیونکہ حسب بیان بالا امر جب اولاد میں احوال و اخلاق والدین کے دخل تام ہے اس صورت میں دیندار عورت ہو تو دینداری اولاد کی امید ہے بالجملہ ثبوت پرستی کو دیکھتے تو عقیدہ اور دود اور دیندار اور بے دین اور عورت شیردہ اور غیر شیردہ سب برابر ہیں مال اولاد کے حساب سے جو کچھ فرق ہے وہ معلوم ہی ہو چکا۔

الحاصل جس حکم متعلق زمان کو دیکھتے مراعات اولاد اس سے ٹپکتی ہے اور خود مراعات اولاد ہی سبب فرضیت احسان ہوا ہے چنانچہ مفصل اور پر مرقوم ہو چکا اور کیوں نہ ہو غرض اصل خلق ناس سے جب ذرا محنت معلوم نکل چنانچہ آیت **نِسَاءُ كُفْرًا لَّكُمْ** اس پر شاہد ہے اور دلائل عقلیہ جو اوپر مذکور ہو چکے اس کے موافق پھر اس کا غسوخ کشا اغراض اصلہ اور مقتضیات ذاتیہ اور لازم ذاتیہ کے امکان انفکاک پر فتویٰ دینا ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ حقائق خارجیہ پر مبنی ہیں خدا سے تعالیٰ کی عبادت موافق اشارہ۔

الْحَبْدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے بڑے کی اور نہ بھلے کی، مالکیت نفع و ضرر پر مبنی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وصفت رسالت پر مبنی ہے۔ غیض کی اطاعت اس کی خلافت اور اولوالامر ہی پر موقوف۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے غن کی ضرورت ہے حج کی فرضیت کے لیے کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی حاجت، یعنی ثروت مالی پر زکوٰۃ کی بنیاد ہے اور کعبہ کے بجلی گاہ خداوندی ہونے پر طواف کی بنیاد ہے۔ زنا بوجہ فحش ممنوع ہے اور شراب بوجہ سکر ممنوع اور قتل و غضب بوجہ ظلم ممنوع ہے

لہٰذا اولاد کا حاصل کرنا مقصد ہے اور یہ مقصد بغیر مباشرت کے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن جب کہ بچہ پیدا ہو گیا ہو اس کے ایام شیر خوارگی میں مباشرت کے نقصان دہ ہونے کے باعث وسیلہ اولاد یعنی مباشرت کو رد کیا گیا ہے۔ ۱۲۔ محمد بنی گورانی۔

اور حکامات لایعنی بوجہ بغور و بے سود ہونے کے ممنوع ہیں۔ بر والدین کے وجوب کی بنا حق محبت و تربیت پر ہے اور حقوق والدین کے ممنوع ہونے کی بنا اطلاق حق مذکور ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اور اولیٰ و فواہی کو سمجھئے۔ اس صورت میں بنا حکم جس بات پر ہوگی اگر وہ بات دائم و قائم ہے تو وہ حکم بھی دائم و قائم ہے گا۔ اور اگر وہ بات قابل زوال ہے تو وہ حکم بھی زوال پذیر ہوگا مگر ہر جہاں بادا باد ہر حکم کے لیے ایک مبنی اور اصل ضرور ہے جس کو علت حکم کہئے محکوم علیہ اصلی وہی ہوتا ہے اور اسی کے پہچان لینے کو اصطلاح شرع میں حکمت اور حکم کہتے ہیں اور بخور و یکجہ تو آیات -
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اِنَّ اَمْتِنَاكَ حُكْمًا وَعِلْمًا وَغَيْرِہٖ مِّنْ حِكْمَتٍ وَحُكْمٍ سے
اسی علم کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(حسن بالذات اور قبیح بالذات کے | اس تقریر کو دیکھ کر اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ امر و نہی حسن
اور امر و نواہی ناقابل تنسیخ ہیں) بالذات و قبیح بالذات قابل نسخ و تغیر نہیں۔ یہی وجہ معلوم
ہوتی ہے کہ ایمان اور اطاعت خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احسان اور عدل اور بر والدین اور
صلہ رحمی اور مروت اور سخاوت اور غفلت ہمیشہ ہر زمانہ میں ہر دین میں محمود ہے یہی اور شرک اور بدعت
اور ظلم اور حقوق والدین اور قطع رحم اور بخل اور زنا اور چوری۔ قزاقی وغیرہ ہر زمانہ میں ہر دین میں مذموم ہے۔
کیونکہ علت امر و نہی اور سبب وجوب و حرمت وغیرہ امر و نہی اور وجوب حرمت وغیرہ سے بوجہ حسن و قبیح
ذاتی کبھی جدا نہیں ہو سکتے ہاں حسن بالغیر اور قبیح بالغیر قابل نسخ و تغیر ہیں۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بوس و کن و غیرہ امور معلومہ جو اکثر مواقع میں داعی الی الجہالت ہوتے
ہیں علیٰ العموم ممنوع نہیں اپنی اولاد کا بوسہ اور احباب کا معاملہ اور مردوں کا مردوں کو دیکھنا اور غورتوں
کا غورتوں کی طرف نگاہ کرنا اور تنہا بیٹھنا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ یہاں اوقات یہ امور کسی اور وجہ سے اور محمود ہو
جاتے ہیں۔ اگر یہ امور بھی مثل زنا و افلام بذات خود مذموم ہوتے تو ہر جا ہر طرح سے ممنوع اور مذموم
ہاں خود زنا اور افلام چونکہ بذات خود ممنوع ہیں تو محارم کے ساتھ اس کی ممانعت اور اشہد ہے پر بوس
کن و غیرہ امور ایسے مواقع میں اکثر محمود سمجھے جاتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیخ حسین رضی اللہ عنہما پر بوسہ دینا اور حضار مجلس الذکر
میں سے اگر ایک شخص نے یہ کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیتا تو آپ کا اس کے

جواب میں یہ ارشاد کہ میں کیا کروں جو خدا نے تمہارے لئے تیرے دل میں سے رحمت نکال لی ہو۔ صفت اس بابت پر ولایت کرتا ہے کہ ایسے مواقع میں یہ امور محمود ہیں۔ حالانکہ زنا و اخلاص ایسے مواقع میں اور مواقع سے زیادہ تر ممنوع ہیں۔ بہر حال امر حسن بالذات اور نہی قبیح بالذات قابل نسخ و تغیر نہیں اگر ہیں تو امر و نہی حسن بالغیر و قبیح بالغیر قابل نسخ و تغیر ہیں۔

ر نسخ و تغیر میں پہچان آسان نہیں لیکن یہ پہچاننا کہ نسخ و تغیر کس کو کہتے ہیں ہر کسی کا کام نہیں اس لیے یہ گزارش ہے کہ نسخ و تغیر اور چیز ہے اور استثناء حکم اور چیز ہے نسخ میں حکم اول کا مٹا دینا ہوتا ہے اور استثناء میں چھپا لینا۔ نسخ میں حکم باقی نہیں رہتا زائل ہو جاتا ہے اور استثناء میں حکم مستور بگنہ باقی رہتا ہے کسی اور حکم کے تلے دب کر چھپ جاتا ہے۔

اول کو ایسا سمجھو جیسا چراغ گل ہو جاتا ہے اور دوسرے کو ایسا سمجھو جیسا کہ چراغ گل تو نہ ہو پر کسی برتن میں دھکر کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجئے۔ سفر و مرض میں اگر افطار کی اجازت ہے تو اس کو نسخ فرضیت صوم رمضان نہیں کہہ سکتے یہاں وہ حکم فرضیت بگنہ باقی رہتا ہے پر حکم رخصت کے تلے دبا ہوا ہے غرض مرض و مشقت درگاہ رحمانی سے تخفیف ہو گئی جس وقت یہ مشقت مرض و سفر گئی اس وقت سے پھر تقاضا ہے۔

اعلت حکم کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مخفی جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو وہ سینے کبھی علت حکم ایسی ظاہر و باہر ہوتی ہے کہ اس کے علت ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوتا۔ پھر باقی ہمہ وہ علت ایسی پائیدار اور ضروری الوجود یا دائم الوجود نہیں ہوتی جو کبھی اس کا عدم متصور ہی نہ ہو ایسی صورت میں زوال و بقا حکم محتاج بیان نہیں ہوتا مثلاً زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ثروت مالی کا علت ہونا ایسا نہیں کہ کوئی نہ جانتا ہو اس لیے بعد افلاس اگر کوئی غنی ہو جائے یا بعد غنا کوئی مفلس ہو جائے تو دوبارہ تغیر حکم سابق حکم جدید اور وحی تازہ کی ضرورت نہ ہوگی یعنی وقت افلاس زکوٰۃ فرض نہ تھی اور بعد غنا زکوٰۃ فرض ہوئی یا وقت غنا زکوٰۃ فرض تھی اور بعد افلاس پھر فرض نہ رہی تو اس تغیر کے لیے حکم جدید کی ضرورت نہیں اور اس وجہ سے اس تغیر کو عرف شرع میں نسخ نہیں کہتے اگرچہ نسخ میں بھی یہی تغیر حکم وجہ حدوث علت حکم یا زوال علت حکم ہوتا ہے

اں علت حکم اگر ایسا امر ہے جس کا علت ہونا ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا یا خود اس علت کا ہونا

نہ ہونا ہی ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتا تو پھر تغیر مذکور کو نسخ کہتے ہیں۔

(احکام کو نسخ کرنا قادر مطلق کی شان ہے) | بالحد نظر ظاہر میں نسخ کو ضرور بے نیازی و اختیار علی حکم الحاکمین سمجھتی ہے۔ اور علت و اصل حکم سے کچھ بحث نہیں کرتی۔ اور عقل حقیقت شناس اگرچہ بے نیازی و اختیار علی کو ایسا حق سمجھتی ہے کہ علی احکام اس کے آگے اس سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتیں جتنا سائل درپوزہ اس کے سامنے رکھتا ہے جس سے سائل ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ لیکن اسم حکم و عدل اور صفات حکمت و عدالت خداوندی پر ایمان ضروری جانتی ہے اور اس لیے ہر حکم کے واسطے جدید ہو یا قدیم ہو کسی نہ کسی وجہ کا ہونا اس کے نزدیک ایسی طرح ضروری ہے جیسے شہنشاہ ہفت اقلیم جس کو ظلم و ستم ہفت اقلیم اور عزل و نصب میں اختیار علی ہو ہر طرح سے سیاہ و سفید کر دینے کا مختار ہو بھلا کرے یا برا کرے اس کے آگے مجال و مزون کسی کو نہ ہو بوجہ عقل و دانش و عدل خداوندی جو کرتا ہے مناسب ہی کرتا ہے لائق عطا کو عطا کرتا ہے اور سزاوار کو سزا دیتا ہے قابل عزل کو معزول اور لائق منصب کو مامور کرتا ہے مستحقان کرم سے درگزر اور مستحقان غضب پر قہر کرتا ہے اگرچہ ان سب باتوں میں بوجہ شوکت و دبیر و بے نیازی شہنشاہی اختیار بر عکس حاصل ہے۔

الغرض حکمت و عدل خداوند علیم و حکیم و عدل کریم باوجود بے نیازی مذکور جس کے ثبوت کے لیے قطع نظر شہادت عقل آیت **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** (اللہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے) کی گواہی بھی بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ ہر کسی کے ساتھ وہ معاملہ کیجئے جس کی قابلیت رکھتا ہے اور ہر زمانہ میں وہ حکم کیجئے جو مناسب وقت ہو۔

(نسخ احکام طریق کے نسخہ بدلنے کی مانند ہیں) | الغرض جیسے یہاں گرم مزاج و سرد مزاج والوں کو امراض متحدہ و مختلفہ میں ایک دوا نہیں دیتے وہاں بھی اختلاف اوضاع بنی آدم پر نظر ہے جیسے یہاں موسم گرم یا سرد کا فرق وقت علاج ملحوظ رکھتے ہیں وہاں دوبارہ احکام فرق زمانہ ملحوظ نظر ہے مان جائے جانوں کو اطباء کا یہ فرق سمجھ میں نہیں آتا ایسے ہی اکثر افراد بنی آدم کو جن کی شان میں **إِنَّ اللَّهَ كَانَ ظَلُومًا بَصِیْرًا** وارد ہوا ہے فرق احکام خداوندی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس تقریر سے یہ بات روشن ہو گئی ہوگی کہ نسخ احکام خداوندی بوجہ تدارک غلطی سابقہ نہیں ہوتا جو یوں کیسے خداوند علیم کی نسبت غلطی کا احتمال نہیں ہے نسخ حکم سابق ہوا تو کیوں ہوا۔ بلکہ یہ نسخ و تغیر بوجہ تغیر علی اسباب ہوئی

جو وجہ اختلاف افراد و القلاب زمان اکثر ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال احکام مختلفہ کے لیے اختلاف علل ضروری ہے اور تغیر احکام کے لیے تغیر علل ضروری ہے۔
مگر اسی طرح استدلال حکم کے لیے استدلال علل ضروری ہے۔ ہاں وہ استدلال اگر ممکن ہے تو کسی علت
ہی کے عروض کے باعث ممکن ہے مثلاً استطاعت صوم جو اصل و علت فرضیت صوم ہے صعوبت
مرض و شفت سفر کے لیے دبی جاتی ہے چنانچہ مجوز زوال مرض و اختتام سفر وہ استطاعت پھر غور کو
آتی ہے اگر مستور نہ ہوتی بلکہ زائل ہو جاتی تو دوبارہ استطاعت کے لیے مثل صعوبت و شفت مذکورہ
کسی امر خارجی کی ضرورت ہوتی مجوز زوال و اختتام اس کا ظہور نہ ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صعوبت و شفت
ہی علت رخصت افطار ہے جس کے ساتھ وہ استطاعت مستور تھی اس صورت میں وقت رخصت
افطار وجہ مرض و سفر استدلال علت فرضیت اور استدلال فرضیت ہوگا اور وقت فرضیت صوم بعد زوال مرض
و سفر زوال علت رخصت و زوال حکم رخصت ہوگا۔

اجازت متو از قسم رخصت تھی از قسم نسخ نہیں تھی | مگر جب بات یوں بٹھری تو بعد حصر ادا علی
از واجہہ او ما ملکت ایمانہم اجازت متو از قسم رخصت ہے از قسم نسخ نہیں کہہ
سکتے کیونکہ علت حصر مذکور اولاد کا مقصود ہونا ہے جس کو حکم معروضات گذشتہ احصان لازم ہے۔
اولاد کا مقصود ہونا ایسا نہیں جو قابل النکاح ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نِسَاءُ كُفْرًا حُرَّتْ لَكُمْ قِسْطَ طَبْعِهِ ہاں ذوق
سیکھ رہا ہو تو اس کا کچھ علاج نہیں باقی ہمہ کون سنیں جانتا کہ اس جا احتمال تخصیص نہیں ایسی کون عورت
ہے جس کے شکم میں رحم مخلوق نہ ہوا ہو اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود اصلی پیدائش زمان سے
توالد و تناسل ہے۔

عوارض خارجیہ کے نیچے احکام اصلیہ مستور ہو | البتہ عروض عوارض گاہ بیگاہ مانع توالد اولاد ہو
جاتے ہیں زائل اور منسوخ نہیں ہوتے | جاتا ہے مگر عوارض خارجیہ سائر آثار و احکام اصلیہ
ہوتے ہیں دافع اور مزیل نہیں ہو سکتے جو یوں کہا جائے کہ مرض عقم وغیرہ موانع اولاد، توالد کے مقصود
نیچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اگر یوں کہے کہ اولاد کا مقصود ہونا اس کے منافی نہیں کہ شہوت پسندی مقصود نہ ہو تو اس شبہ

کا جواب عقلی تو یہ ہے کہ اس شخص میں حرث مقدم ہے اور اس کے مؤخرہ جس سے زیادہ علم معانی موافق محاورہ اہل سالی صرفی اخیر ثبوت نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ صرفی اخیر ثبوت بعینہ صرفی مقصورہ التوالد ہے۔
 اور جواب عقلی یہ ہے کہ ثنوت پرستی اور مجامعت مباری و اسباب اور ذرائع و وسائل تو والد میں سے ہیں اور تو والد و تناسل ذرائع ثنوت پرستی و مجامعت میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اسباب بذاتہ مقصور نہیں ہوتے خاص کر ثنوت پرستی۔ چنانچہ توضیح مرقوم ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے جب عورت سے اولاد مقصور بالذات ہوگی تو احسان مذکور خود بخود لازم آئیگا۔ چنانچہ ناظران اوراق گذشتہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔

بالجملہ قطع نظر اس امر کے کہ حدیث غیر متواتر کو ناسخ قرآن شریف نہیں سمجھ سکتے۔ اس بار گنجائش نسخ ہی نہیں۔ ہاں اگر صفت ولودیت عورتوں سے ممکن الانفکاک ہوتی تو البتہ اس اجازت متعہ کو ناسخ حصراً علیٰ انفاً چھوڑ کر رکھتے (تھے)۔ اس صورت میں بجز اس کے کہ رخصت کئے اور اور کیا کئے۔ یعنی جیسے وقت حالت مختصر اجازت اکل میتہ ناسخ حرمت میتہ نہیں بلکہ بوجہ ضرورت عارضہ جو علت، باعث لحاظ پاکیزگی طبع انسانی جو موجب حرمت میتہ وغیرہ ہے مستور ہو گیا اور اس وجہ سے حکم حرمت متعہ جو حصہ مذکور سے صاف روشن ہے۔ لہٰذا یہ وہ رخصت متعہ مستور اور روپوش ہو گیا تھا چنانچہ لفظ وخصکت کا بھی جو روایات متعہ میں موجود ہے اس سے تار و عدم نسخ پر شاہد ہے۔
متعہ کے عارضی طور پر مباح ہونے کی علت | یہی بات کہ ضرورت کیا تھی وہ ہم سے کہیں اکل میتہ میں فقط ضرورت عبادت تھی اور یہاں ضرورت عبادت اور ضرورت مجبور دونوں تھیں۔ علاوہ بریں اکل میتہ میں فقط ضرورت دنیوی تھی یہاں ضرورت عبادت بھی تھی تو فقط ضرورت دنیوی ہی نہ تھی۔
 ضرورت دینی اور ضرورت دنیوی دونوں تھیں۔

ضرورت عبادت تو اس باب میں اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ بشادات احادیث صحیحہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی ہو جانے کا ارادہ کیا اور یہ ان کا ارادہ اگرچہ اہل ہند کو تعجب انگیز ہو کیونکہ یہاں ایسی قوت کہاں جو اس درجہ کو بے قراری اور اضطراب کی نسبت آئے مگر اس باب میں اول تو عرب والے مشہور ہیں۔ دوسرے وہ ملک گرم طبع، عشق آمیز مزاج محبت خیز قیس اور لیلیٰ اور واقع اور عذرا کا افانہ مشہور و معروف ہے۔ بنی عذرہ کا یہ قصہ اور ان کے بھی سنا ہو گا کہ ان میں اکثر آدمی مرض عشق میں

مبتلا ہو کر مر جاتے تھے کسی نے ان میں سے کسی سے وجہ پوچھی تو یہ کہتا تھا لَسَامُ نَاوَعَفَّتْ فِتْيَانُنَا
یعنی مرض عشق میں مبتلا ہو کر جو ہماری قوم کے لوگ اکثر مر جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں
غور قیں حسین ہوتی ہیں اور مردِ عقیقت یعنی پاکباز ہوتے ہیں۔

بالجملہ صحابہ کا ارادہ اختصار کوئی امرِ مصنوعی نہ تھا صحیح تھا اور ظاہر ہے کہ خواہش جماع خواہش
دنوی ہے۔ ہاں ضرورتِ عباد بھی ہو اور پھر ضرورتِ دینی ہو اس کے بیان کی ضرورت ہے اس لیے
معروض ہے کہ خواہش جماع مراجعتِ وطن کے لیے متقاضی تھی تاکہ اپنی ازدواج سے ہاکرمِ آغوش
ہوں اور فرضیت جہاد اور فضائلِ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجہاد اور نیز فضائلِ محبت نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مانع تھے اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور خصوصاً فرضیت جہاد ایسے نہیں کہ
موجب ضرورت و احتیاج نہ ہوں۔

رہی ضرورتِ مجبوری۔ ہر چند یہ لفظ بظاہر مجہول گستاخی ہے مگر بایں نظر کہ مبادی مقصود اس کے
حق میں ضروری ہوتے ہیں اور اس لیے بالفتح مقصود ہو جاتے ہیں یہاں بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ عبادت
جملہ نبی آدم بشادات مَخْلَقَتُ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ خدا کے یہاں سے مطلوب
۔۔ اور جہاد اس کے لیے ضروری ہے مگر ظاہر ہے کہ جہاد اگر ہو سکتا ہے تو بعد اجتماع مجاہدین ہو سکتا
ہے۔ اس لیے اگر کوئی امر موجب تفرق ایسے دنوں میں پیش آیا کہ اسلام کی تونو دنیا دار رکھی جاتی
ہو اور اہل اسلام جن سے امید جہاد ہو گئے چنے ہوئے ہوں اگر وہ چلے جائیں تو پھر جہاد کی کوئی صورت
نہیں۔ ایسے دنوں میں وجہ تفرق کا انداز ضروری ہو جائے گا ہاں اگر اسلام شائع ہو جائے اہل اسلام
بکثرت ہوں۔ ایک گروہ چلا جائے تو دوسرا آ سکتا ہے۔ ایسے دنوں میں اندازِ وجہات تفرق اتنا ضروری
نہیں یعنی پہلی صورت میں تو اجازت بعض محرمات اگر ضرورت ہو تو قرین قیاس ہے پر دوسری صورت
میں ضروری نہیں ہوتی جو اجازت ہو۔

(اباحتِ متعہ کی وقتی ضرورت اور وجوہ) | القصہ وقتِ ضرورت اباحتِ محرمات ممکن ہے مگر
ضرورتِ متعہ سوا ابتداءِ زمانہ اسلام کبھی نہیں ہوتی اور انشاء اللہ نہ ہوگی جو حضرات شیعہ کو اس پاکبازی
کے لیے دستاویز ہو جائے۔ ہاں یہ مسلم۔ وقتِ اباحتِ متعہ ضرورتِ متعہ شدید تھی۔ مجاہدین گھر چلے جائیں
تو جہاد کون کرے اور کیوں کر ہو اور نہ جائیں تو کیا کریں غرضی ہو جانے کی اجازت نہ ملی زنا پر یہ تشدد کہ

شکار ہوں یا سونا زیادہ کھاتیں اور نکاح کریں تو کہاں سے کریں ضرر کی مقدار نہیں اگر ہوتی تو ایک ایک چادر پر متعہ کرنے کی نوبت کا ہے کہ آتی بھڑکانا نفقہ کی ایسی صورت نہیں کہ زوجہ اول و ثانی کو برابر بنائیں اور ہر اس مقام کی عورتوں سے یہ توقع نہیں کہ اپنے مولود و اقرباء کو چھوڑ کر دود و راز چلی جائیں۔ اس تقریب سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورت مخصوصہ سے یہ ضرورت شدید تھی کیونکہ اول تو وہ ضرورت اور سوطرح سے مرتفع ہو سکتی ہے۔ محنت، مزدوری، قرض، سوال، کسی طرح قدر قوت میسر نہ آ سکے تو گھاس بھونس کھا کر تو اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں یہاں رفع ضرورت کی بجز اجازت متعہ یا مراجعت وطن اور کوئی صورت نہ تھی سو جیسے بوجہ جہاد و قتل و قتال امور ممنوعہ کی اجازت ملی تھی اس وقت بوجہ معلوم متعہ کی بھی اجازت ضروری ہو گئی۔

العرض ضرورت مذکورہ عزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے شک قابل لحاظ تھی۔ اس زمانہ قلت اہل اسلام و کثرت اعداء میں اگر اس امر قبیح کو بوجہ ضرورت بالعرض بھی حسن نہ سمجھتے تو ترقی دین میں سوطرح کے کھٹکے تھے۔

جس وقت قتل و قتال کو بوجہ حسن بالغیر جائز کر دیا تو فساد متعہ پر ایسے وقت ضرورت میں کیا لحاظ کیا جائے ایسے وقت ضرورت میں اباحت متعہ اس سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ حالت مخصوصہ میں اباحت اکل میت۔

(بالعرض متعہ جائز ہوتا تو اہل سنت کے لیے جائزہ ہوتا) | اس تقریب سے اہل فہم کو خوب واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ اگر بالعرض والفقہ یہ متعہ جائز بھی ہوتا تو اہل سنت کے لیے جائزہ ہوتا جہاد میں جانفشانیاں اور جانبازیاں تو اہل سنت کریں یہ پاکبازیاں بھی ہوتیں تو انہیں کے لیے ہوتیں۔ مگر تماشا ہے کہ جانبیں کن گنوائیں اور مزے کون اڑائیں۔ حق یہ ہے کہ رقیعہ سخی اور انصاف پرستی اور صدق فی الروایۃ اہل سنت ہی کے لیے ہے بہر حال اباحت متعہ بوجہ ضرورت تھی اور وہ ضرورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں تھی اور پھر وہ بھی وقت سفر تھی وقت حضر تھی اور وقت سفر بھی انہی لوگوں کے لیے تھی جن کی بیبیاں ان کے ساتھ نہ تھیں چنانچہ روایات صحاح اہل سنت اس بات پر شاہد ہیں صحیح مسلم میں ہے۔

عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ رَجُلٌ مِمَّنْ فِي حَضْرَةِ قَيْسٍ قَرَأَ فِي مِثْلِ غُلْبَةٍ

كُنَّا نَعْدُوهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَسْخَصِي
فَهَئَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ
نَنْكِحَ الْمُرَاةَ بِالثَّوْبِ الْإِ أَحَدٍ

رانتی مقام الحاجہ منہ؟ مسلم

اور نیز صحیح مسلم میں ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي خَالِدُ بْنُ
الْمُهَلَّبِيِّ عَنْ سَيْفِ بْنِ اللَّهِ أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ
جَالِسٌ عِنْدَ رَجُلٍ جَاءَهُ رَجُلٌ فَاسْتَمَاءَ
فِي الْمَتْعَةِ فَأَمَرَهُ بِهَا فَقَالَ لَهُ ابْنُ أَبِي
عُمَرَ الْأَنْصَارِيُّ مَهْلًا قَالَ مَاهِي
وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتُ فِي عَهْدِ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ
قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ أَلَيْسَ كَانَتْ رَحْصَةً
فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِمَنْ اضْطُرَّ إِلَيْهَا كَالْمَيْتَةِ
وَالْدَمِ وَلَحْمِ الْخَنْزِيرِ ثُمَّ أَحْكَمَ اللَّهُ
الدِّينَ وَنَهَى عَنْهَا

رانتی مقام الحاجہ (مسلم ص ۴۵۲)

اجازت متوعہ ایسی ہی تھی جیسے حالت اضطراری | اب ۱۰۰ ذرا روایتوں سے صاف روشن ہے کہ

میں مردار کھانے کی اجازت ہے | | ابتداء اسلام میں وقت سفر جہاد اور ضرورت شدید

متوعہ جائز تھا علی العموم جائز نہ تھا اور پھر وہ جواز بھی ایسا ہی تھا جیسے میتہ اور خنزیر کا حالت مجتہد میں

کھانا جائز ہے یعنی رخصت تھا غریبت نہ تھا جو امید ثواب رکھتے اور ایک متوعہ پر حضرت امیر

رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا امیدوار ہے اور دوسرے متوعہ پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے رعبہ کی توقع

بانہیے اور تیسرے متوعہ پر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے مقام کا انتظار کیجئے اور چوتھے

بن مسعود شہ شافری تھے ہم حضور علیہ السلام کے
ساتھ غزوہ میں تھے ہماری ساتھ بیویاں نہ تھیں تو
ہم نے پوچھا کیا ہم نخصی نہ ہو جائیں تو آپ نے اس سے
روکا پھر ہم کو اجازت مل گئی کہ ہم کسی عورت کے
ساتھ مدت مقررہ تک نکاح کر لیں۔

راہن شباب کہتے ہیں مجھے خالد بن ساجر بن سید
نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھے تھے تو ایک
شخص نے متوعہ کے بارے میں آکر مسئلہ پوچھا تو اس آدمی
نے اسے اجازت دی ابن ابی عمرہ انصاری کہنے لگے
چھوڑو وہ کہنے لگے ایسا کیوں اہم المتقین کے زمانہ میں
ہم نے کیا تھا تو ابن ابی عمرہ نے کہا یہ اسلام کے دور آغاز
میں رخصت تھی اس شخص کے لیے جو مجبور ہو جیسے کوئی
آدمی مردار کھان اور خنزیر کھانے پر مجبور ہو پھر اللہ
نے دین کو پختہ کر دیا اور ہمیں متوعہ سے (خدا نے)
روک دیا

میں منصب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو پکڑا۔

بالکل زمانہ نبوت میں بھی متعہ عزیمت نہ تھا بلکہ رخصت تھا اور وہ بھی سفر میں نہ حضر میں اور سفر میں بھی تھا تو فقط سفر جہاد ہی میں اور وہ بھی ان لوگوں کے لئے جن کی عورتیں نہ تھیں اور ان میں سے بھی اپنی کے لئے جن کو ایسی ضرورت ہو جیسے حالت مختصہ میں ہیٹ بھر لینے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام مضامین دونوں روایتوں کے الفاظ سے مثل آفتاب روشن ہیں۔

اکل میتہ حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے اور متعہ | مگر چونکہ حالت مختصہ کا احتمال آئندہ بھی تھا کو بوجہ ارتفاع علت ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے | پر بعد فتح مکہ احتمال ضرورت متعہ کسی طرح نہ تھا کیونکہ بعد فتح مکہ معظمہ تمام ملک عرب مسلمان ہو گیا تمام اقوام فوج فوج داخل زمرہ اسلام ہو گئے تھے خدا کی مدد سے چاروں طرف سے ظہور کیا۔ چنانچہ سورت۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ
النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۚ

جب پہنچے مدد اللہ کی اور فتح اور توجھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں دین میں فوج فوج

اس مضمون پر شاہد ہے اور مشاہدہ فتوح شام و مصر و عراق و فارس وغیرہ اس کے مصداق ہیں۔ اس لئے اکل میتہ میں تو بشرط حالت مختصہ رخصت بحال خود باقی رہی اور متعہ کو قیامت تک منسوخ کر دیا۔ چنانچہ وہ روایتیں کے جو اس حرمت ابدی پر دلالت کرتی ہیں پیش کش ناظران اوراق میں منجملہ اور روایتوں کے ایک روایت تو مرقوم بھی ہو چکی یعنی دوسری روایت جس میں یہ لفظ ہیں۔ ثُمَّ أَحْكَمَ اللَّهُ الدِّينَ وَنَهَى عَنْهَا اس روایت سے صاف روشن ہے کہ متعہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اول ہی جائز تھا پھر دین کو محکم اور مضبوط کر دیا یعنی متعہ سے انجام کار ہمیشہ کے لئے منع فرما دیا سوا اس کے اور روایت لیجئے صحیح مسلم میں موجود ہے۔

حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجَهَنِّيُّ عَنْ
أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ إِلَى مَكَّةَ

اس کے بعد پھر یہ روایت ہے۔ حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجَهَنِّيُّ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ

ربیع بن سبرہ جہنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ فتح مکہ کے دن نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو میں نے تم کو غورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اللہ نے اسے قیامت

أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ فَكَالَ يَكُونُ النَّاسُ
إِلَى قَدْ كُنْتُ أَذُنْتُ لَكُمْ فِي الْإِسْتِغْنَاءِ
مِنَ النَّبَاءِ وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ
إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَمَنْ كَانَ عَنْدهُ مِنْ
شَيْءٍ فَلْيَحْذِلْ سَبِيلَهُ وَلَا تَلْخُذْ وَهْمًا
اتَّخِمْهُنَّ شَيْئًا (مسلم ص ۴۱۱)

نہایت عرام کر دیا پس جس کے پاس ایسی چیز (غیر) ہو
ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ علم کے مہر دیا ہو
وہ بھی ان سے واپس نہ لینا۔

ان دونوں روایتوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی بھی غزوہ مکہ ہی میں واقع ہوا ہے
یعنی اول تو غزوہ فتح میں بعد بھی خیبر اجازت ہوئی اور پھر بعد میں روز کے ہمیشہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا
چنانچہ ماہر ان کتب احادیث پر محقق رہے گا۔

الغرض بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ مسعد کی اجازت ہوئی اور دوبارہ بھی ہوئی مگر درجی
رفع کی نہیں رہی ہمیشہ کے لیے حتیٰ مگر چونکہ وہ بات رقم کر چکا ہوں جس سے بعد فتح مکہ حرمت ابدی
کا مناسب ہونا معلوم ہو جائے تو یہ مناسب آپ ہی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ ارشاد اس وقت کیوں ہوا
پس و پیش فتح مکہ یہ ارشاد کیوں نہ فرمایا ہاں اب تیسری روایت کا نمبر ہے۔ سو دوسری روایت
خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں مروی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ الْحَنَفِيَّةِ
أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ لِي بِنِ
عَبَّاسٍ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْ مَتَعَةِ النَّبَاءِ يَوْمَ خَيْبَرٍ وَ
عَنْ أَكْلِ الْحَوْثِ الْحُمْرِ الْوَسِيَّةِ
(مسلم ص ۴۵۲ بخاری ص ۴۶۷)

(محمد بن حنفیہ اپنے والد حضرت علی سے سن کر راوی
ہیں کہ حضرت علی نے ابن عباس سے فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے وقت کہنے سے اور
پالتو گھوڑوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع
فرمایا۔)

یہ روایات مذکورہ اہل سنت کے لیے تو دربارہ رخصت ہونے متعہ کے سرمایہ تکیہ و یقین
ہوں گی اور اس لیے وہ الزام شیعہ جس کے دفع کے لیے یہ اوراق مرقوم ہوئے ہیں خود بخود ان کے
نزدیک ساقط ہو جائے گا اور پھر اس باب میں انشاء اللہ شیعہوں کو مجال دم زدن نہ رہے گی۔ اور

شیعوں کے لیے یہ روایات منجملہ ہدایات و ارشاد و تلقین ہوں گی۔

روایات مذکور شیعہ کے لیے بھی ہدایت | وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کسی مذہب و مشرب کا کوئی کلیہ
وارشاد کا باعث ہیں۔ | یا قاعدہ یا ان کے دین کی کسی بات کی کوئی اصل و تائید اور

ذہن نشین ہو جاتی ہے اور پھر اس کے مناسب ہی اور احکام اس مذہب میں نظر پڑتے ہیں۔ تو اہل مذہب
کو تو اس کی حقیقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور مخالفان مذہب مذکور کو بشرط طلب حق و رشد و ہدایت
کا سامان ہو جاتا ہے۔ اگر کلام اللہ میں اور اس کے احکام اور اخبار میں یہ تناسب نہ ہوتا تو سب میں
پہلا اعتراض یہی ہوتا کہ خود یا اللہ و مقرر اس فطرہ نہ باشد اور جب اعتراض نہیں کر سکتے اہل اسلام کو سامان مذہب و تلقین ہوگا اہل طوائف کے ہی پر مشتمل
بہلقین و تبیین نہائی باث تبیین و ہوش ہوگی خاص کر روایات اخیرہ کیونکہ حضرت علیؑ کا نام ہی شیعوں کے
مرٹنے کو کافی ہے۔

سینوں کو یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ غزوہ فتح بعد فتح خیر ہے۔ اور غزوہ فتح مکہ میں بشاد
بعض روایات مذکورہ پھر اجازت ہو گئی تھی۔ اس صورت میں نہی غزوہ فتح سے اگر قطع نظر کی جائے تو
اجازت غزوہ فتح ناسخ نہی خیر ہوگی۔ اور حضرت علیؑ کا یہ ارشاد بوجہ بے خبری ہو مگر شیعوں کو اس عذر
کی گنجائش نہیں ان کے نزدیک اماموں سے غلطی کا احتمال نہیں اور پھر وہ بھی دین کی باتوں میں خاص کر
اس وقت جب کہ نسخ کا بھی احتمال نہ رہا ہو یعنی بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا آثار و
ہو گیا نسخ کی کوئی صورت نہ رہی دین پائیدار ہو گیا۔

اس صورت میں وہ متعہ کا شخصیت ہونا اور عزیمت نہ ہونا جو بدلائل واضحہ انشاء اللہ ہر خاص و
عام پر واضح ہو جائے گا۔ اس تناسب کے ساتھ مل کر جو حضرت علیؑ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے شیعوں
کے حق میں بالضرور موجب تہیہ ہوگا اور انشاء اللہ اب اس خواب غفلت سے جس میں مدت سے بے ہوش
ہیں ہوشیار ہو کر حرمت متعہ کو علیؑ و اس الٰہی و تسلیم کریں گے اور یہ بھی نہ ہوگا تو اس سے تو خالی ہی نہیں
کہ یہ روایتیں دافع الزام اباحت ہو جائیں یعنی حضرات شیعہ جو بہت سی روایات اباحت و اہل سنت
پر الزام دگالتے تھے وہ الزام روایات سے منفع ہو جائے۔

(حاصل کلام) | اس صورت میں حاصل تقریر یہ ہوگا کہ ایک زمانہ میں متعہ کا ایسی طرح حلال ہو جانا
جیسے میتہ کسی حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن اول تو وہ اجازت وقت ضرورت بوجہ ضرورت تھی۔

کوئی امر تعبدی نہ تھا جو ہمیشہ کے لیے رہتا اور ایسا تو سب پایاں اس پر مشرع ہوا کہ ایمان سے نئے کرا اعمال
 ایک کسی عبادت اور طاعت اور زہد و تقویٰ کا وہ ثواب نہیں کیونکہ نہ ایمان کا یہ رتبہ کہ بہ ترتیب معلوم چوتھی قدر
 میں ثانی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائے اور ہر قطرہ غسل سے فرشتہ پیدا ہو کہ کسی عبادت میں یہ اثر نہ
 زہد سے یہ امید نہ تقویٰ سے یہ توقع یہ پاکیزگی تو اسی (مستحق کی) پاکبازی میں ہے۔

اور اگر فرض کیجئے حضرات شیعہ میر فتح اللہ شیرازی کی تفسیر کو معتبر نہ جانیں اور اس وجہ سے ان
 کی روایات کو نہ مانیں تب بھی شیعوں کے نزدیک متعہ کے منجملہ حسنات ہونے میں تو کچھ تامل ہی نہیں۔
 بہر حال بوجہ ضرورت، وقت ضرورت متعہ کے لیے اجازت دے دینا خود اس بات کو مقتضی ہے
 کہ بعد ضرورت یہ حکم نہ رہے گا اور ایسا حکم منجملہ حسنات نہیں ہو سکتا دوسرے حکم مت اہمی اور حدیثوں
 سے ثابت۔ جس کا حاصل یہ ہو گا کہ وہ اباحت ثابت من الاحادیث جو شیعہ کے نزدیک اس حد
 کو باطل مٹتی جو آیت اِنْ عَلٰی اِذْ وَاٰ جِهَہُ الْاَمْرُ سے ثابت ہوتی تھی احادیث ہی سے پھر نسخ ہو گئی
 (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
 عباسؓ کے فتاویٰ کی حیثیت) رضی اللہ عنہما کا بعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم متعہ کی
 اباحت پر فتویٰ دینا اہل سنت کے حق میں کچھ مضرت نہیں کیونکہ اول تو اہل سنت کے مجتہد سے خطاب بھی ہو
 جاتی ہے دوسرے ان کا یہ فتویٰ قبل اطلاق اپنی غنا بعد اطلاق انہوں نے بھی رجوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ
 بن عباسؓ کا حدیث بھی سے مطلع نہ ہونا تو حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے اسی طرح حضرت
 عبداللہ بن مسعودؓ کو خیال فرمائیے۔

لے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق حضرت علیؓ کی روایت ۲۵۶ پر گذر چکی ہے علاوہ انہی ترمذی شریف میں حضرت
 ابن عباسؓ کا قول مذکور ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ متعہ شروع اسلام میں تھا آدمی کسی شہر میں جاتا جہاں اسکی
 جان پہچان نہ ہوتی تو بتنی دیر اس نے قیام کرنا ہوتا اتنی دیر کے لیے کسی عورت سے نکاح کر لیتا وہ عورت اس کے سامان کی
 حفاظت کرتی اور اس کے لیے کھانا بھی تیار کرتی یہاں تک کہ جب آیت اِنْ عَلٰی اِذْ وَاٰ جِهَہُ الْاَمْرُ اور مَا مَلَکَتْ اِیْمَانُ
 نازل ہوئی قال ابن عباسؓ فَکُلْ مِنْ حَرْثِ سِوَاہَا حَرَامٌ (ترمذی ۱۱۱۱ باب نکاح المتعہ)

بالی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسلم ۵۱۱۱ میں مروی ہے قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ یَقُولُ کُنَّا
 نَعْرِضُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ لَنَا نِسَاءً فَقُلْنَا اَلَا لَمْ نَخْصِ فَمَهَا نَاعَنْ ذٰلِکَ ثُمَّ رَخَّصَ
 (۱۱۱۱ ۲۵۹)

اور اگر بالفرض حضرت عبداللہ بن مسعود کو رجوع کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ احادیث نسخ ان کو پہنچی نہ تھیں اور اجماع ان کے بعد منعقد ہوا بہر حال انجام کار سب نے رجوع کیا اور حرمت متعہ پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(حرمت متعہ پر امت کا اجماع ہے) [چنانچہ کتب اہل سنت میں موجود ہے (علامہ) نووی شارح مسلم باب نکاح المتعہ میں بحوالہ قاضی عیاض رقم فرماتے ہیں۔

قَالَ الْقَاضِي وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ هَذِهِ الْمَتْعَةَ كَانَتْ نِكَاحًا إِلَى أَجَلٍ لَا مِيرَاثَ فِيهَا وَفِرَاقُهَا يَحْصِلُ بِالنِّقَاحِ الْأَجَلِ مِنْ غَيْرِ طَلَقٍ وَوُقُوعِ الْإِجْمَاعِ بَعْدَ عَلَى تَحْرِيمِهَا مِنْ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ متعہ وقتی نکاح (معتہ گواہ) تھا اس میں میراث نہ تھی اور بلا طلاق مدت مقررہ کے ختم ہونے پر جدائی ہو جاتی تھی اس کے بعد اس کی حرمت پر تمام علماء کا اتفاق ہوا بجز روافض کے حضرت ابن عباسؓ نے کچھ عرصہ

بقیہ حاشیہ م۔ کہ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالتَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ ثُمَّ قَدْ عَيَّدَ اللَّهُ بِأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَحْرِيمَ مَوَاطِنَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا رد فرمایا ہے میں جو بعد حرمت متعہ کے بھی علت متعہ کے قائل ہیں ابن مسعودؓ کا مطلب یہ ہے کہ جیسے طہیات کو حرام کرنا درست نہیں ایسے ہی مدد سے تجاوز بھی درست نہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ضرورت غزوات میں اور سخت مجبوری کے وقت جب کہ عورتیں پاس نہ تھیں اجازت فرمائی اور بعد میں اِنْهَاكَ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فرما کر قیمت تک کے لیے حرام ہونے کا اعلان کر دیا اب جو شخص متعہ کی اجازت سے اس نے مدد اللہ سے تجاوز کیا وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ رکما اشار الیہ ابن القیمؒ۔ حافظ ابی حجرؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں فی رواۃ بیہ ابی معاویۃ عن اسماعیل بن ابی خالد ففعلنا ثم ترك ذلك وفي رواية لابن عیینہ عن اسماعیل ثم جاء تحريمها بعد وفي رواية معمر عن اسماعیل ثم نسخ۔ (فتح الباری ص ۱۱۷) - ۱۲ -

ابو الروافض وکان ابن عباس یقول

اباحت کے قائل تھے پھر آپ سے مروی ہے کہ

باباحتها وروی عنه انه رجع عنه

آپ نے جواز سے رجوع کر لیا۔

انتہی (نہوی علی مسلم ص ۴۵)

اور شریع باب مذکور میں بحوالہ قاضی ہی یہ بھی مرقوم ہے۔

قَالَ الْمَازِرِيُّ ثَبَتَ أَنَّ نِكَاحَ الْمُتْعَةِ كَانَ

مازری نے کہا ہے کہ نیکاح متعاہدہ کے ابتدائی

جَائِزًا فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ ثَبَتَ بِالنَّكَاحِ

وہ میں جائز تھا پھر صحیح احادیث سے ثابت ہے

الصَّحِيحَةِ الْمَذْكُورَةِ هُنَا أَنَّهُ لَيْسَ

کہ وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی حرمت پر اجماع واقع

وَالْعَقْدُ الْإِجْمَاعُ عَلَى حَرَمِيَّتِهِ وَلَكِنْ

ہو گیا۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا بجز

يُخَالَفُ فِيهِ إِلَّا طَائِفَةٌ مِّنَ

اہل بدعت کے ایک گروہ کے

الْمُجْتَدِعِينَ - انتہی مقام الحاجۃ

(نہوی علی مسلم ص ۴۵)

خلاصہ مراد یہ ہے کہ نہ کلام اللہ میں متعہ کا نشان ہے نہ اس کی خوبی یا اباحت کا کہیں بیان

ہے کوئی آیت اس کے استحبات یا اباحت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ کلام اللہ سے اگر نکلتی ہے

حرمت نکلتی ہے۔ ہاں احادیث سے ایک زمانے میں تھوڑے دنوں کے لیے مباح ہونا ثابت

ہوا ہے۔ مگر جیسا تھوڑے دنوں کے لیے اباحت کا ثبوت احادیث سے نکلتا ہے ایسا ہی بعد

اباحت چند روزہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا حرام ہو جانا نکلتا ہے۔

چونکہ جمیع مالہ و ما علیہ بحث متعہ سے بحمد اللہ فراغت حاصل ہوئی تو اب لازم یوں ہے کہ خدا کا

شکر ادا کیجئے اور بنام خدا ختم کیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی

رسوله سید المرسلین خاتم النبیین وآلہ وصحبہ وازواجه وذریئہ

اجمعین۔

سوال چہارم

(بحث فدک و وارثت انبیاء علیہم السلام) | بیٹیوں کا وارث ہونا قرآن میں سورت النساء رکوع دوم
اعنی یُوصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلَّذِکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْمُنٰثِقِیْنَ میں منصوص ہے
فرماتے ہیں فَإِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اولاد میں ایک
ہی بیٹی ہو تو اس کا اوصاحصہ ہے اس صورت میں حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے اوصے ترکہ کی مالک تھیں پھر کیا سبب ہوا کہ خلیفہ اول نے ان کو بالکل جواب دیا
یہ بھی ظلم نہیں تو اور ظلم کس کا نام ہے؟

اور اگر یہ کہئے کہ حدیث میں آیا ہے نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِیَاءِ لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَکْنَا
صَدَقَہُ یعنی انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی تو یہ معنی ہوئے کہ حکم قرآنی حدیث سے منسوخ
ہو گیا تو اول تو حدیث واحد سے یعنی ایسی احادیث سے جن کو محدثین احاد کہا کرتے ہیں قرآن کا منسوخ
کھڑا ناسیوں کے نزدیک بھی جائز نہیں دوسری حدیث اور آیات قرآنی کے معارض ہے جن میں
سے ایک تو وَدَّرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَہُ۔ دوسری وَهَبُ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِیًّا بِرِثَتِي
وَمِیْرَتُ مِنْ آلِ یَعْقُوبَ۔ اول کا مطلب تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داود علیہ السلام
کے وارث ہوئے اور دوسری دعا حضرت زکریا علیہ السلام ہے اور مطلب اس کا یہ ہے۔

کہ اے اللہ میرے مجھ کو ایسا جانشین جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔
اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خلافت قاعدہ بخدا و حمدی دعا مقصور نہیں اور اگر بالفرض انبیاء
کرام سے کوئی دعا خلافت قاعدہ مقرر فرماد بھی ہو تو مثل دعا حضرت نوح علیہ السلام یعنی۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اٰہْلِیْ وَاِنْ وُعِدَکَ
الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ۔
میرا رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور
بیشک میرا وعدہ سچ ہے اور تو سب سے بڑا عالم ہے۔

قابل عتاب ہے چنانچہ جملہ فَلَا تَسْأَلْنِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہِ عَلَیَّ اِلَّا اَعْطَکَ اِنْ تَكُوْنُ مِنْ
الْبَآئِیْنَ رِسُوْلَ یُوحَیِّہِ جبر مجھ سے جو مجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے
تو جاہلوں میں سے ظاہر ہے: مثل دعا مذکور حضرت زکریا علیہ السلام قابل اجابت نہیں تھی سو راجح

وَعَمَّا ذَكَرَ حَسْبُكَ بِرَحْمَةٍ لِّدَعْوَاكَ اِنَّا نَجِیُّكَ كَیْ لَا یُخْلَیْكَ اِسْمُكَ یَحْیٰی شَهِدٌ هَیْ . یَا سَیِّدُ لَطْفِ مَحَبَّتِ
جو غلط نبیّت سے ظاہر ہے در صورت صحت و صدق خبر لا نورث ہرگز متصور نہیں کیونکہ اگر ایسا
کا کوئی وارث نہ ہوا کرتا تو حضرت زکریا علیہ السلام کو اس قاعدہ کی اطلاع بھی ضرور ہوگی پھر ایسی دعا
کیوں کرتے بہر حال حضرت زکریا اور حضرت داؤد علیہما السلام دونوں بالیقین نبی ہیں اور ان کے مال
میں وراثت کا جلدی ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اس صورت میں حدیث مذکور مخالفت کلام اللہ ہوئی .
سو کلام اللہ کو غلط نہیں کہہ سکتے ہونہ ہو حدیث مذکور یہی غلط ہوگی ۔

جواب (میراث کی بنائیں شرطوں پر ہے) | بعد حمد و صلوات راقم حروف غرض پر دانا ہے کہ میراث کی بنائیں باتوں پر ہے۔

(شرط اول۔ مورث کی روح کا اس کے جسم سے علاقہ حیات باقی نہ رہے) | ایک تو یہ کہ جس کے مال میں کسی کو استحقاق میراث ہو اس کی روح کو اس کے جسم سے علاقہ حیات باقی نہ رہے

اگر علاقہ مذکور باقی ہے تو اس کا مال اسی کی ملک رہتا ہے اور اس کی ازواج اس کے نکاح میں، اقرباء کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہو گا کسی اور کو اس کی ازواج سے نکاح کی اجازت نہ ہو گی یہی وجہ ہے کہ جب تک دم میں دم ہے آدمی اپنے مال کا مالک ہے اس کی زوجہ کا نکاح منقطع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر علاقہ مذکور منقطع ہو جائے تو اموال سے بھی علاقہ ملک منقطع ہو جاتا ہے اور ازواج سے بھی علاقہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ روح کو بذات خود تو اموال و ازواج کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ جیسے سوار کو گھاس دانہ کی ضرورت بوجہ اس پ سواری ہوتی ہے روح کو کھانے پینے اور اموال و ازواج کی حاجت بوجہ بدن ہے۔ جب بدن سے علاقہ ہی نہ رہا تو مال و ازواج روح کے کس تصرف کے ہیں۔

(شرط دوم: مورث کا یوصیکم اللہ کے خطاب میں شامل ہو۔)

حج، زکوٰۃ کا خطاب مثلاً اغنیاء کے لیے ہے فقراء خارج ہیں خطاب مذکور سے صورت خارج ہو۔
 (شرط سوم۔ صورت کا ترکہ اس کی ملکیت ہو) | تیسری بات یہ ہے کہ متروکہ صورت اسی کا مملوک
 ہو کسی کی امانت یا مال وقت نہ ہو۔

(صورتِ مسلولہ میں تینوں شرائط مغفوتہ ہیں) | جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے سینے کے اس عجیبے

میں قینوں باتوں کا پتہ نہیں اور ظاہر ہے کہ ثبوت دعویٰ میراث کے لیے اول حضرات شیعہ کو ان قین باتوں کا اثبات ضروری تھی اس کے بعد اگر سفینوں سے جواب مانگیں تو بجائے خود ہے۔ اور قبل اثبات مذکور سفینوں کی طرف سے لَا نَبْلَہُ کافی ہے ان قینوں سے اگر مقدمہ واحد ہی ثابت نہ ہوگا تو پھر سفینوں کے سامنے منہ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہاں ذہن سلیم ہو تو ان قینوں باتوں کی تضاد کلام اللہ ہی سے ثابت ہیں اور احادیث کثیرہ اس کی مؤید۔ خیر یہ بات تو بہت طویل ہے قابل گزارش یہ ہے۔

(حدیث لا نورث اخبار کے قبیل سے ہے | کہ حدیث میں نفی امر اول کی طرف اشارہ ہے اور اور اخبار ناسخ و منسوخ نہیں ہوتیں) | صورت اس کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث کا جاری نہ ہونا اگر حدیث مذکور سے ثابت ہے تو بایں محنی ثابت ہے کہ عدم مورثیت کی خبر دیتی ہے یہ نہیں کہ ان کے لیے جدا امر و ارشاد ہے کہ حدیث کو ناسخ، قرآن کو منسوخ کہیں۔ بالکلہ امر و نہی ناسخ امر و نہی ہوا کرتے ہیں اخبار ناسخ اور امر و نہی نہیں ہوتیں۔

ہاں اگر کوئی ایسی خبر ہو جس سے قطع امر و نہی معلوم ہو جیسا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَامُ یَا حُرِّمْتُ عَلَیْکُمُ الْمَيْتَہُ تو وہ خبر تو پھر بھی ناسخ امر و نہی ہوتی البتہ وہ امر و نہی جو بذریعہ خبر مذکور معلوم ہوتے ہیں بشرط مخالفت امر و نہی دیگر ناسخ ہوا کرتے ہیں سو یہاں نہ کسی امر کی خبر ہے نہ کسی نہی کا بیان۔

(بشار میراث کی شرط اول کا فقدان حدیث لا نورث | بلکہ مطلب اصلی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فوت کی رو سے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے) | موت بھی یہی ہے تو بقیہ حیات کہتے ہیں چنانچہ ارشادیت عقل صائب جملہ لا نورث سے یہ بات عیاں ہے اور ہم بھی اشارہ اللہ بیان کر رہے ہیں۔

اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں ملتی۔ سو سنی نہ سنی علی شیعہ ہی فرمائیں کہ اس میں کیا غرالی ہے اور اس صورت میں کس طرح نسخ قرآن لازم آتا ہے زندہ کے مال میں نہ تو شیعوں کے نزدیک میراث ہوتی ہے نہ سفینوں کے نزدیک جب تک جان کو تن سے علاوہ باقی ہے تو کیا ہی کوئی صنعت و حیثیت بدتر از مردگان کیوں نہ ہو اپنے مال کا مالک اپنی زوجہ کا خاوند رہتا ہے نہ اس کے مال میں وارثوں کو گنجائش تصرف ہے نہ اس کی ازواج کے ساتھ کسی کو نکاح کی اجازت جب ہمارا مقنا را باوجودیکہ ہماری حیات بدتر از موت ہے کہ حالت نزع میں اپنے مال کے مالک اور اپنی زوجہ کے خاوند کہتے ہیں انبیاء علیہم السلام اگر بقیہ حیات اپنے مال کے مالک اور اپنی ازواج کے خاوند رہیں تو کیا بے جا ہے۔

(دور اہم سوال) | ہاں یہ بات قابل تحقیق ہے کہ جملہ لائورٹ بقاۂ حیات پر کیوں کر دلالت کرتا ہے۔ اور دوبارہ بقاۂ حیات انبیاء وقت موت بھی احادیث احاد سے کام چل سکتا ہے نہیں؟

(جواب سوال اول) مورد وثیت کی | سو جواب امر اول تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی کا سبب حیات ہے | لائورٹ فرمایا ہے لا یرثنا احدٌ ہمیں فرمایا غرض

نفی وارثیت وراثت میں کی اپنی مورد وثیت کی نفی فرماتے ہیں۔ اگر نفی وارثیت فرماتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ معاذ اللہ قتل یا کفر وغیرہ اسباب حرمان کے باعث وراثت سے محروم رہ جائیں یہ مانع مورد وثیت مورث بجز حیات اور کوئی امر ہی نہیں۔ اس لیے کہ موجب تعلق وراثت فقط انقطاع تعلق فیما بین روح و جسم ہے کسی اور شرط یا سبب کی ضرورت ہی نہیں جو اس کے نہ ہونے کا احتمال ہو۔

اس صورت میں بجز اس کے اور کسی بات کی گنجائش ہی نہیں کہ حیات مانع میراث قائم ہو۔ یہ فرق نفی وارثیت اور مورد وثیت میراث میں ایسا ہے جیسا البصار میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلائی دینے کا فرق موجود ہے یعنی اندھا اگر کسی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا تو وہاں اندھے کا قصور ہے اس شکل کا قصور نہیں اور اگر ہوا یا روح وغیرہ اشیاء غیر مبصرہ کو کوئی آنکھوں والا نہیں دیکھتا تو وہاں آنکھوں والے کا اس بات میں کچھ قصور نہیں بلکہ ہوا اور روح کا قصور ہے یعنی ہوا اور روح دیکھنے کے قابل نہیں سو پہلی صورت میں اندھے کے بصیر ہونے کی نفی کہنی چاہیے اور دوسری صورت میں ہوا اور روح کے مرئی ہونے کی نفی مناسب ہے۔

بہر حال بد دلالت نفی مورد وثیت حقیقت شناسائی معانی سچ تو اس طرف گئے کہ انبیاء میں مورد وثیت ہی نہیں یعنی انقطاع تعلق روح و جسم کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر پاکستان کم فہم نفی مورد وثیت کو نفی وارثیت پر محمول کر کے لڑنے کو تیار ہیں کہ بیڑی کا وارث ہونا قرآن میں مخصوص ہے حدیث واحد سے فسوخ یا مخصوص نہیں ہو سکتا۔ یہیں تفاوت رہا کہ اس بات کا بکجا۔

کوئی پوچھے اس حدیث کو نفی وارثیت سے کیا علاقہ جو اعتراض نسخ لے دوڑے۔

(جواب سوال دوم) موت و حیات | اور امر ثانی کا جواب یہ ہے کہ موت و حیات کے باب کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے | میں تو ہر عادل کی گواہی مقبول ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دوبارہ حیات مقبول نہ ہوگی حضرات شیعہ ہی فرمائیں یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔

ایک اور سوال موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے؟ | ہاں یوں کہیں گے کلام اللہ میں یوں بھی ارشاد ہے
 كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی کو چھینی ہے موت) جس سے بے تخصیص انبیاء علیہم السلام سب
 کے لیے موت کا آنا ثابت ہے بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے
 ہیں۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ (تجھے بھی مرنا ہے) پھر اس بنا پر فرماتے ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
 قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قَتِلَ
 انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ (پ) جازگے لٹے پاؤں۔
 اور محمد تو ایک رسول ہے جو پہلے اس سے پہلے

اور ظاہر ہے کہ موت و حیات باہم متضاد ہیں اور اضداد باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے
 کہ نور و غلٹ اور حرارت اور برودت ایک محل واحد میں جو جمع نہیں ہوتے تو بوجہ تضاد ہی باہم
 مجتمع نہیں ہوتے۔

روسل نقلی | سو اس کا جواب اول تو نقل لیجئے اگر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کلام اللہ میں ہے
 ثُمَّ يَرْجِعُهُمُ اللَّهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاكُمْ عَنْ دَرَجَتِهِمْ
 يَرْزُقُونَ (اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مائے گئے اللہ کی راہ میں مرے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے
 پاس کھاتے پیتے) بھی کلام اللہ ہی کی آیت ہے انجیل یا تورات کا درس نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ
 بشمول کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ شہداء کی موت کہ قرار لازم ہے ورنہ بایں ہمہ کلیت
 حمد کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اگر شہداء منجمل اموات ہوں گے تو اس قضیہ کا کلیہ ہونا دربارہ موت
 انبیاء کرام علیہم السلام کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔ سو بیا شہداء میں موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے
 ایسا ہی انبیاء علیہم السلام میں بھی ہے۔

ایک خدشہ | اس تقریر کو سن کر شاید علماء شیعوہ آیت لَا تَحْزَنَ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ
 اللَّهِ أَمْوَاتًا کی تفسیر میں درپے تغیر ہو کر یہ فرمائیں کہ قُتِلُوا صیغہ ماضی ہے اس لیے الَّذِينَ
 قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبل نازل آیت لَا تَحْزَنَ الَّذِينَ قُتِلُوا
 خدا کی راہ میں ملے گئے علی العموم تمام شہداء مراد نہیں۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ
 ایک بار مر گئے ہوں اور پھر بعد مرگ ان کو زندہ کر اٹھایا ہو اور اس لیے یہ ارشاد ہوا کہ لَا تَحْزَنَ

الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ، مگر اس کا جواب اول تو اپنے مفسروں سے پوچھیں۔

(جواب خدا شہر) حضرت من! باتفاق مفسرین فریقین آیت مذکورہ تمام شہداء کو عام ہے سابقین ہوں یا لاحقین اور کیوں نہ ہو۔ اگر لوگوں نہ کہتے تو آیت ان الَّذِينَ أَمْتُوا میں بھی کٹنا پڑے گا۔ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان مابعد کو بزرگم خود بھی اپنے آپ کو اس قسم کی بشارت کے محروم ہے نصیب کٹنا پڑے گا۔ بالجملہ اس قسم کی آیات میں زمانہ کا ماضی ہونا باعتبار وقت جزاء و ثمر ہوتا ہے باعتبار وقت تکم نہیں ہوتا۔ سو جیسے آیت ان الَّذِينَ أَمْتُوا میں جزاء فلهم اجرهم سے مثلاً تقدم ملحوظ ہوگا اس آیت میں ہم حبان اور رزق اور فرحت وغیرہ امور مندرجہ آیت۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ وَيَتَّبِعُونَ بِالَّذِينَ لَمْ
يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (پہم ۹۷)

اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مائے گئے اللہ کی راہ
میں مرے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے
پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے
فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے
جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے
اس واسطے کہ نہ ڈرے ان پر اور نہ ان کو غم۔

سے تقدم اعتبار کیا جائے گا ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے یہی تفسیر دانی ہوگی تو حضرت امام المشد ار امام
حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی حیات سے شیعوں کو انکار ہی کرنا پڑے گا بہر حال جملہ
الَّذِينَ قَتَلُوا کی تعمیم ضرور ہے۔

شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے
بعد دوبارہ حیات کی دو قسمیں متصل اور منقطع

پھر اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں
کہ مقتولان فی سبیل اللہ کی حیات اول ہی

ہستور ہو اور اس لیے بَلْ أَحْيَاءٌ فرمایا ہو یا حیات اول منقطع ہو گئی ہو پر حیات ثانی کے اعتبار
سے ان کو احیاء فرمایا ہو۔ صورت اول میں تو ظاہر ہے کہ بعد قتل موت و حیات کا اجتماع لازم آئے گا۔
(منقطع کی پھر دو قسمیں متصل اور منفصل) | پر صورت ثانی کی پھر دو صورتیں۔ ایک تو یہ کہ حیات

اول کے ختم ہوتے ہی دوسری حیات شروع ہو گئی ہو یعنی حیات اول کا انتہا اور حیات ثانی

کا ابتداء اسی طرح متصل اور چسپاں ہو جیسے رات اور دن، بظہر اور غمیر مثلاً۔ دوست یہ کہ حیات اول کے اختتام کے بعد ایک زمانہ تک موت ہی رہتی ہو اور پھر حیات ثانی آتی ہو ان دونوں میں سے پہلی صورت میں اگر موت انتہاء حیات اور حد حیات اور طرف حیات ہے تو جیسے خط و سطح مفروض علی السطح المتصل اور سطح مفروض علی الجسم المتصل یا آن مفروض فی الزمان للتصل اتصال سطح اور اتصال جسم اور اتصال زمان میں قانع نہیں ایسے موت مفروض بین الحیوتین کو خیال فرمائیے کیونکہ اس صورت میں تعدد حیوة باعتبار فرض موت ہے اور موت ایک انتہاء غیر منقسم کا نام۔ سو جیسے تعدد سطح جو وقت فرض خط مستدیر مثلاً لازم ہے اتصال سطح داخل و خارج مستدیر میں قانع نہیں۔ ایسے ہی موت بھی اتصال حیات سابق و لاحق میں قانع نہ ہوگی اور اگر موت کیفیت مستمرہ کا نام ہے تو پھر وہی صورت ہے یہاں بھی موت و حیات باہم مجتمع ہوں گی۔ ہاں صورت ثانی میں البتہ اجتماع موت و حیات نہ ہوگا بلکہ حیات اول تک تو موت بھی ہے نہیں اور حیات ثانی کے وقت موت زائل ہوگئی اور یہی احتمال شیعوں کو منہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ دونوں حیاتوں کے مابین جو زمانہ موت ہوگا۔ تو اس موت کے معروض وہی **الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** ہیں جن کی شان میں **لَا تَحْشَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا** کلمہ **أَحْيَاءُ** فرماتے ہیں۔ القصہ خود آیت **لَا تَحْشَبَنَّ** ہی احتمال مذکور کی مکتبہ ہے۔

(دلیل عقلی) | اور دلیل عقلی موت و حیات کے اجتماع کے ممکن ہونے پر مطلوب ہے تو سنئے کہ اجتماع اضداد کے محال ہونے کے لیے ضرور ہے کہ جہت و زمان بھی واحد ہو ورنہ مختلف زمانوں میں جیسے پانی کا گرم سرد ہوتا اور زمین کا ماضی و ماضی ہو نا ممکن کیا مشہور ہے ایسے باعتبار جہات مختلفہ بھی حرارت برودت اور نور و ظلمت کا اجتماع موجود ہے۔ علی ہذا القیاس ادویہ بار و بار بالطبع اور آب جو بالطبع بار و بار بوسیدہ آتش گرم ہو جاتے ہیں اور علی ہذا القیاس ادویہ حارہ بالطبع مثل مریج و گوگل شدت سرما میں بار و ہو جاتی ہیں اور طبیعت وہی کی وہی رہتی ہے تاثیرات جوں کی توں رہتی ہیں اگر اجتماع معنومات مذکورہ ہر طرح محال ہی ہوتا تو یہ اجتماع کیوں کر ہو سکتا اس لیے بنا چاری اتحاد جہت کا شرائط تضاد میں سے کہنا ضرور ہے سو جیسے یہاں حرارت ذاتی اور برودت طبعی زائل نہیں ہوتی بلکہ برودت عارضہ اور حرارت غریبہ کے ٹٹے دب جاتی ہے اور زیر پردہ اضداد مستور ہو جاتی

ہے۔ ایسے ہی اگر حیات ذاتی زیر پرزہ موت مستور ہو جائے تو کیا عجب ہے۔ کیونکہ موت بشاوت
آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاتِ امر وجودی ہے عدمی محض نہیں جویوں کہا جائے کہ ساتھ ہونے
کے لیے وجودی ہونا ضروری ہے اور موت امر عدمی ہے اس کے ساتھ ہونے اور حیات کے مستور
ہونے کے کیا معنی؟

اور اگر یوں کہئے کہ موت تو امر عدمی ہی ہے پر یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے یعنی عدم الحیات
لازم آیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات منجملہ اوصاف غوارض ہے، اقسام موصوفات اور
جوہر میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اوصاف وجودی و دھال سے خالی نہیں ہوتے یا اوصاف ذاتیہ
ہوں گے یعنی ذات موصوف کے حق میں خانہ زاد ہوں کسی اور کا فیض نہ ہوں جیسے فرض کر حرارت
آتش، اس قسم کے اوصاف تو اہل علم و فہم جانتے ہیں کہ موصوف سے جدا ہی نہیں ہوتے اور اگر
اوصاف وجودی اوصاف ذاتیہ نہ ہوں گے تو اوصاف عرضیہ معنی بالعرض ہوں گے یعنی کسی اور کا فیض
ہوں گے جیسے فرض کر حرارت آب گرم کہ آب گرم میں فیض آتش ہے آب کے حق میں وصف خانہ زاد
نہیں اس قسم کے اوصاف البتہ ذوال پذیر ہوتے ہیں اور موصوفات سے ان کا عدم تصور ہوتا ہے
لیکن اس قسم کے اوصاف اگر ایک جاسے معدوم ہو جاتے ہیں تو جہاں کا فیض ہے وہاں سے معدوم
نہیں ہوتے۔ بالعرض ہر وصف عرضی معنی بالعرض کے لیے ایک موصوف بالذات ضرور ہے سو
جس کسی کی ایسی حیات ہوگی اس کی حیات معدوم نہیں ہو سکتی اگر ہوگی تو مستور ہی ہوگی۔ اور وہ چیز
جو آیت مذکورہ میں لفظ موت سے مراد ہوگی اس کے حق میں ساتھ ہی ہوگی منزل نہ ہوگی۔

دعالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی ہے اور | سو ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اوروں کی حیات آپ کے فیض سے عرضی ہے | کی حیات عالم اسباب میں خانہ زاد ہو اور اوروں کی حیات عالم

امکان میں اسی طرح اس کا فیض ہو جیسے چاند میں آفتاب کا فیض تو اس صورت میں آپ کی حیات
وقت موت زائل نہ ہوگی تو مستور ہوگی یعنی جیسے وقت کسوف یعنی گھن کے وقت نور آفتاب چاند
کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے۔ اور چاند کا نور وقت خسوف یعنی چاند گھن میں بائیں وجہ کہ زمین اس
کے اور آفتاب کے بیچ میں حائل ہو گئی ہے۔ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت موت آپ کی
حیات تو زیر پرزہ موت مشاۃ الیہ فی الآیۃ مستور ہو جائے اوروں کی حیات بالکل زائل ہو جائے۔

بالجملہ موت اور حیات بوجہ اختلاف جہات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر مجتمع ہو جائیں
تو کون محال لازم آئے گا۔ حیات۔ ذاتی اور اصلی ہوگی اور موت عرضی۔

اس صورت میں حدیث **لَا تُورَثُ مَا تَرَكَنَا** جو حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہے
جیسے آیت **يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ** کی مخالفت نہ تھی لیے آیت **إِنَّكَ مَيِّتٌ** اور **كُلُّ
نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ** کی بھی مخالفت نہ ہوگی۔

(آیت و وراثت سلیمان سے وراثت | راتعارض حدیث مذکور اور آیت و وراثت
علمی اور خلافت مراد سے) **سُلَيْمَانُ دَاوُدَ** اور آیت۔

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا (پہلے سورہ صافات) (سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا جو
میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی)

یہ تعارض ظاہر شیعوں کو بوجہ قلت مزاوت کلام اللہ تعارض حقیقی معلوم ہوتا ہے اگر کلام اللہ
کی تداوت کبھی نصیب ہوتی اور ان کے لیے کہاں نصیب تو یہ دعوہ نہ پڑتا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں
آیتوں میں بھی مثل آیت۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا (پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وراثت بنے کتاب کے)
الْكِتَابِ (پھر ہم نے وارث کے کتاب کے وہ لوگ جن کو جن
اور **ثَنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ** (پہلے سورہ فاطر ۴)
عِبَادِنَا (پہلے سورہ فاطر ۴)

وراثت علمی مراد ہے یا وراثت خلافت و ولیعہدی۔ وراثت مالی مراد نہیں چنانچہ آیت **وَرِثَ سُلَيْمَانُ
دَاوُدَ** سے پہلے متصل ہی یہ ارشاد

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا
وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى
كَثِيرٍ مِمَّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ
(اور ہم نے دیا دَاوُد اور سُلیمان کو ایک علم اور ہونے
شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی اپنے بہت سے
خندہ دل ایمان والوں پر)

(پہلے سورہ نمل ۲۰)

اور بعد جملہ و وراثت سلیمان دَاوُد متصل ہی یہ ارشاد

وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ (اور بولناں لوگوں کو سمجھائی ہے کہ بولی اڑتے جانوروں کی)۔
 اس ارادہ کے لیے قرینہ بھی ہے ورنہ وراثت مالی مراد ہو تو پھر وہی قصہ جو بابائے حبیبے گنوار کا کرتے ہیں "بیاد میں بیچ کا لیجئے" سو اگر کسی گنوار کی کلام ہوتی تو احتمال بھی تھا خدا کے کلام میں ایسی بے ربطی انہیں کے نزدیک متصور ہے جن کے نزدیک خدا نے تعالیٰ کو کلام گفتگو کا سلیقہ نہ ہو اور کلام اللہ معجز نہ ہو۔

بایں مجددیث کھینچی جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس بات پر شاہد ہے کہ آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ میں وراثت علمی مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں وہ حدیث یہ ہے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَوَرِثَ أَخُو سُلَيْمَانَ لَمْ يَحْصِلْ كَلَامَ يَهْيَا کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے تھے اور ہم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ وراثت مالی کے لیے ان رشتوں اور قرابتوں میں سے کسی رشتہ دار اور قرابت کا ہونا ضرور ہے جن پر وراثت موقوف ہے۔ سو حضرات شیعہ ہی فرمائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند تھے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون تھے جو ان کے مال کے وارث ہوئے اور پھر وارث بھی ہوئے تو کیا فداک وغیرہ مسموکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ترکہ میں سے آپ کو ملا تھا۔

(آیت بَرِثْنِي وَبَرِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ | اب آیت فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا بِرِثْنِي سے بھی وراثت علمی مراد ہے) | وَبَرِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کا حال بھی سنئے۔ اس آیت میں میراث مالی مراد ہو تو یہ معنی ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے مشورہ کمالات ہے یعنی ایک کام میں دوسرا بے محل کام کرنا۔ ۱۲۔ محمد شرف

لے حدیث کھینچی کی یہ روایت بالمعنی ہے اصل عبارت یہ ہے۔ اِنَّ دَاوُدَ وَوَرِثَ عَلَمَ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنَّ سُلَيْمَانَ وَوَرِثَ دَاوُدَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَرِثَ سُلَيْمَانَ وَاِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بے شک حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے علم کے وارث بنے اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بنے۔
 رسول کافی ص ۲۳۵ طبع تہران ۱۴۰ محمد شرف

زمانے تک غیر مقسوم رکھی ہوا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کا انتظار تھا سو اس عرصہ دراز تک جو کچھ اوپر دو ہزار برس جوتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال ویسے رکھا رہا ہو کسی عاقل کے فہم میں تو آنہیں سکتا۔ ہاں کہیں سے جنون مایخو یا بھی مل جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ بایں ہمہ اس صورت میں فقط جملہ یدِ شئی کافی تھا۔ جملہ ثانیہ یدِ ث من ال یعقوب کی کیا ضرورت تھی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وراثت بے وساطت حضرت زکریا علیہ السلام متصور نہیں اور اگر کسی اور کے واسطے سے متصور بھی ہے تو ان کا نام لیتا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر پھر بھی بے محل ہے یہ تو اس صورت میں ہے کہ لفظ آل آیہ مشارا الہما میں حسب محاورہ عرب زائد ہو اور اگر لفظ آل زائد نہیں تو یوں کہو کہ تمام بنی اسرائیل سے جو اس وقت تک لاکھوں ہوں گے حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کو وہ قرابت تھی جس کے وسیلہ سے ان سب کے وارث ہو سکتے تھے اور پھر ان سب کا انتقال بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کے رو بہ ہو چاہیے جو یدِ ث من ال یعقوب صحیح ہو۔

علاوہ بریں وہ خوف جو جملہ خفۃ الموالی سے ثابت ہوا اگر بایں نظر تھا کہ آپ کے کہنے کے لوگ آپ کو شرف نظر آتے تھے ان سے بے جا خرچ کرنے کا کھٹکا تھا تو اس دعانے نیک وارث کی حاجت نہ تھی اپنے آپ خدا کی راہ میں خرچ کر جاتے اور اگر چھوڑ ہی جاتے تو کیا تھا بعد موت تکلیف شرع باقی ہی نہیں رہتی جو کچھ خوف حساب آخرت ہو۔ دوسرا دوسروں کا کیا انہیں پر پڑتا جو کہ تا وہی بھرتا لا تضر روادرة وذر اخری کلام اللہ میں موجود ہے دعانے مذکور میں یہ اہتمام کہ۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِیًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَزَائِرِیْ (پا مریم ۱۸)	رے میرے رب بڑھتی ہو گئی ہیں میری ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا اور تجھ سے مانگ کرے
رب میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں ڈرتا ہوں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے)	

کاتب کے لیے کیا گیا۔ ہاں اگر وراثت علمی مراد ہو تو دونوں آیتوں کا سیاق سابق بھی درست ہو جائے اور کوئی خرابی بھی پیش نہ آئے۔

حاصل اس صورت میں یہ ہو گا کہ جو منصب انصاف و ارشاد پہلے حضرت دائود علیہ السلام کو حاصل تھا ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا اور جو منصب ہدایت ذکر یا علیہ السلام رکھتے تھے بعد اس منصب کے لیے کسی ولی عہد پسندیدہ کے خواستگار میں۔ چنانچہ لفظ ولی کو یثربی کے ساتھ ذکر کرتا عاقلوں کے نزدیک اس جانب شیر ہے کہ ولی عہد چاہتے ہیں۔ مثل اہل دنیا فقط قرینہ ہی کے آرزو مند نہیں۔۔۔ کیسا ہی ہو بلکہ بیٹا ہو یا کوئی اور جو ہو ولی عہد ہو یہ ایسا نہ ہو کہ امت کے لوگوں کو خراب کر دے۔ ایسے ولی عہد تو ان کے اقربا میں بھی بہت تھے چنانچہ جملہ اہل بیت کے سوالی سے ظاہر ہے بلکہ ولی عہد بھی ہو تو پسندیدہ خدا ہو اس لیے جملہ واحیئلہ رب رخصتاً بڑھایا۔ اور جب یہ بات بٹھری تو اب حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ ولی عہد اور خلیفہ کی وراثت کون سی قسم ہوتی ہے۔ وراثت مالی ہوتی ہے۔ یا مثل غنما انبیاء، علماء و فقہاء فقط وراثت ارشاد و عقیدت۔ و انصاف و حفظ جان و مال رعایا۔ مگر طو شیعوں کے نزدیک شاید ولی عہد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے نواب و امراء مکتوت و ایران۔ یعنی جس کسی کا مال ہا کتہ آ یا ہے وریغ لیا خواہشات نفسانی میں صرف کیا۔

بہر حال لفظ ولی اور لفظ مولیٰ خود شاید ہیں کہ وراثت مالی نہیں وراثت علمی اور وراثت ارشاد ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد ذکر شہادت تولاہ یوں فرمایا۔ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوة و اتینک الحکم صبیاً رائے کچی اٹھلے کتاب زور سے اور دیا ہم نے ان کو حکم کرنا لڑکاپن میں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت ذکر یا علیہ السلام اپنے قرب زمانہ وفات کی طرف رجوع کرتے تھے وھن العظم مین و اشتغل الرأس مشیبا میں اشارہ کر چکے تھے۔ اور غرض یہ تھی کہ ولی عہد مذکور کی جلدی ہی ضرورت ہے تاکہ اس منصب کو سنبھالے سو خداوند کریم نے ان کی خاطر لڑکپن ہی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کمال علمی اور علمی عنایت فرما کر اقیانان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت ذکر یا علیہ السلام کی مراد یثربی سے کیا تھی۔ الغرض خداوند کریم تو حضرت ذکر یا علیہ السلام کا یہ مطلب سمجھے جو اس خاکسار نے عرض کیا۔

حضرات شیعہ اگر کچھ اور سمجھیں تو سمجھا کریں مگر ماں حضرات شیعہ کا بھی قصور نہیں خدا کو جب

بدلہ واقع ہو تو اگر کسی بندہ کی مراد بھی نہ سمجھے تو کیا بے جا ہے۔ علاوہ بریں وراثت ایک معنی اضافی ہے جس کے لیے دو کا شیوہ یعنی مضاف اور مضاف الیہ کی ضرورت ہے سو ایک طرف تو یہی وارث ہے دوسری طرف کبھی مورث کو کہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا وارث ہے اور کبھی مال مورث کو مثلاً کہتے ہیں۔ اور یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ مال مثلاً اس کو اس سے میراث میں ملا۔

(قرآن مجید میں وراثت کا استعمال) | بہر حال معنی میراث اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص قائم مقام میں بکثرت آیا ہے | فلاں مال میں فلاں شخص کا قائم مقام ہوا اور اس پر مسلط ہوا۔

چنانچہ خداوند کریم جا بجا مادہ میراث کو اپنے کلام پاک میں انہیں معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا (پ) | ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر (اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (پ) | پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ (پ) | پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے (پ) (اعراف ۲۱)

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا (پ) (زمر ۷۰) | اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے

وغیرہ آیات کو دیکھ لیجئے۔ حسب مراد شیعہ میراث مالی تو بطور معلوم تو ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ ظاہر ہے خاص کر در اوّل کے جملوں میں خداوند پاک کو نہ کسی سے قرابت نہی حاصل ہے نہ میراث مالی بطور معلوم بن پڑے ہاں معنی قائم مقام اور مسلط ہونے کے لیجئے تو البتہ تمام آیات میں برابر مل پڑے۔

(کتاب شیعہ میں مادہ وراثت کا) | بلکہ شیعوں کو یاد نہیں ان کی احادیث میں بھی یہی مادہ وراثت میراث علمی میں استعمال | میراث علمی میں مستعمل ہے کلینی کی ایک حدیث میں جس کو پورا

پورا انشاء اللہ آگے نقل کروں گا یہ لفظ بھی ہیں۔

إِنَّ الدِّينَ بِلَا لَهْ يُؤَدِّ لُودُهُمَا وَلَدَيْنَا وَإِنَّمَا أُوْرِثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ (پ) | بے شک انبیاء کرام کسی کو درہم کا وارث نہیں بناتے اور نہ دنیا کا وہ تو صرف احادیث (دعوت) کا وارث

(اصول کافی ج ۲ طبع تہران) | (اگر جانتے ہیں)

کو دیکھتے میراث مالی پر دلالت کرتا ہے یا میراث علمی پر بھی اس لفظ سے دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کی نسبت میراث مالی کی سراسر نفی کر دی جس کے بعد انصاف سے دیکھتے تو شیعوں کو مجال و منزل و ان میں باقی ہے۔ اور نہ سنیوں کو اور کسی جواب کی ضرورت۔

مگر اس پر بھی شیعہ نہ مانیں تو پھر ان کو موافق مثل مشہور گوہ کی دار و موت خروج ہی کے حوالہ۔

دراثت علمی اور وراثت مالی میں کوئی تلامذہ | بالجملہ میراث ایک معنی اضافی ہے اور حاصل اس کا نہیں کہ ایک دوسرے پر ضرور دلالت کریں | قائم مقام اور مستقل ہو جاتا ہے۔ سوا اول تو قائم مقام

ہونا الخ ایسا مضمون ہے کہ اموال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں جو لفظ وراثت اور میراث کو دیکھ کر

دھوکہ کھائیے۔ دوسرا اضافت اور نسبت اور ہے اور اطراف اضافت و نسبت اور۔ جو ایک

کے لیے لفظ موضوع ہو وہ دوسرے پر دلالت نہ کرے گا اور بطور التزام اگر دلالت کرے گا۔ بقدر

لزوم و التزام دلالت کرے گا جیسا مضمون غفل مضمون آب پر | بالالتزام دلالت کرتا ہے مگر

ظاہر ہے کہ دلالت التزامی وہیں متصور ہے۔ جہاں لزوم ہو جیسے غفل کے لیے آب لازم ہے اور جہاں

نہ ہو جیسے قائم مقام ہونے کے لیے مال لازم نہیں وہاں دلالت مطابقی تو کیا دلالت التزامی بھی متصور نہیں

بالجملہ اضافت مطلقہ، مطلق مضاف یا مضاف الیہ قابل انتساب و اضافت کی خواستگار ہے۔

خصوصیت مال کہاں سے نکال لی۔ ہاں یوں کیسے کہ بوجہ کثرت وقوع میراث مالی لفظ میراث کا

استعمال میراث مالی میں بکثرت ہوتا ہے اس لیے عوام اسی کو میراث سمجھنے لگے۔ مگر علماء شیعہ کو

دیکھئے کہ یہ بھی عوام ہی کے مقلد ہو گئے۔ اس تقریر کو سن کر اہل فہم کو یہ یقین ہو گیا ہو گا کہ میراث وراثت

مالی اور وراثت علمی وغیرہ سے عام ہے اس لیے مدعیان میراث مالی کا کام نہیں چل سکتا نہ آیت

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ اِنْ كُوفِيْهِ هٰذِهِ اٰیٰتُ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يٰرَبِّ زِدْنِيْ وِرْثًا

مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اِلٰہِ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءَ اٰلِ اٰدَمَ اِنَّ اٰدَمَ كَانَ اَعْدَاۤءَ اٰلِ اٰدَمَ اِنَّ اٰدَمَ كَانَ اَعْدَاۤءَ اٰلِ اٰدَمَ

میراث ہونا موجود ہے۔ ان (شیعہ) کے کارآمد ہے۔ اس لیے کہ اس وقت اگرچہ حدیث لا نورث

کے بحول جانے کا احتمال بہت مستبعد ہے۔ حضرت فاطمہ اور خلیفہ اول کا جبر کا اطلالت ازہم

ہو چکا تھا مگر بظریعہ سیاق و سباق بعد ثبوت عموم مذکور میراث تولیت بھی جس کا ثبوت بہ نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔

جب اس بحث سے بعد اللہ فراموش پائی تو خلاصہ تقریر گزشتہ کی طرف اشارہ کر کے آگے چلتا ہوں۔
 حاصل بحث۔ آیت یُوصِيكُمُ اللّٰهُ مِمَّا رَزَقَكُمْ | مخدوم من ایہ بات نوروشن ہوگئی
 اور حدیث لَا نُورِثُ مِمَّا رَزَقَكُمْ اور اسکی غلطی مثال کہ حدیث لَا نُورِثُ نہ آیت
 یُوصِيكُمُ اللّٰهُ کی ناسخ نہ آیت وَرِثَ سُلَيْمَانُ اور آیت یَسْرِثْنِي کے معارض۔ ناسخ
 نہ ہونے کی توجہ یہ ہے کہ آیت یُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ بقریۃ آیت سابقہ
 اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْاِیْمٰنِیِّ ظُلْمًا (جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یمینوں کا ناحق وہ لوگ اپنے
 اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّیَصْلَوْنَ (پیشوں میں آگ ہی بھر رہے اور مختصر یہ داخل ہوں گے
 سَعِیْرًا (پہلے سورہ نساء ص ۱۱) آگ میں)

اور نیز باجماع جملہ فرقہ اہل اسلام میں تقسیم پر دلالت کرتی ہے جو بعد القتل و علاقہ فیما بین
روح و جسم ہونی چاہیے اور حدیث لَا تُورَثُ عَدَمُ الْقَطْلِ علاقہ پر دلالت کرتی ہے۔ اس
صورت میں یہ قصہ ایسا ہو گیا۔ جیسا کوئی طبیب عاقل کسی مریض سکتہ کو یوں کہے کہ یہ شخص مرا
نہیں اس کو مردہ سمجھ کر اس کے مال کو میراث میں تقسیم مت کرو۔ سو جیسا قول طبیب مذکور ناسخ آیت
يُوصِيكُمُ اللَّهُ اور رافع حکم مذکور نہیں ایسے ہی قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ناسخ حکم مذکور نہیں۔
بلکہ مثل قول طبیب مذکور عدم تحقق شرط میراث مالی یعنی عدم القتل و علاقہ حیات کی خبر دیتا ہے۔ اور
آیت وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور آیت يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کے معارض
نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تو بوجہ مذکورہ میراث علم و ارشاد و خلافت مراد ہے۔
اور حدیث لَا تُورَثُ میں بقرینہ جملہ مائتہ کنا صدقہ میراث مالی مراد ہے اگر دونوں با
ایک ہی قسم کی میراث مراد ہوتی تو بے شک تعارض ہوتا۔

جب خلاصہ تقریر جواب معلوم ہو گیا۔ تو آگے سینے اہل سنت و جماعت کو مقابلہ طعن فذکر
ہو حضرات شیعوں کرتے ہیں تصحیح حدیث لا نُؤْثِرُ کے لیے ایک احتمال ممکن بہ نسبت بقائے
حیات کافی ہے بلکہ حدیث لا نُؤْثِرُ ہوتی یا نہ ہوتی۔ حضرت ابوہریرہ صدیقؓ کی طرف سے مذکور
نہ ہونے کے لیے احتمال بقائے حیات بطور معرض مدافعت طعن شیعوں کے لیے بہت تھا اثبات
حیات کی ضرورت نہ تھی۔

کیونکہ وجہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتی ہے مدعا علیہ کو بعد امکان احتمال مخالفت دعویٰ مدعی
فقط لائنیں کافی ہوتا سود دعویٰ میراث میں شیعہ مدعی ہیں اور کئی مدعی علیہ۔ دلیل لائنیں لائنیں
لائیں۔ بیسیوں سے بقائے حیات کی دلیل طلب نہ فرمائیں مگر بایں ہمہ خاطر حضرات شیعہ عزیز ہر
ان کی تسکین کے لیے کسی قدر اثبات حیات سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ افضل
الصلوات والتسلیمات بھی یہی اس لیے معروض ہے۔

(مسئلہ حیات سرور کائنات) کہ صورت اجتماع موت و حیات کی سمجھانے کے بعد ہم اس
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) بات کے بھی مدعی ہیں کہ علاقہ قیامین روح نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم و جسم مبارک عرض موت سے منقطع نہیں ہوا۔ دلیل بیکار ہے تو ایک راہ لیجئے دوسری ملتی۔
(دلیل الہی) | اول کی تقریر تو یہ ہے کہ سورۃ نسا میں لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ فَمَا
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأُولَاؤُكُمْ هُوَ حَرِّمٌ عَلَى الْأُولَىٰ وَأُولَاؤُكُمْ هُوَ حَرِّمٌ عَلَى الْأُولَىٰ
وَلَوْلَا دَلِيلٌ لَّكُمْ مَا وَرَدَ ذَلِكَ لَكُمْ سے گرفتار نہ ہوا ہوس کی تسکین فرمائی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ
سوائے محرمات مندرجہ آیات سابقہ اور سب تمہارے لیے حلال ہیں اس کے بعد سورت احزاب
میں یہ ارشاد ہوا۔

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُزْنُوا رَسُولَ اللَّهِ
وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ
ابْدَار (پاک سورت احزاب ۷) (پہچھے کجی)

اور ظاہر ہے کہ یہ حکم حرمت بھی مثل حکم حلت و مثلاً الیہ تمام امت کی نسبت ہے۔ کسی ایک
دو کی تخصیص نہیں۔ اور ظاہر ہے اور فریقین کے نزدیک مسلم کہ نسخ و تخصیص کا اسی وقت قائل
ہونا چاہیے کہ تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو سیاں اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے قاضی شہار اللہ پانی پتی اسی آیت میں إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ
انواع مطہرات تکلیف کرتے کو بہت بڑا گناہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور
اسی وجہ سے آپ کی ولادت نہیں اور نہ ہی آپ کی ازواج سے نکل درست ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۱۲۸) محمد اشرف۔

کی حیات جسمانی اور علاقہ مذکور عرض موت سے زائل نہیں ہوا اور اس وجہ سے ازواج مطہرات صلی اللہ علیہن کا نکاح منقطع نہیں ہوا تو ہرگز کوئی صورت تعارض کی نہ ہے گی جو نسخ یا تخصیص کے قابل ہونے کی ضرورت پڑے بلکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس صورت میں منجہ والمحصنات من النساء ہو جائیں گی۔

رسوا حیات کے موجبات تحریم میں سے کوئی وجہ | ہاں اگر کوئی وجہ تحریم موجبات تحریم میں سے ایسی نہیں کہ تمام امت کے حق میں غلام ہو) ایسی عام ہو سکتی کہ تمام امت کے حق میں وجہ حرمت ہو جاتی تو البتہ ممکن تھا کہ باوجود انقطاع علاقہ دنیا میں روح پر فتوح و جسم منور حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم اور باوجود زوال حیات جسمانی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام امت کے حق میں حرام ہو جائیں مگر موجبات حرمت مندرجہ آیات مشاۃ الیہ میں کوئی ایسی وجہ نہیں جو اس کے بھر دے کسی عورت کو تمام جہاں کے حق میں حرام کہہ سکیں کیونکہ نہ کوئی عورت سائے جہاں کے بالوں کی منگوہ ہو سکے نہ سائے جہاں کی والدہ نہ سائے جہاں کی دختر علیٰ ہذا القیاس۔ البتہ کسی کی منگوہ یا بقائے نکاح سائے جہاں کے حق میں حرام ہوتی ہے۔ یا مستولی عثمان زوجہا یا بقائے عدت۔ اور ظاہر ہے کہ محسنات کی یہی دو قسمیں ہیں مگر بحکم۔

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ (اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں۔)
أَزْوَاجًا يَتَرَكْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (پہلے چار مہینے اور دس دن) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن)

سائے جہاں کے اموات کی ازواج کی عدت کل دس دن چار مہینے ہیں اور حاملہ ہو تو بحکم وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، عدت مذکورہ تا وضع حمل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حمل کی مدت نو مہینے ہیں زیادہ ہو تو دو برس اور اس سے زیادہ ہو سکے تو چار پانچ برس کہ تو قیامت کا حساب کتاب تو ہوتا ہی نہیں۔

بایں ہمہ ازواج مطہرات میں دم وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق مؤرخین فریقین کوئی ام المؤمنین حاملہ تھی بھی نہیں۔ اس صورت میں پھر وہی گزارش ہے کہ نسخ و تخصیص تو بھی جائز ہے کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں لہجہ امکان اجمال موت و حیات الطباق ممکن۔ یعنی جب یوں

کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی بہ طور عالم دنیا (روضہ مبارک) میں زندہ ہیں آپ کا
 علاقہ حیات روحانی جو جسم اطہر سے منقطع ہوا ہی نہیں جو عدت مذکورہ کی نوبت آئے۔ اور یہی وجہ
 معلوم ہوتی ہے کہ وَالَّذِينَ يَتُوقُونَ کے بعد وَنُكُتُ بھی پڑھایا۔ عَلٰیٰ هٰذَا الْقِيَاسِ اِنَّكَ مَيِّتٌ
 جِدَا فَرَمَا اور اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ جِدَا فرمایا اور دونوں کو مثل جلد لاحقہ ثَمَّ اِنَّكُمْ لَيَوْمِ الْقِيَمَةِ
 عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ (پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھکناور گے) ایک
 خطاب میں اکٹھا نہ کر دیا تاکہ وقائع شناساں معالیٰ سب کو اس جانب تنبیہ ہے کہ موت نبوی صلی
 اللہ علیہ وسلم اور قسم کی ہے اور موت امت اور قسم کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت میں
 استتار حیات زیر پر وہ موت یا زیر پر وہ موجب موت ہوتا ہے اور امت کی موت کے وقت زوال
 حیات کل یا بعض ہو جاتا ہے۔ مثال درکار ہے تو وہی کسوف و خسوف (کی) ہے یا چراغ کا کسی ہڈیا
 میں بوسیدہ سرپوش بند ہو کر مکان میں اندھیرا ہو جانا یا گل ہو کر چاندنی کا زائل ہو جانا ہے سو جیسے کسوف
 میں استتار نور اور خسوف میں زوال نور ہوتا ہے اور نور چراغ پہلی صورت میں مستور اور دوسری صورت میں
 زائل ہو جاتا ہے اور اندھیرا ہو جانے کے لیے خسوف و کسوف اور چراغ کا بند ہو جانا اور گل ہو جانا و زوال
 برابر ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب استتار حیات ہو اور امت کی جانب زوال حیات
 اس لیے اخبار وقوع موت کے وقت اِنَّكَ مَيِّتٌ جِدَا کہا اور اِنَّهُمْ مَيِّتُونَ جِدَا کہا۔
 اور بیان احکام متفرعہ علی الموت کے ہر ایک وقت کا حکم جِدَا بتلایا یعنی نکاح ستونی غماز و جہا
 میں تو یوں تفریق فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح نہ کرنے پائے۔
 چنانچہ ارشاد لَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهُمْ اَبَدًا سے ظاہر ہے اور ازواج امت کے
 حق میں یہ ارشاد کر دیا۔ وَالَّذِينَ يَتُوقُونَ مِنْكُمْ الْخَوَ

آیت توفیٰ میں مِنْكُمْ کا خطاب امت کو ہے اور عدت | چونکہ ان لَا تَنْكِحُوْا کی
 موجب حرمت ہے اور ازواج مطہرات میں اققات ہونا موجب حرمت | مخاطب امت ہے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ یہاں بھی مِنْكُمْ کے مخاطب وہی ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 خارج ہوں گے ورنہ اَصَافُ مِنْكُمْ لغو و بیکار تھا اتنا کام تو فقط وَالَّذِينَ يَتُوقُونَ سے بھی
 چل سکتا تھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آیت وَاُولَاتُ الْمَحَالِ اَجْلِهِنَّ میں مِنْ اَزْوَاجِكُنَّ

نہ فرمایا کیونکہ اس حکم میں مطلقات اور متوفی عنہن ازواجہن دونوں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ طلاق
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی متصور ہے۔ بایں ہر مطلقات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بخود رہا
 جو امت پر حرام رہیں تو بوجہ بقا عدت حرام نہیں بلکہ وجہ اس کی حبلہ و اذن واحد اُمّہاتہم
 سے ماخوذ ہے۔ یعنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا احکامات المؤمنین ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے ابو المؤمنین ہونے کو مقتضی ہے اور اس وجہ سے بخلہ ما نکح آبائکم کہ میں اور حکم لا
 تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ سب پر حرام ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت بالنسبت
 مؤمنین خود اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ بدستور زندہ ہیں۔ چنانچہ اشارہ اللہ یہ بات غنیمت و یوشن
 ہونے والی ہے۔ مگر اس صورت میں یہ قصہ ایسا ہو گا کہ کوئی متوفی عنہما زوجہ بعد انحصار عدت
 بوجہ نسبت یا رضاع وغیرہ اسباب کے کسی پر حرام ہے سو جیسے وہ حرمت بوجہ عدت نہیں اور
 اس وجہ سے بخلہ و المحصنات نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں یہ بھی سمجھئے۔ غرض عدت
 مطلقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاملہ ہوتی وہی وضع حمل تھی آپ کی ازواج کی کوئی جدا عدت نہ
 تھی۔ اس لیے وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ کے بعد مِنْ أَوْلَاجِكُنَّ نہ فرمایا۔ اور عدت وفات چونکہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں متصور ہی نہ تھی کہ وَالَّذِينَ يَتَوَقَّؤْنَ كَيْدَكُمْ يَبْغُوا
 (عدت کی اصل وجہ ناکو کُوم) رہی متصور نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وفات و موت اگرچہ نبی صلی
 حُرَّتْ لَكُمْ کی آیت سے ماخوذ ہے) اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کو عارض ہوتی ہے مگر عدت
 کی علت فقط موت اور وفات ہی نہیں بلکہ علت عدت وہ امر ہے جو ناکو کُوم حُرَّتْ لَكُمْ
 سے ماخوذ ہے جس کے باعث منکوحات غیر کا نکاح ناجائز۔

(ایک وقت میں ایک عورت کھیلنے | راہ مردوں کی طرح عورتوں کو ایک وقت میں متعدد
 متعدد خاوندوں کے نہ ہونے کی وجہ | نکاحوں کی اجازت نہ ملی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ
 بارشاد نساء کُوم حُرَّتْ لَكُمْ اس جانب اشارہ فرمایا کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے فقط ثبوت
 زانی اور لذت جمیع مقصود نہیں بلکہ ثبوت اس پیداوار کے حق میں ایسی ہے جیسے کھیتی کا سامان غلہ
 کے لیے یا کھانے کی خواہش بدل بدل محل کے لیے موافق شعور
 خورون پرانے زلیتن و ذکر کردن است تو معتقد کہ زلیتن از بہر خوردن است

جیسے اصل بدل یا تحمل ہے اور مجھوک اور کھلنے کا سزا اس کے حصول کا سامان، یا کھیتی میں
 اصل مقصود پیداوار ہوتی ہے اور کھیتی کا سامان اس کے حصول کی تدبیر۔ ایسے ہی اصل مقصود عورتوں
 سے اولاد ہے اور ثنوت اور لذت جمیع اس کے حصول کی تدبیر اور اگر لذت جماع اور ثنوت رانی
 ہی مقصود ہوتی تو زنا بھی غیر اخلاقی طریق ہرگز ممنوع نہ ہوتا۔ بالکل نکاح سے مقصود اصلی اولاد ہے
 کیونکہ عورتیں اگر کھیت ہیں تو اسی پیداوار کی کھیت۔ اس صورت میں اگر عورتوں کو زمانہ وامہ میں متعدد نکاحوں
 کی اجازت ہو تو اس کے سارے خاوند اولاد میں اسی طرح شریک ہوں گے جیسے ایک زمین کی پیداوار میں
 تمام زراعت کے تمام شریک مگر غلہ کی تقسیم میں تو کوئی وقت نہ تھی اس کی اجازت رہی۔ اولادوں تقسیم
 کی کوئی صورت نہیں اگر ایک ہی بچہ ہوا تب تو ظاہر کہ کاٹ سکیں نہ چھانٹ سکیں نہ وقت واحد میں ایک
 بچہ دونوں کے پاس رہ سکے۔ اور اگر نوبت بہ نوبت ہر ایک کے پاس رہا کرے تو یہ بھی بن نہیں پڑتا
 اس لیے کہ غلام و زوج وغیرہ اشیاء جن میں نوبت جاری ہوتی ہے بذات خود مقصود نہیں ہوتے غلام
 سے خدمت اور خاوند سے قربت۔ حاجت یا اولاد مقصود ہوتی ہے اس لیے ان سے ولی محبت یا
 ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام کی بیع و شراء اور خاوند سے خلع جائز رہا۔ اگر بذات خود مقصود ہوتے تو جدائی
 کسی کو گوارا نہ ہوتی اور خدا کی طرف سے جدائی کی اجازت نہ ملتی۔ اور اولاد خود بذات خود مقصود ہوتی
 ہے ان کی محبت بے واسطہ ہے اس لیے حقوق والدین اور اپنے نسب کا انکار ممنوع بلکہ کبیر و گناہ
 بھڑا اور پڑ والدین منجہ نجات اور باقیات صالحات۔ اور جب اولاد مقصود بالذات بھڑی چنانچہ
 جملہ نیکانے حرث لکے خود ہی خود اس جانب شیر ہے تو اب تقسیم بطور نوبت میں حصول
 مقصود بوجہ اتم معلوم۔ ایک اگر کامیاب ہو گا تو دوسرا مبتلا۔ و فراق ہے گا اور اگر اولاد کثیر ہوئی اور
 اولاد زوج پر صحیح تقسیم بھی ہو سکی تب بھی یہ نہیں کہ مثل غلہ آدھا مثلاً بے جٹے آدھا وہ۔ کیونکہ غلہ سے
 قضاء حاجت مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں اور اس امر میں یہ ڈھیر ہوا وہ سب برابر ہیں اور اولاد
 سب کی سب بذات خود مقصود سب کے برابر محبت ہے در صورت تقسیم اگر ایک کے وصال سے مہر ہو گا
 تو دوسرے کا فراق سائے گا۔ اس لیے در صورت جواز تعدد نکاح تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہ ملتی۔
 (متعدد خاوندوں کی صورت میں غرابیاں) | اور یہ بات کہ جب تک حمل رہ کر بچہ پیدا ہو۔
 کسی نہ نہ تعریف ہے و وجہ سے ممکن نہ تھا۔

ایک تو یہ کہ استحقاق دونوں کا برابر، باوجود ملک بضعہ ایک کو اجازت ہو دوسرے کو نہ ہو غلام
انصاف ہے۔ ہاں امتناع بقدر معتبر یعنی جماع وقت واحد میں دونوں سے متصور نہیں۔ سو
اگر تنائی اور تناوب ہو یعنی نوبت بہ نوبت متتابع ہونے کی اجازت ہوتی تو بصورت عدم امکان
اجتماع فی الجماع مثل نوبت زمان شب و شب کی نوبت مقرر ہوتی۔
اتنا زمان طویل جو ایک کے حق میں عیش طویل دوسرے کے حق میں حسرت دراز ہو ہرگز قابل تقرر
نوبت نہ تھا۔

دوسرے عمل کے بہنے کے لیے کوئی زمانہ ایسا مقرر نہیں کہ خواہی خواہی اس موسم میں یا اس
قد مدت میں علق لفظ ہو ہی جایا کرے پھر وضع حمل کے لیے کوئی مدت ایسی معین نہیں جو اس سے
کم و بیش متصور نہ ہو اس لیے نوبت کی تساوی اور عدل فی النوبت کی کوئی صورت نہ نکلی جو مثل غلام
و زوج کہ نوبت بہ نوبت سب آقاؤں اور تمام بی بیوں کے پاس رہ سکتا ہے۔ ایک عورت سب
خاوندوں کے پاس برابر رہ سکتی اور کوئی فساد اس وجہ سے پیش نہ آتا اگر محلی تو یہی ایک صورت تھی
کہ نوبت بہ نوبت ہر واحد میں متعدد خاوند زن و احد سے متتابع ہوا کرتے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت
میں در صورت تولد اولاد یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور اگر کسی قرینہ
سے معلوم بھی ہو جائے تو اتنی بات معلوم ہوگی کہ اول کس کا نطفہ رحم زن میں بٹھا۔ یہ بات کیونکر
معلوم ہو کہ دوسروں کا نطفہ بعد میں بھی شامل نہیں ہوا۔ بایں ہمہ دوسروں کا متہ اتنی بات سے بند
نہیں کر سکے۔ ہر خاوند کو اس وقت میں دعویٰ کی گنجائش ہوگی اور ایک نزع عظیم پر پا ہوگا۔ بالخصوص
عدم جواز تعدد نکل عورت کے وقت واحد میں یہ ہے۔

اعدت وفات چار ماہ اور | مگر یہ بات بعد وفات زوج جب تک باقی ہے کہ بالیقین
وس وین مقرر کرنے کی حکمت | حامل ہو تو وضع نہ ہو جائے اور شبہ حمل ہو تو وہ شبہ مٹ جائے
مگر شبہ حمل کے مٹ جانے کی عمدہ صورت اگر ہے تو یہ ہے کہ کچھ اور تین عیوں تک انکا کیا جائے
وجہ اس کی یہ ہے کہ بشاوت احادیث صحیحہ ایک چلہ تک نطفہ اپنی ہنیت اصلی پر رہتا ہے
یعنی نطفہ رہتا ہے گو کسی قدر کیفیت اصلی بدل جاتی ہو اور ایک چلہ تک علقہ (خون بستہ) رہتا
ہے اور ایک چلہ تک مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) رہتا ہے بعد قینوں چلے پوسے ہو جانے کے نطفہ

روح کی نوبت آتی ہے۔ سو بجز دفع روح اتنی طاقت کہاں کہ حرکات عظام ہوں البتہ دس روز میں اتنی طاقت متصور ہے اور پھر جوں جوں دن زیادہ ہوتے جاتے گئے طاقت بڑھتی جائے گی۔ چنانچہ دفع روح سے جراتی تک روز بروز زور افزوں رہتا ہے۔ بالجلد شروع حرکات بعد دفع روح کسی قدر دیر کے بعد متصور ہے سو خداوند علیم کو معلوم ہو گا کہ دس دن میں یہ بات ہوتی ہے اب دیکھیے کہ چار مہینوں کے تو وہی یقین چلے ہوئے دس دن اور اوپر بڑھا کہ عدت مقرر کی تاکہ بوسیدہ مشابہ حرکات جو رحم میں بچ کر رہے کسی کو یہ احتمال باقی نہ ہے کہ حمل نہیں مرضی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ سوا اس کے اور کسی طرح یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ حمل نہیں۔ خون آنے کی علامت عدم حمل رکھئے تو خون ایام حمل میں بھی آجاتا ہے حیض کہو یا استحاضہ یا نفاس سو بعد مرور ایام عدت یعنی چار ماہ دس دن کے بعد اگر حمل نہ نکلا تو اختیار ہے ورنہ موافق اشارہ **وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** دربارہ نکاح وضع کا اور انتظار کرنا پڑے گا۔

عدت وفات اور حمل کے لیے اور بجز حمل وضع حمل تک سے اس صورت میں آیت **لَمَّا سُوْرَةُ بَقَرَةِ** اور سورۃ طلاق کے حکم میں تعارض نہیں) **وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ** اور آیت **وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ** میں کچھ تعارض نہ ہے گا کیونکہ **يَتَرَبَّصْنَ** کا مفعول اس صورت میں ظہور حمل مثلاً ہو گا اور اوپر کوئی ایسا مضمون نہیں جس سے اجازت نکاح بجز مرور ایام عدت معلوم ہو باقی جملہ لاحقہ۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ پھر جب پورا کر لیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں **فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق (پہ بقرہ ص ۳۰)

سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ اس لیے کہ لفظ **بِالْمَعْرُوفِ** میں معروف معجرب ہے پھر باوجود آیت **وَأُولَاتُ الْأَحْصَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** غماز وہاں کے حق میں بجز مرور دس دن چار ماہ کے نکاح کو کون معروف کہہ دے گا۔ علاوہ بریں مطلقات کی عدت میں اول تو یہ ارشاد فرمایا۔

وَالْمُطَلَّقاتِ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ
 قُرُوءٍ بَعْدَ مَا ارْتَدَا. وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ
 يَكُنَّ مَخْلُوقَ اللَّهِ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ
 كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (پہلے قرآن) (الشہ پر اور پچھلے دن پر۔)

جب یہاں یہ ارشاد ہے حالانکہ وجہ انتظار ثلثہ قُرُوءِ یہاں امیر رضا زوج ہے۔
 اندیشہ اختلاط نطفہ نہیں تو جہاں وجہ انتظار عدت، خود اندیشہ اختلاط نطفہ ہے وہاں حاملہ سے رجعت
 کیونکہ منجملہ معرفات ہو سکتی ہے۔

(مطلقہ میں تین حیض تک انتظار کی | تفصیل اس اجمال کی سننی ہے تو نیچے درباب وجدان صحیح
 وجہ خاوند کی رضا اور اس کا رجوع ہے) اور اصحاب طابع سلیم کو معلوم ہو گا کہ اصل نکاح تراضی طرفین

اور اصل طلاق تحالف طرفین ہوتا ہے۔ مگر تراضی تو مقتضیات طبعی میں سے ہے کیونکہ زن و مرد علاوہ
 اتحاد نوعی کے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ احتیاج مباشرت و جماع تو ظاہر کیا اظہر ہے۔ اس کے
 سوا عورت نان و نفقہ میں مرد کی محتاج۔ کھانا اصل میں مردوں ہی کا کام ہے اور مرد کھانے پکانے
 انتظام امور خانہ داری وغیرہ میں عورت کا محتاج ہے اس صورت میں شکر ربی با بھی اکثر امور عارضی
 ہوا کرتی ہے جس کے زوال کی توقع اور امید بے جا نہیں۔ بجا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت اس
 تراضی کو جو اصل موجب نکاح بنتی زائل نہیں کر سکتے بلکہ اگر ہوتا ہے تو گمان غالب اس کے استتار
 کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہوتا ہے کہ تنفر کی کوئی وجہ قوی ہو جس کے زوال کی کوئی صورت
 نہ ہو اس لیے کسی قدر انتظار ضرور ہوا۔ سو انتظار کے لیے عمدہ زمانہ وہ ہے جس میں مکرر موجبات
 رغبت کا ظہور ہو یعنی تین حیض یا تین طہر مقرر ہوئے۔ تاکہ تین طہر کی نوبت آئے اور عورت پاک صاف
 ہو کر نہاد صو کر پوشاک و زیور سے آراستہ ہو کر مکرر رہ کر خاوند کو لبھائے اس حال میں اگر اس کی
 ناخوشی اوپر اوپر کی ہوتی تب تو ظاہر ہے کہ خاوند اس دلربائی پر پھر دل سے پیٹھے گا اور اگر اب بھی وہی
 کشیدگی رہی تو معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد مرد عدت رجعت
 کا اختیار نہیں اگر ہو تو نکاح جدید ہو اور طلاق مغلطہ میں باوجود قطع امیر رجعت، جو عدت
 وہی تین قُرُوءِ رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام اصلیہ پوائع خارجیہ سے زائل نہیں ہو جاتے۔

اگر یہ نہ ہوتا تو دائم الجس بھی مثل مردہ سمجھا جاتا۔ اس کا نکاح ٹوٹ جاتا اس کا مال میراث میں بیٹ
 جاتا اور جب احکام احلیہ عوارض خارجیہ سے زائل نہیں ہوتے تو یہاں بھی کسی طلاق کا مترتبہ اولیٰ یا
 ثانیہ، ثالثہ میں واقع ہو جاتا ایک حالت عرضی ہے۔ قیصر ہونا طلاق کی ذاتیات یا اوصاف
 ذاتیہ میں سے نہیں۔ بہر حال مطلقات میں علت تقرر عدت، انتظار رضا زوج ہے جب
 وہاں یہ حکم ہے کہ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ تَوْسُوْنِي عَنْهُ
 زوجہ کے لیے تو وجہ تقرر عدت معلومہ خود ہی اندیشہ اختلاط لطائف غیر ہے یہاں کیونکر وہ حکم نہ ہو گا۔
 مگر طلاق میں چونکہ وجہ عدت کچھ اور تھی تو وہاں لَا يَحِلُّ لَهُنَّ کی تصریح ضرورت تھی اور یہاں علت تقرر عدت
 خود ہی اندیشہ تھا جس کی مدافعت کے لیے لَا يَحِلُّ لَهُنَّ فرمایا اس لیے مصرع کئے کی حاجت نہ ہوئی۔ الیٰ اصل آیت
 مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِ مَا نَبَأْتُ الْكَافِرُ
 مَا وَدَّ ذَٰلِكُمْ كُفْرًا تَعْلَمُونَ تَوْبَةً لِّمَا ظَنَرْنَا أَنَّ سَبَّ مَسَاجِدَ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ
 زوجہا اور عورتیں ساسے جہاں پر حرام نہیں ہو سکتیں۔

(حاصل کلام) | اہل علم کو اس میں شبہ نہیں رہ سکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور ازل
 زندہ ہیں اور آپ کا علاقہ حیات جو فیما بین روح پر فتوح اور جسم اطہر تھا ہموز اسی طرح قائم ہے۔
 جس طرح تھا۔ اور اگر کسی نے بوجہ ام المؤمنین ہونے کے بلحاظ آیت وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ
 آبَاؤُكُمْ ان کو حرام کہا بھی تو ان کا ام المؤمنین ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اب المؤمنین
 ہونے کو مستلزم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اب المؤمنین ہونا ان کے زندہ ہونے کو مستلزم ہے
 چنانچہ دلیل ہی کے وجہ نسبت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے یہ امر آشکارا ہو جائے گا۔
 انشاء اللہ تعالیٰ وہ دلیل یہ ہے۔

(دلیل لمی سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت) | خداوند کریم نے سورۃ احزاب میں فرمایا ہے۔
 الْكِبَرُ اَعْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ
 الْفُسْهِيْهِمْ وَاَزْوَاجُهُمْ اَقْرَبُ
 (پہلا احزاب ع ۱)

دلیل لمی :۔ عدت واقعیہ کو فظوں میں علت بنانا۔ دلیل ثانی :۔ قرآن میں معلول کو فظوں میں علت بنانا۔ محمد شرن

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین کیلئے) | اولیٰ کی تفسیر اقرب ہے اور اصل مطلب یہ ہے
ان کی جانوں سے اقرب اور محبوب ہونا | کہ نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ مومنوں سے

نزدیک ہے مگر سب جانتے ہیں کہ نبوت و ولایت و اولویت بمعنی اقربیت ہو یا بمعنی اجیت
و اولویت بالتصرف اصل میں اوصاف روحانی ہیں۔ اوصاف جسمانی نہیں۔ نبوت و ولایت و اولویت
بالتصرف اور اولویت بمعنی اقربیت کا حال تو خود ظاہر ہے ہاں اجیت میں شاید کسی کو شبہ ہو۔ سو اس کے
مسئلے کی یہ تدبیر ہے کہ محبوبیت جمالی تو البتہ احوال و اوصاف جسمانی میں سے ہے مگر محبوبیت
فی اللہ بالیقین ہر خاص و عام کے نزدیک اوصاف و احوال روحانی میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ
محبوبیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حب فی اللہ کے سبب کسی جمال و کمال جسمانی کے باعث نہیں۔

(روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم ارواح مومنین کی نسبت ذات اور فضا | ہاں یہ بات باقی رہی کریم
انتزاع ہے اور ارواح مومنین اور فضا ذاتیہ اور انتزاعیات ہیں) | اولویت کے کیا معنی ہیں

سو ہم سے نزدیک اولیٰ بمعنی اقرب ہے اور یہ اقربیت اس بات کو مقتضی ہے کہ روح پر فتوح صلی اللہ
علیہ وسلم انتزاع ہوا اور ارواح مومنین انتزاعیہ۔ روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت معنی مصدر ہر حال علت کو
یا مثلاً انتزاع معلول کو یا انتزاعی مطلب ایک ہے (جیسا کہ یہ ہے کہ اقربیت اور بعدیت کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس
طرف کو حرکت کی جائے تو جو اقرب ہو وہ پہلے آئے جو البعد ہو وہ بعد میں آئے سو ایسی اقربیت
کہ پہلے سے بھی زیادہ قریب ہو وہی منظور ہے جہاں اقرب یہ نسبت اقرب منہ کے علت اور فضا
انتزاع ہو کیونکہ امور متباینہ میں تو یہ قرب تصور ہی نہیں۔ ہے اوصاف عرضیہ بمعنی بالعرض مقابل
بالذات وہ بھی فی الحقیقت موصوف سے یہ قرب نہیں کہتے ورنہ اس قرب پر جذباتی دشواری تھی۔
حالانکہ اوصاف مذکورہ کا منطک ہو سکتا خود ان کے بالعرض ہونے سے ظاہر ہے ہاں اوصاف
ذاتیہ بمعنی مقتضات ذات معلول ذات ہوتے ہیں اور ذات ان کی نسبت علت اور مثلاً
انتزاع اور لوازم ذات مذکورہ انتزاعیات۔

خیر ان کے انتزاعیات اور ذات کے فضا انتزاع ہونے کو تو کوئی مانے یا نہ مانے پر اوصاف
ذاتیہ کا معلول اور ذات کا علت معنی مصدر وجود ہونا ایسا نہیں جو کوئی عاقل اس کا انکار کرے۔
سو یہ بات کافی ہے اس لیے کہ معلول کا وجود ایسی علت کے وجود پر خارج میں تو سب کے نزدیک

موقوف ہوتا ہے پر وجود ذہنی کا حال بھی یہی ہے اس لیے کہ عقل خبر ہے فکشی نہیں موجودات خارجہ کی خبر دینے کے لیے عقل کو بنایا ہے نہی باتوں کی ایجاد اس کا کام نہیں۔

(ذہن میں حاصل شدہ مضمون کی خبر میں | سو باتنے والے جانتے ہیں کہ اسی مرتبہ حاصل اخبار کا بھی محکم یعنی علت پائی جاتی ہے) | نام وجود ذہنی ہے اور کیفیت اخبار حصول اشیاء بالفسہا

یا باشباعہا پر موقوف ہے۔ سو اگر تنہا معلول یا اس کی شیع ذہن میں ہو۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ معلول اپنے وجود خارجی میں علت کا محتاج نہیں۔ در صورتیکہ وقت علم سے بذات خود ذہن میں آئی۔

اور جب تو یہ بات ظاہر کیا اظہر ہے۔

(نور شمس سے علم۔ مبداء علم اور عالم کی مثال) | اگرچہ کم فہموں اور ان لوگوں کو جنہوں نے مثل

متشابهات دینی مسئلہ حصول الاشیاء بالفسہا کو تسلیم کر رکھا ہے اس بات میں تین پانچ کرنے کی گنجائش

ہو۔ مگر اہل اذہان صافیہ پر یہ بات روشن ہے کہ جیسے اشیاء منورہ بنور الشمس بذات خود نور میں حاصل

ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اشیاء معلومہ بذات خود نور علم میں آجاتی ہیں اور وہ نور علم ذوات علماء کے ساتھ

اسی ہی طرح قائم ہے جیسے نور شمس خود شمس کے ساتھ۔ جیسے مبداء تنور اشیاء منورہ بالنور، وہ نور شمس ہے

ایسے ہی مبداء علم یعنی مبداء انکشاف وہ نور علم قائم بالعالم ہے اگرچہ محکم لامشاحۃ فی الاصطلاح بصورہ حاصل

یا کیفیت انکشاف یا انکشاف فیما بین کو مبداء انکشاف کہنے کی گنجائش ہے۔

العقیدہ در صورت حصول اشیاء بالذات، تو تنہا معلول کا ذہن میں آنا محال ہے اگر آئے گا

تو علت کے ساتھ آئے گا اور در صورت حصول اشیاء باشباعہا کے یہ معنی ہوں گے کہ وقت حصول اشیاء

بالفسہا مطابق ظاہر اشیاء، باطن مبداء انکشاف میں ایک صورت کا پیدا ہونا اسی طرح ضرور ہے جیسے

وقت حصول اشیاء منورہ فی النور، باطن نور میں مطابق ظاہر صورت اشیاء ایک صورت کا حاصل ہونا یا

مطابق صورت اشیاء حاصل فی المار یعنی آب۔ باطن آب میں اس صورت کا پیدا ہونا یا لفظ صورت

اصلیہ اور صورت شیع میں وہ نسبت ہے جو قالب اور مقلوب کی صورت باطنہ اور ظاہرہ میں نسبت

ہوتی ہے۔

(مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ذہن میں | الحاصل ذہن میں بالذات اور بالشیع دونوں طرح

حاصل شدہ صورت ہی سے علم حاصل ہوتا ہے) | صورت ہی ہوتی ہے ذی صورت نہیں ہوتا۔

علم بالکنہ اگر ہوتا ہے تو صورت کا ہونا ہے ذی صورت کا علم بالوجہ ہوتا ہے۔ سو یہ وجہ کون ہے صورت ہے مگر سوا اس طریق کے حصول شیع کی اور کوئی صورت نہیں معنی انعکاس بھی حقیقت میں یہی ہے یعنی شیع عکس اصل ہوتا ہے چنانچہ ملاحظہ مثال قالب و معکوب کے ظاہر ہے۔

(بصورت تقابل عکس (پر تو) کی صورت کے وقت اصل شعی | اور اگر بالفرض انعکاس صورت اور
یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے) | حصول شیع کے لیے تقابل صورت اور

محاذاات ذی شیع کافی ہے تب بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں گیا وقت تقابل حصول علت کے بدلہ ہو گا
سوال میں اگر یہ قرب ہو گا کہ معلول کی نسبت علت خود معلول سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ ممکن نہیں
کہ شیع معلول اور عکس معلول تو ذہن میں حاصل ہو اور شیع علت اور عکس علت ذہن میں حاصل نہ ہو۔
ورنہ یہ قرب مبدل بہ بعد ہو جائے گا کیونکہ ایک کے شیع کا ذہن میں آنا اور دوسرے کے شیع کا ذہن
میں نہ آنا سوا اس کے متصور نہیں کہ ایک کو تقابل میسر آئے دوسرے کو میسر نہ آئے اور یہ بات اس
قسم کی اقرزیت میں ممکن نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ بالجلد اوصاف ذاتیہ اپنے موصوف سے اور انکی
شیع اور ان کا عکس موصوف کے عکس اور شیع سے جدائی نہیں ہو سکتے۔

(حصول معلول فی الذہن حصول علت پر موقوف ہے | جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اس بات کا
اور ان کے مابین کوئی واسطہ نہیں) | تسلیم کرنا آپ سر پر ہے کہ حصول فی الذہن حصول

علت پر موقوف ہے۔ حصول اشیاء بالنعما میں تو اس بات کے کہنے کی حاجت ہی نہیں اور
باشاہما کی صورت میں اس لیے کہ ذی شیع، شیع کے تابع ہے۔ اگر وہاں تقدم یا توقف ہے تو یہاں بھی
اس کا ہونا ضرور ہے ورنہ تقدم اور توقف اصل غلط ہو جائے گا۔ چنانچہ واضح ہو چکا اس صورت میں
اس کا اقرار ضروری ہے کہ تعقل محال تعقل علت پر موقوف ہے۔ اس سے اصنافی اور انتزاعی ہونا
معلول اور لازم ذات کا بھی واضح ہو گیا۔ اس صورت میں اگر خود معلول اور لازم ذات، ہی اپنے اور اک
کی طرف متوجہ ہو تو قبل تصور علت و ملزوم اپنا تصور ممکن نہیں۔ سو اس حرکت علمی میں معلول کو اول علت
پیش آئے گی اس کے بعد اپنی ذات اور ظاہر ہے کہ سوائے حرکت علمی اور کسی حرکت کی فیما بین معلول
و علت گنجائش نہیں اگر ممکن ہے تو یہی حرکت علمی اور انتقال فکری ممکن ہے اور اس صورت میں وہ
اقرزیت مذکورہ مشاۃ الیہا موجود ہے۔

روح محمدی کا ارواحِ مؤمنین کیلئے علت ہونا اس کا تخاصی | اس لیے خواہ مخواہ اس صورت
 ہے کہ آپ کی روحانیت اور حیاتِ اصلا اور امت کی عارضی ہے | میں اس بات کا اقرار لازم ہو گا۔
 کہ روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت ہو اور ارواحِ امت محمدیہ مثلاً معلول یعنی مذکور۔ اور ظاہر ہے
 کہ جو بات معلول میں بحیثیت معلولیت ہوتی ہے وہ علت ہی سے مستعار ہوتی ہے۔ چنانچہ معلول ہونا
 اور توقف وجود خود اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ توقف وجود تمام اوصاف وجودیہ کے توقف کا خواستگار
 ہے۔ اس صورت میں حیات اور روحانیت ارواحِ امت عرضی اور مستعار ہوگی مگر جیسے کمالات معلول
 مستعار اور عرضی ہوتے ہیں کمالاتِ علت۔ اصلی اور خانہ زاد ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو وہ علت بھی نہیں۔
 جہاں یہ اوصاف مشترک ہیں العلة والمعلول وجود ہوں یا غیر وجود۔ ذاتی اور خانہ زاد ہوں گی۔
 وہی علت ہوگی۔ اور اقربیت مذکورہ ایسی ہی علت کے لیے ہو سکتی ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ مگر
 کسی وصف کے ذاتی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وصف بالعرض نہ ہو چنانچہ سیاق سے ظاہر ہے
 یہ نہیں کہ مخلوق بھی نہ ہو۔

(تقریر مذکورہ بالا کا آیت النبیؐ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ اَلْاٰبَاقِ) | مگر جب اقربیت معنی مذکورہ
 مساوی علیت نکلی تو اور سنئے ملاحظہ جملہ معرضہ قرآنی۔ النبیؐ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ اَلْاٰبَاقِ
 اقربیت مذکورہ آپ کو حاصل تھی اس لیے علیت بھی ہونی چاہیے۔ مگر یہ بھی تو وصف حیات کا آپ
 میں ذاتی ہونا بھی ضرور ہے۔ لیکن اوصاف ذاتیہ کا انشاک خود ظاہر ہے کہ محال ہے ورنہ اوصاف
 ذاتیہ اور اوصاف عرضیہ میں کیا فرق رہ جائے اس صورت میں حیات روحانی حضرت خاتم المرسلین
 صلی اللہ علیہ وسلم جاوردانی ہوگی۔ جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اور سنئے کہ در صورتیکہ ارواحِ امت، روح
 پر فتوح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ٹھہریں اور اس سے پیدا ہوئیں چنانچہ علیت و معلولیت کے
 ظاہر ہے۔ تو ابوت روحانی اور بنوت روحانی کا تسلیم کرنا ضرور ٹھہرایہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد اس
 جملہ کے وَاَزْوَلَجْنَا اُمَّہٖمۡلَکُہٗ فَرَمَیَا کِیۡوۡنَکَہٗ اَیۡمَہٗمۡلَکُہٗ اَبُوۡتُہٗمۡلَکُہٗ اَبُوۡتُہٗمۡلَکُہٗ اَبُوۡتُہٗمۡلَکُہٗ
 کا اہمات المؤمنین ہونا لازم ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں جو فی ما بین تہمتین
 جملہ وَاَزْوَلَجْنَا اُمَّہٗمۡلَکُہٗ اور زائد ہے اور بھی اس بات کا مؤید ہے کہ اولویت مذکورہ کا مقتضی
 ابوت روحانی اور ابوت روحانی مذکورہ ازواجِ مطہرات کے اہمات المؤمنین ہونا خواستگار ہے۔

آیت مذکورہ میں تصرف اور اجابت کے معنی
علت اور قربیت میں لازماً پائے جاتے ہیں)

مگر ہاں شاید کسی کو یہ شبہ دامنیٹر ہو کہ بعض
مفسرین نے اولیٰ کو اس آیت میں بمعنی اقرب

لیا ہے تو بعض نے بمعنی احب لیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض نے بمعنی اولیٰ بالتصرف قرار دیا ہے۔
اس صورت میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی علیت اور امت کی معلولیت یقینی نہ رہی مگر اول تو
التصاق سیاق و سباق چنانچہ معروض ہو چکا معنی معروض کا مؤید ہے۔ اور اس امت کا خیر امت
ہونا چنانچہ کلام اللہ میں فرمایا ہے **كُنْتُ خَيْرَ أُمَّةٍ** الخ اس پر شاہد۔ اس لیے
کہ جب علت مصدر معلول بٹھری تو اگر ایک علت دوسری سے افضل ہوگی تو اس کا معلول بھی
اس کے معلول سے افضل ہوگا۔ چنانچہ تفاوت و صوب اور چاندنی جو تفاوت فیما بین الشمس
والقمر پر متفرع ہے اس کی نظیر ہو سکتا ہے ہاں ہر معین آخرین کا رجوع تو معنی معروض کی طرف
ضرور ہے اور ان کا توقف بمعنی اول پر لازم۔ اور اٹا کیجئے تو بن نہیں پڑتا وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی
کے احب اور اولیٰ بالتصرف ہونے کے لیے کوئی علت ضرور چاہیے نہ محبت بے موجدات محبت اور محبوبیت
بے موجدات محبوبیت ہو سکے نہ اولیت بالتصرف بے موجدات اولیت بالتصرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس
قدر اجیت اعنی محبوبیت کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو قرابت بقدر اقربیت مذکورہ میں موجود
اور قرابت کا موجدات محبت میں سے ہونا یہی ہے قابل انکار نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس معنی مستغیر کے مستعار میں اولیٰ بالتصرف ہونا ضروری ہے اور علت کا معیار اور
معلول کا مستغیر ہونا خود اس مضمون سے آشکارا ہو چکا جس میں وجود اور کمالات وجود معلول کا مستعار
ہونا ذکر کیا گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرب مذکور کے لیے اجیت اور اولیت بالتصرف علت نہیں ہو سکتی
البتہ معاملہ بالعکس ہے چنانچہ مثل آفتاب بخروزر روشن ہو گیا۔ بلکہ اقربیت مذکورہ کے لیے برائے
تمام علیت کو علت کہہ لو ورنہ اس کی کوئی علت ہی نہیں کیونکہ علیت اور اقربیت میں اگر فرق ہے تو
اعتباری فرق ہے اور علیت کے لیے کوئی علت ہو ہی نہیں سکتی ورنہ علت اولیٰ کی جانب احتیاج نکلتی گی۔
لفظ میراث کے بارے میں حیات | جب یہ مضامین بھی ذہن نشین ہو گئے تو اور سنئے کہ حیات
جسمانی کے اثبات کی ضرورت | روحانی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائم قائم بلکہ لازم ذات
روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو اس تقریر سے معلوم ہو گیا پر دوبارہ لفظ میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حیات روحانی سے کام نہیں لیتا یہاں تو حیات جسمانی کی ضرورت ہے اس لیے کہ اموال و ازواج و ارحام و
 ترابع اور تعلقات بدن میں سے ہیں۔ ان چیزوں کی اگر ضرورت ہے تو جسم ہی کو ضرورت ہے روح کو
 بالذات کچھ حاجت نہیں چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس لیے اثباتِ دوام حیات جسمانی کی ضرورت ہے۔
 (آپ کا وجود باوجود بواسطہ جسم اظہر مصدر حیات ہے) مگر چونکہ یہ بات ایک قسید پر موقوف
 جس سے روحانیت کے آثار علم و عمل صادر ہوتے ہیں) ہے اس لیے معروض ہے کہ اوصاف

کو اپنے موصوفات سے کبھی تو علاقہ صدور ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت باتش و تعلق نور بافتاب ظاہر
 ہے کہ یہاں وصف حرارت و نور خارج سے آکر آتش و آفتاب پر واقع نہیں ہوا بلکہ انہی سے
 یہ اوصاف صادر ہوئے ہیں اس قسم کے تعلق کو تو ہم تعلق فعلی و فاعلی کہتے ہیں اور کبھی اوصاف کو
 اپنے موصوفات سے علاقہ وقوع ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت با آب گرم اور تعلق نور بزمین۔ مثلاً
 ظاہر ہے کہ یہاں اوصاف مذکورہ آب و زمین سے صادر نہیں ہوئے بلکہ آتش و آفتاب سے صادر ہو
 کر آب و زمین پر واقع ہوئے ہیں۔ اس قسم کے تعلق کو ہم تعلق الفعالی اور تعلق مفعولی کہتے ہیں اور
 پھر یہ کہتے ہیں کہ تعلق روح و جسم کی حقیقت کو دیکھا تو جسم کو منظر افعال روح پایا یعنی غرض اصلی
 اس علاقہ بندی سے یہ ہے کہ روح سے افعال جوارح صادر ہوں جیسے نور اور جسم آفتاب میں
 باہم تلازم رکھنے سے غرض یہ ہے کہ اس سے اوروں کی طرف نور صادر ہوا کرے۔ الغرض جیسے
 نور لوازم ذاتِ آفتاب میں سے نہیں۔ اگر ہے تو لوازم وجود میں سے ہے اور غرض اس تلازم
 سے صدور نور ہے۔ ایسے ہی جسمانی لوازم ذاتِ جسم اظہر حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم میں سے
 نہیں لوازم وجود جسم مبارک میں سے ہے۔

اور غرض اس تلازم میں سے صدور آثار روحانیت ہے اور وہ ظاہر کہ بجز ایصالِ علم و عمل اور
 کچھ نہیں مگر چونکہ بے اعانتِ مظہر یعنی جسم یہ افعال نہ ہو سکتے تھے تو اس اسکیل کی ضرورت پڑی۔
 (جسم انسانی سے افعال کا ظہور و راصل) | الحاصل اس صورت میں جسم انسانی بمنزلہ جسم آفتاب
 فاعلیت حیات کے سبب سے ہے) | کو اکب و آئینہ مقابل آفتاب ہو گا۔ یعنی جیسے وہاں افعال

و افاعلہ و صدور نور الی غیرہ نظر ہوتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ایصالِ منافع علمی و عملی مطلوب۔ اور اگر بوسیدہ جسم
 کوئی افعال بھی پیش آجائے تو وہ ایسا ہے جیسے بوسیدہ مرآہ یا دمناسک منکونہ۔ الوان مختلفہ نور پر عارض ہوں

ہا اور وہ ان سے منفعّل ہو سوجیئے یہ انفعال الثانی ہے۔ یہاں بھی اتھاقی سمجھئے۔ اغراض اصلیہ میں سے نہیں کہہ سکتے چنانچہ اعمال کا وار دنیا میں مطلوب ہونا اس پر خود شاہد ہے اور بعد خروج از دار فکر تکلیف شارع کا ساقط ہو جانا اس کے لیے عمدہ دلیل ہے۔

ادھر حاصل جسم و تعلّق مذکور سوا اس کے اور کچھ نظر بھی نہیں آتا جو اعضاء مظاہرہ قوت علیہ میں مثل دست و پا ان کا نتیجہ تو بجز عمل اور کچھ ہے ہی نہیں اور جن اعضاء کو مظہر قوت علیہ بنایا مثل چشم و گوش وغیرہ جو اس غمہ ابھکا قصہ سینے کے اول علم کا فعل متعدی ہونا اس کے فعل ہونے پر دال ہے وقوع علی الغیر فعل ہی کی شان ہے انفعال میں یہ بات کہاں اور اگر یہ ہو تو یوں کہو کہ مفعول اور منفعّل فاعل ہیں۔ مفعول و منفعّل نہیں۔ در سکر علم بغرض عمل مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں۔ اگر علم منافع ہے تو فعل طلب صادر ہونا چاہیئے۔ اور علم مضرت ہے تو فعل ہرب صادر ہونا چاہیئے بہر حال علم سے مقصود اصلی اعمال ہیں۔

روح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں اس لیے علاقہ فیما بین روح و جسم حاصل کے وجود سے آثار حیات سمٹ جاتے ہیں ملتے نہیں علاقہ فعلی ہے علاقہ انفعالی نہیں۔

اس صورت میں اگر کوئی چیز مانع وصول فعل فاعل اور مفعول میں حاصل ہو تو فعل بمعنی مبداء فعل مثل نور آفتاب مثلاً فاعل کی طرف سمت ہائے گا۔ اور اگر سمتے گا نہیں تو زائل بھی نہ ہو گا ہاں مفعول سے زائل اور منفک ہو جائے گا۔ مثلاً آفتاب اور زمین یا آفتاب اور آئینہ میں اگر کوئی جسم کثیف حاصل ہو جائے تو وہ نور جو آفتاب سے کر زمین اور آئینہ تک متصل تھا سمت کر زمین اور آئینہ سے جدا ہو جائے گا۔ اور آفتاب کی طرف چلے گا نہ دونوں میں اصول آدھ منقسم ہو گا نہ تنہا زمین اور آئینہ کی طرف ہے گا اور اگر فرض کرو نور آفتاب بوسیلہ آئینہ یا کسی کوکب کے واسطے پہنچا ہو تو در صورت حیولت جسم کثیف وہ نور جو آئینہ یا کوکب سے اس چیز کی طرف آتا تھا اس چیز سے جدا ہو کر آئینہ اور کوکب کی طرف چلے گا۔ القصد جس طرف علاقہ فاعلیت اور فعلیت ہو گا وہ علاقہ بوجہ حیولت ضد موجبات تضاد منفک نہ ہو گا البتہ جس جانب علاقہ

لے ہاں اگر علاقہ فعلی اگر علاقہ انفعال پر مقرر ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ علاقہ انفعالی منقطع ہو اور اس وجہ سے وہ علاقہ فعلی منقطع ہو جائے مثلاً نور کو قمر کے ساتھ اول علاقہ انفعالی سے یعنی نور آفتاب اس پر واقع ہوتا ہے

انفعال اور مفعولیت ہو گا وہ علاقہ بوجہ حیولیت مشار الیہ زائل اور مشک ہو جائے گا۔

روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بدن | اس صورت میں علاقہ فیما بین روح نبوی صلی اللہ
میں تعلق انفعال ممکن نہیں) | علیہ اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر بوجہ حیولیت موت یا مرجأت

موت قابل انفکاک نہیں بلکہ موجب استتار ہے چنانچہ اول اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں اور حیولیت
ابروغبار کی مثال کے ملاحظہ سے واضح ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر انفعال کو بھی اغراض اصلیہ
تعلق روح و بدن میں سے کیئے تو جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی
نہیں۔ کیونکہ تکمیل روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بوسیلہ جسم کسی اور کامل سے تو ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اور بھی

بقیہ حاشیہ : دوسرا علاقہ فعلی ہے جو علاقہ اول پر متفرع ہے یعنی وہ واقع علی القمر قرعے صدر ہو کر
اور اشارہ پر واقع ہوتا ہے۔ سو یہ علاقہ ثانی اگرچہ بوجہ حیولیت اجسام کثیر ممکن الانقطاع نہیں پر بوجہ زوال علاقہ اول
و انفکاک علاقہ ثانی منقطع ہو جاتا ہے چنانچہ واقعان حقیقت خسوف خرب جلتے ہیں مگر جہاں عالم اسباب میں علاقہ ثانی
منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ واقعان حقیقت خسوف خرب جلتے ہیں مگر جہاں عالم اسباب میں علاقہ ثانی علاقہ اول پر
متفرع ہی نہ ہو جیسے علاقہ نور و شمس تو وہاں حیولیت اضداد متصور ہی نہیں جو اس طرح انقطاع کا اندیشہ ہو۔ مگر یہ
بھی تو علاقہ روح و جسم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بوجہ حیولیت موت حیات کے ممکن الانقطاع نہیں کیونکہ جیسے
شمس اور اس کے نور میں حیولیت اجسام کی گنجائش ہی نہیں تو یوں کیئے کہ نور شمس اس میں اور اس کے نور کے بیچ میں
آگیا۔ ایسے ہی غشا۔ موت جو عند روح ہے جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچ میں آسکتا ہے۔ ہاں جیسے
غشا۔ نور آفتاب وغیرہ موجبات ظلمت۔ نور آفتاب کو اوپر سے دبا لیتے ہیں ایسے ہی غشا۔ موت یعنی مابہ الموت
جو اصل موت ہے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر سے دبا سکتی ہے۔ سو اسی کو استتار کہتے ہیں اور جو اس
کی وہی ہے جیسے نور آفتاب عالم اسباب میں مبداء اول نورانیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ نور کا علاقہ فعلی جو اس
کے ساتھ ہے کسی علاقہ انفعالی پر متفرع نہیں ایسے ہی روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عالم اسباب میں مبداء اول
حیات ہے اور اسی لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کی روح کا علاقہ جو آپ کے جسم کے ساتھ خاص ہے عالم اسباب
میں علاقہ انفعالی پر ہو یاں عالم اسباب سے قطع نظر کیجئے تو خدا کے اعتبار سے سب منفعول ہیں واللہ اعلم ۱۲

(یہ حاشیہ طباحت اول میں موجود تھا)

ارواح کی تشکیل پسیدہ جسم روح با کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔

روح عوارض خارجیہ بواسطہ حیات کے لاحق | اور سوا اس کے اور انفعالات جو مثلاً وقت خورد و نوش

نہیں ہوتے وہ اغراض اصلیہ ہیں سے نہیں | مثلاً وہ مرغوب وغیر مرغوب واستمتاع و خیر

مخلکہ وغیرہ اسباب پیش آتے ہیں اغراض اصلیہ اولیہ میں سے نہیں الخاقیات و لوازم و آثار لوقا

میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان امور میں سے تمام بنی آدم تک یکساں نہیں۔

اگر انفعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہو تو بھی مائل کے وجود سے | اور یہ بھی نہ سہی۔ ہم کہتے ہیں کہ

فاعل منفعل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین تمام رجائے | انفعال منجمد مقاصد اصلیہ اور

اغراض اولیہ ہے مگر ہر انفعال کے لیے ایک فاعل کی ضرورت ہے جس کی طرف سے فعل صادر

ہو اور منفعل پر واقع ہو سو وہ فاعل اسی صورت میں کوئی غیر ہی ہوگا۔ جیسے زیہ کے لیے عمر و مثلاً تو

اس صورت میں اس فاعل اور اس منفعل میں کوئی چیز حامل ہوئی تو فاعل کو منفعل تک آنے

نہ ملے گی۔ پر کوئی صاحب فرما میں اس سے علاقہ فیما بین روح و جسم کو کیا نقصان۔

لازم وجود (حیات) کا ملزوم (وجود خارجی) منفعل ہوتا ہے | ہاں یہ صحیح ہے کہ لازم وجود کا

ملزوم اصل میں منفعل ہی ہوتا ہے ورنہ منفعل نہ کیسے۔ اور جمیع الوجود اور من جمیع الخلیقات مصدر

ہی کہتے تو پھر لزوم فیما بین لزوم ذات ہوگا۔ اور لازم مذکور لازم فاعل منکر ہے تو ظاہر ہے کہ مصدر

انفعال کے لیے ایک فعل اور ایک فاعل کی ضرورت ہے۔

(مائل کی ایک مثال) | سو وہ اگر سوا خالق کائنات کوئی اور ہے جیسے قمر و کوکب و آئینہ

وزمین وغیرہ کے لیے آفتاب۔ تو اگر کوئی اور ہم جنس قمر و کوکب و آئینہ و زمین بیچ میں حامل

ہو جائے گا تو وہ نور قمر و کوکب و آئینہ و زمین وغیرہ سے زائل ہو کر اس ہم جنس میں آجائے گا۔

دعائل کی صورت میں تبدیل و تغیر منفعل | الغرض من منفعل کی جانب تبدیل تصور ہے اور یہ جو

میں پایا جائے گا نہ صرف اعلیٰ میں | دور بینوں وغیرہ میں کئی کئی آئینے آگے پیچھے ہوتے

ہیں اور بشرط آفتاب نور آفتاب سب میں سے نکلا چلا جاتا ہے اور ایک دوسرے

کے حق میں حاجب نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر نور ادھر سے ادھر کو نکلا چلا جاتا

ہے اس نور سے آئینہ ہائے مذکورہ منفعل نہیں ہوتے اگر انفعال ہوتا تو وہ نور یہیں ٹک جاتا

آگے نہ جانے پاتا اور جس قدر نور آئینہ کے ساتھ لگا رہ جاتا وہ نور بشرط حیولیت ہم جنس دیگر ضرور زائل ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔

کائنات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی مطلقاً اور اگر فاعل مذکور سوا خالق کائنات اور فیض جس صورت میں عامل کا وجود متمنع ہے کوئی نہیں بلکہ خود خداوند عالم ہی مطلقاً فیض ہے۔ تو وہاں بجز تعلق ارادہ اور کسی سامان کی ضرورت نہیں چنانچہ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ لِفَعْلِهِمَا اُبْرِيءٌ (لیکن اللہ کرنا ہے جو چاہے) اور

اِنَّمَا قَوْلُنَا بِشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَاهُ اَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ رِجًا اَصْلٌ ۚ (۶) دہا رکنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو یا تو وہ ہو جاتے۔

اور لا مَنَافِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَغَيْرُهُ اِمَّا وَثِيقٌ اِسْ پر شاہد ہیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ خداوندی کار و کمنے والا سوائے ارادہ خداوندی اور کوئی چیز نہیں جو یہ احتمال ہو کہ کوئی چیز کائنات اور عالم اسباب میں ہوگی چنانچہ آیات مشار الیہا اور حدیث مذکور اس پر شاہد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب بجز سلب خداوندی اور کسی چیز سے زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ نور آفتاب سوائے خداوند خداوندی عالم اسباب کے خزانہ سے مستعار نہیں یعنی مثل نور قمر و کواکب و آئینہ فلکی دار زمین وغیرہ فیض آفتاب ہے نور آفتاب اسی طرح کسی اور جسم سے مستعار نہیں۔

نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم مگر جب یہ بات عسری تو پھر دوام حیات جسمانی نبوی کی حیات مبنی ہدایت ہے صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضرور پڑا اس لیے کہ

جیسے نور آئینہ آفتاب کی یہ صورت ہوئی کہ ماہ النور آئینہ اعنی نور اور آفتاب میں خداوند کریم نے علاقہ رکھا ایسے ہی ماہ الحیات والروحانیت اعنی روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جسم اطہر میں خود خداوند کریم نے علاقہ بندی کی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جیسے غشاء و منبع نور آئینہ قمر و کواکب نور آفتاب ہے ایسے ہی غشاء و منبع روحانیت یعنی حیات جسم اطہر کسی اور کی روح ہے چنانچہ اول تو اس مضمون کے اثبات کے لیے کسی امتی کو سنی ہو یا شیعو یا کوئی اور استدلال اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وہاں اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ سے بطریق اتم و انصاف و ترک تعقید زید و عمروی بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف سے وقت ارسال جو وہی وقت حیات جسمانی تھا اور ان کی طرف افاضہ اور فیض ہے۔
 اور انکی طرف سے اس طرف کو افاضہ اور فیض نہیں چنانچہ مقتضائے حیرانہ کسی کے نزدیک
 یہی ہے۔ باری حمد اور ارجامت کی روحانیت کا مستعار ہوتا آیت النبی اُولیٰ بِالْمُؤْمِنِینَ
 مِنَ الْفِیْضِ کے وسیع ثابت ہو چکا اور ارجام انبیاء علیہم السلام میں فیض نبوی محمدی صلی اللہ
 علیہ وسلم کا ہونا حیدر خاتم النبیین سے بشرط اہل الصاف و فہم ظاہر و باہر۔ اہل کوئی حقیقی امتیازی بات سن کر
 بے وجہ گردن ہلاتے تو ہلاتے۔ مگر ان سے کیا کام ہے۔ اہل فہم و الصاف سے سروکار ہے سوال کی
 خدمت میں یہ عرض ہے کہ موافق حدیث اِنَّ لِکُلِّ اَیَّۃٍ ظَہْرًا وَ بَاطِنًا (ہر آیت کا ایک ظاہر
 ہے اور ایک باطن ہے) خاتمت زمانہ کے لیے حوازم ظہر ہے یعنی معنی ظاہری ہے۔ کوئی باطن یعنی
 معنی باطنی بھی۔ چاہیے۔ سو باعتبار باطن خاتمت نبوت رہے کہ آپ پر سلسلہ فیض نبوت ختم ہو جاتا
 ہے یعنی جیسے مثلاً نور قمر و کو اکب فیض آفتاب ہے اور نور آفتاب عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں لے
 ہی نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام تو فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پر نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں جیسے آفتاب پر سلسلہ نور ختم ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے خاتم النبیین
 کہے تو بجا ہے۔ ایسے ہی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت اختتام پاتا ہے اور اس وجہ سے
 آپ کو خاتم النبیین کہنا زیبا ہے۔ یہ تقریر خاتم بجز ان کی صورت میں تو جو قرأت الکریم ہے محتاج تفصیل
 نہیں پر خاتم بفتح التاء کی صورت میں جیسے قرأت حفص ہے۔ البتہ بظاہر کم فہم کو چہاں معلوم نہ ہوئی۔
 ہوگی۔ اس لیے اتنا اور معروض کر جیسے خاتم بفتح التاء یعنی مٹر کا اثر مخدوم علیہ میں ہوتا ہے اور حروف مٹر
 مخدوم علیہ میں منتقش اور منعکس ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی منع فیض کا اثر مستفیض میں منتقش اور منعکس ہوتا ہے۔
 خاتم النبیین کے معنی غشا اور فیض نبوت ہے اور اب اہل فہم کی خدمت میں یہ گزارش
 خاتمت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے) ہے کہ جب خاتم النبیین کے یہ معنی ہوئے
 تو آپ کی فضیلت اور سیادت اور تاخر زمانی سب بھلے خود ہوئی۔ افضلیت اور سیادت کا مال تو
 بے کے ظاہر ہے۔ رہی خاتمت زمانی۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ مہمان کو اگر متعدد کھانے کھلاتے ہیں اور
 مختلف قسم کی نعمتیں اس کے سامنے لے جاتے ہیں تو عمدہ اور افضل سب کے بعد دیتے دلاتے ہیں۔
 سو ایسے ہی مہمان دار و نیل کے لیے دین اور کتب دین اور مردمان دین پر در نعت خدا و ان میں جن میں

سے سب سے افضل اور عمدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ قرآن اور یہ دین و ایمان تھا اس لیے
سب کے بعد آپ کا طور مناسب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ یہی مفاد خاتمیت زمانی ہے۔

دخاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت کی
طرح تمام انبیاء کی ارواح بھی آپ کی روح پاک سے مستفید ہیں۔
اور سیادت اور خاتمیت زمانی ثابت ہوئی۔

لیے ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی روح پر فتوح اور آپ کی حیات فیض انبیاء سابقین علیہم السلام
نہیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ جسم تو آپ سے پیدا ہو اور حرارت آپ۔ آتش سے حاصل ہو۔ بلکہ اگر حرارت
آتش فیض آپ ہو تو حرارت بھی آپ ہی کا فیض ہو گا۔ یہ برعکس کی حرارت فیض آتش ہو ممکن نہیں۔
لیے ہی یہ کیونکہ ہو کہ روح محمدی تو ارواح انبیاء سابقین علیہم السلام سے پیدا ہوئی ہو اور نبوت انبیاء سابقین
علیہم السلام فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

باجلہ ارواح انبیاء سابقین علیہم السلام روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہیں یہ روح محمدی صلی
اللہ علیہ وسلم کسی کی روح سے مستفید نہیں آپ کے ساتھ کمالات بالقوۃ مجملہ نوازم ذات اور طبائع ذاتیہ
ہیں۔ ہاں مرتبہ بالفعل الیہ شرائط فعلیت پر موقوف ہے اس میں قوت و فعلیت نبوت و ولایت ہو
یا کسی اور کمال کی قوت و فعلیت ہو۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں روحانیت انبیاء سابقین علیہم السلام آپ کی روح پر فتوح صلی اللہ
علیہ وسلم کا فیض نہ ہو بلکہ علاقہ بندی۔ ارواح و اجساد انبیاء سابقین علیہم السلام خاص خداوند متعالی
کی طرف منسوب ہو یعنی ارواح انبیاء سابقین بے واسطہ فیض خداوندی ہوں اور ارواح اقبیال بواسطہ
امداد انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئی ہوں۔ اس میں یہ امت اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
ہوں یا کوئی اور امت اور اس کے نبی ہوں۔

(نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام) بلکہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ ہر فاضلہ اور فیض یعنی
میں مادہ روحانیت موجود تھا۔
عروض میں وصف عارض کے سوا فیض اور مستفیض پہلے

سے ہونے چاہئیں تو یہ بات بروئے عقل واجب التسلیم ہوگی کہ قبل افاضہ نبوت انبیاء سابقین علیہم
السلام میں مادہ روحانیت چاہیے کیونکہ مستفیض کا قابل فیض ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ وصف
نبوت کے لیے سوا ارواح و خصوص کوئی قابل نہیں۔

یہی نفس روحانیت اور حیات ہوا اس کے قبول کے لیے پہلے سے روحانیت اور حیات کی ضرورت
 نہیں ایسا نام نامیہ اور ہمارے بھی اس کے لیے قابل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حیات جسمانی بنی آدم و غیر بنی آدم و
 جنس جذع دستون کافراق نبوی میں زوناسم وغیرہ معجزات و کرامات۔ اور آیت **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لِيُحْيِيَهُ**
بِحُسْنِهِ اس باب میں تسکین کے لیے کافی ہے۔ غرض فیض روحانیت امت کے لیے کچھ ضرورت
 نہیں کہ پہلے سے حیات حاصل ہو جو پیشہ پیش آئے کہ اسی طرح امت کے لیے روحانیت سابقہ
 چاہیے۔ اور چونکہ وہ حیات اور روحانیت بلا واسطہ فیض خداوند عالم ہے تو اس کے اور جسم کے بیچ کا علاقہ
 قابل انفکاک و انقطاع نہیں۔

الغرض حیات جسمانی انبیاء کرام علیہم السلام کو دوام لازم ہوا اور منجملہ لوازم وجود کہنا پڑا۔
 (تصرف پر قادر نہ ہونا نکاح | اس صورت میں متعلقات جسم یعنی ازواج و اموال سے علاقہ منقطع
 اور ملک کے منافی نہیں) نہ ہوگا۔ مال مملوک اور ازواج منکوحات بھی جائینی اور یہ عدم قدرت
 تصرف و مثل عدم قدرت تصرف مجوس و شجرہ و مجبور، ملک اور نکاح میں رخنہ انداز نہ ہوگی۔ غرض
 ہماری ازواج و اموال کی طرح بوجہ عرض موت ملک اور نکاح سے خارج نہ سمجھے جائیں گے۔
 (حیات شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں فرق | اور شہداء اگرچہ موافق ارشاد خداوندی ہمارے نزدیک
 منجملہ اعیان ہیں پر ان کی حیات جسمانی بوجہ تعلق جسم دنیا نہیں بلکہ اجسام جثہ سے ان کی ارواح کا تعلق پیدا
 ہو جاتا ہے چنانچہ احادیث میں مصرح ہے اور لفظ قرآن **اعْنَى عَنِ الْجَنَّةِ** اس کی طرف مشیر
 اس لیے متعلقات جسم دنیائے ان کو کیا سر و کار جو مال میراث اموال و نکاح ازواج ہوا اگر حیات
 شہداء سے مراد حیات روحانی ہے اور ان کی موت فطری ہے کہ روح کو جو علاقہ جسم سے تھا اس کو
 توڑ ڈال پر وہ کیفیت امساک جو بشادوت آیت۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ كُنَتْ فِي مَنَاسِكِهَا فَسَيِّئٌ
 إِلَيْهَا قَعْنُ عَلَيْهَا الْمَوْتُ وَيُرْسِلُ الْحَرَكِي
 إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى (پکے سورۃ الزمر ص ۵)

واللہ کیجیج لیتا ہے جا میں جب وقت ہوا ان کے
 مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کیجیج لیتا ہے ان کی فتنہ
 میں پھر کہ چھوڑتا ہے جن پر مرنے کا حکم دیا ہے اور بھیج
 دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک

حقیقت موت ہی ان کی ارواح پر عارض نہیں ہوتی تو اس صورت میں اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا جو

عاجتِ عذاب ہو مگر تحریرِ اول تحقیقی بات ہے اور اجسامِ انبیاء علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا اس پر شاہد اور شہدائے ہتک کے اجسام کا وعدہ نہ ہوتا یعنی زمین پر ان کے اجسام کا حرام نہ ہونا اور اس کے مؤید ہے۔
 باقی بعض شہداء اور صلحاء کے اجسام کا بعد قرون دراز سالم نکل آنا اس کے مخالفت نہیں۔ اول تو
 کیا معلوم کہ بعد میں ان کے اجسام سالم رہیں یا نہ رہیں۔ دوسرے نہ کھانے کے لیے اسبابِ کثیر ہیں۔ فقط
 حرمت ہی نہیں۔ حرم کے جانور اصل میں حلال۔ حرم کے سبب حرام ہیں۔ شہد کے لیے مکھیاں ممانعت
 ہیں۔ بڑھوں سے چنے کے دانے نہیں چیتے۔ غرض نہ کھانے کی بیس صورتیں ہیں۔ یہ جو بات مستلزم
 حیات ہو یہاں بجز حرمت اجساد اور کچھ نہیں اس لیے کہ ماوراجن و انس زمین و آسمان وغیرہ کا
 محکوم و مخاطب مامور خداوندی۔ مثل آیت

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَ
 لِبَاءُ أَقْلَعِي (پ ھود ع ۴۷) (محم جا۔)

سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محکوم و مخاطب ہونے کے لیے ادراک و شعور کی ضرورت ہے تو اس باب
 میں تسکین کے لیے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ أَلَيْسَُ بِجَسَدٍ وغیرہ آیات و احادیث و معجزات و کرات
 و حکایات کافی ہیں۔ اور جب زمین و آسمان بھی مامور و مخاطب ہونے تو بجز حرمت و علت معانی
 حقیقت ہی مراد لینے چاہئیں مجاز کی کیا ضرورت۔

احادیث (إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ) | مگر حرمت حقیقی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ احترام
 میں حرمت کی اقسام | حرام مد نظر ہو جیسے حرمت لحم بنی آدم میں احترام بنی آدم
 ملحوظ ہے دوسرے یہ کہ احترام محرم علیہم مقصود ہو جیسے حرمت خنزیر و کلاب و نجاسات میں ہوتا ہے۔
 یعنی غرض اصلی یہ ہے کہ بنی آدم جیسے عالی مراتب کو ان اشیاء کا کھانا مناسب نہیں۔ سو حرمت اجساد
 انبیاء علیہم السلام میں احترام زمین تو مقصود ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اجساد انبیاء کو ہمارے اجساد سے (عذر اللہ)
 زیادہ ناپاک اور ناقص کہنا پڑے گا۔

الغرض ہمارے اجساد کا زمین پر حرام نہ ہونا اور اجسامِ انبیاء کریم علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا
 اسی صورت (احترام محرم علیہم) میں خواہ مخواہ اس بات کو مقتضی ہے کہ عوام الناس کے اجسام پاک و
 طیب ہوں اور انبیاء کریم علیہم السلام کے اجسام ناپاک اور نجیث ہوں۔ سو ایسی بات بجز کفار اور کسی کے

منہ سے صادر نہیں ہو سکتی۔

راہبیار علیہم السلام میں حرمت کی پہلی قسم | اس لیے اس کا قاتل ہونا ضرور پڑا کہ احترام اجسام انبیاء
احترام اجساد انبیاء علیہم السلام ملحوظ ہے | علیہم السلام ملحوظ ہے مگر ظاہر کہ احترام اجسام

زمین کی نسبت بھی مشور ہے کہ وہ زندہ ہوں ورنہ اجسام حیوانات میں در صورت موت غریبی تصور
نہیں جریوں کہا جائے کہ زندہ نہیں تو کیا ہونا می تو میں۔ زمین سے پھر بھی افضل ہیں اس لیے کہ وہ مخلد
مبادات ہے۔ غرض اجسام حیوانات میں فو اور حیات دونوں ملتا ہوا ہے۔ ہوں جب دونوں ساتھ
ہوں۔ نہ ہوں جب دونوں ساتھ نہ ہوں۔ سو اگر نسبت اجسام انبیاء علیہم السلام موت کا قاتل ہو جائے
یعنی حیات جسمانی کی نفی کیجئے تو پھر احترام اجساد بھی مشور نہیں ورنہ حالت مبادیت کی رو سے تو ہمارے ان
اجسام سب برابر ہیں۔ اور تعلق سابق کا لحاظ کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہو کر اول و براد میں حالت سابق یعنی
حال وقت معلومیت کا لحاظ کیا جائے۔

راہبیار علیہم السلام کے اجساد کی سلامتی کو کسی | اور اگر فرض کیجئے حرمت سے حدیث مبارکہ میں
درا کی طرف منسوب کرنا بے دلیل ہے | حرمت حقیقی مراد نہیں بلکہ اجسام کے بالطبع محفوظ

ہے یا زمین کی بالطبع نگہبانی کی طرف مجازاً اشارہ ہے تب محفوظیت بالطبع یا زمین کا ان کو طبعاً نہ کھانا
بھی حیات جسمانی ہی پر دلالت کرے گا۔ اس لیے کہ سوا اجسام اجساد سب حیوانات کے اجسام بعد موت
بالطبع محل فساد اور قابل انقلاب ہیئت ارضی ہوتے ہیں۔ بعد موت اگر محفوظ رہتے ہیں تو کسی اور
درا و حافظ قوی مثل روح و شہد و سرکہ وغیرہ کے سبب محفوظ رہتے ہیں بالطبع محفوظ نہیں رہتے۔ اور
کسی درا حافظ قوی کی طرف سلامت اجسام انبیاء کو سلام کو منسوب کرنا قبل اقامت دلیل، اول
تو دعویٰ میراث کو مفید نہیں۔ در سہر تجوز بکرمات اس صورت میں زیان نہیں کیونکہ اس صورت میں روحانی
وغیرہ کا حافظ رہنا ایسا ہو گا جیسے کوئی جابر کسی ملال چیز کو کسی کو نہ کھانے دے۔

د احتمال ناشی عن غیر دلیل مفید ہو تو پھر | بایں ہر احتمال ناشی عن غیر دلیل بھی منطوق
ضروریات دین سے اعتماد اٹھ جائے گا | میں مفید ہوا کرے تو اعجاز اور دعویٰ نبوت

اور کتب آسمانی میں بھی ایسے احتمال تو موجود ہیں کیونکہ یہ سب امور بدلائل ایضاً ثابت ہوئے
ہیں اور دلیل الہی میں ظاہر ہے کہ احتمال عموم لازم بہ نسبت ملزوم ہوتا ہے۔ بایں ہر

زمان پر دو نشین عنایت گزیریں گویہ تکلیف نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو ایسی تکلیف یہودہ کا ہے کوئی ہے۔ ہاں ہمہ کتب فریقین سے اس مضمون پر اہل بیت کا شہاد ہونا ثابت ہے۔

و شہادت کتب فریقین ترکہ نبوی کے | اہل سنت کی کتابوں کو پوچھے کہ حضرت امیر اور حضرت عباس
سیرت نہ ہونے پر اہل بیت متفق ہیں | رضی اللہ عنہما کا حضرت عمرؓ کے سامنے

مَلِّ تَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُورِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ
کہا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ
صدقہ ہوتا ہے۔ (بخاری ص ۳۱۱ و ص ۹۹۹)

کے جواب میں یہ کہنا اللہم نفعہ بخاری میں موجود ہے اور شیعوں کی کتابوں کو پوچھے کہ حضرت
امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد۔

اَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَذَاكَ
اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا
دِيْنَارًا وَّ اِنْهَا اُوْرَثُوْا اَحَادِيْثُ مِنْ
اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا
وَفَقَدَ اَخَذَ حَظًّا وَّاقْرًا۔
و علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء نے کسی
کو وارث نہیں بنایا اور ایک نسخہ میں ہے کہ ہر ہم و دینار
کا وارث کسی کو نہیں بنایا۔ ہاں احادیث کا وارث۔
بنایا جس نے ان احادیث (در علوم) میں سے کچھ حاصل
کر لیا اس نے بہت کچھ پالیا۔

(افضل کافی ص ۲۲۲ طبع تہران)

بروایت ابوالہتیری کافی میں موجود ہے۔ جو حصر الائمہ سے دیکھنے کیا نکلتا ہے۔ انصاف ہو تو حدیث
کافی حدیث بخاری یعنی لا تُورِثُ سے زیادہ ہے کم تو کیا ہوگی۔ اب شیعہ جی فرمائیں کہ امام جعفر صادق
کون ہیں اور کیسے ہیں اگر ان کی بات بھی قابل تسلیم نہ ہو تو پھر بجز یزید و اتباع یزید اور کسی پر نظر ہوگی۔

اب اور گزارش دیجئے کہ ائمہ سابق خاص کہ حضرت امیر اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ
عنہما حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے زیادہ تھے کم نہ تھے۔ اگر حدیث مسطور حضرت امام جعفر صادق
رحمہ اللہ کو ائمہ سابق کی روایت سے پہنچی تب تو ان کی شہادت مضمون مذکور پر ظاہر ہے ورنہ بطریق
وحی یا بذریعہ الہام اگر حدیث مذکور کا مضمون ان کو معلوم ہوا تھا تو ائمہ سابق کو بطور مذکور اس کی

اعلاج پہلے ہونی چاہیے۔ اور یہ بھی نہ مہی تو ناظران وصیت نامہ خداوندی (ملاحظہ کریں) جو مرقوم بخاتم النبیین حضرت جبریل علیہ السلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور کلینی میں مفصل مرقوم ہے شیعوں کو یاد رہی ہو گا کچھ کلام اللہ تو نہیں جو یاد رہی نہ ہو۔

اس میں حضرت امام جعفر صادق ؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے **وَالشُّرُكُومُ أَهْلُ بَيْتِ اس سے** متبادری ہے کہ علوم جعفری علوم جدیدہ نہیں علوم سابقہ ہیں۔ خاص کر وہ علوم جو متعلق بوقائع سابقہ ہوں جیسے یہی حدیث ہے اس لیے کہ لفظ اثنا عشر یہ دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ تصحیح حضرت شاذانہ بعد لحاظ اس امر کے کہ اور انبیاء علیہم السلام تو کیا خود سرور انبیاء علیہم السلام بہت کچھ چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لے گئے ہیں۔ جمعی متصور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وجبات ارث میں سے ہرگز کوئی امر ظاہر نہ ہوا ہو جو ان کی طرف قاعلیت ایراث منسوب ہو سکے اور یوں کہہ سکیں **أَوْرُكُوا وَرُكُوا** مگر موجب ارث مورث کی جانب اگر ہے تو وہی الفکاکی علاقہ روح و جسم ہے اس لیے مقتضی ایضا **أَوْرُكُوا أَحَادِيثُ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ** یہی ہو گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو اجسام مظہر سے علاقہ معلوم پرستور حاصل ہے۔

بہر حال کتب فریقین حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر شاہ ہیں اور حدیث **لَا تَوْرَثُ كَامُضِينَ** کتب معتبرہ شیعہ میں موجود ہے۔

(ایک شبہ کا ازالہ)

ان اس صورت میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علاقہ مذکور منقطع نہیں ہوا اور اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کے لیے صرف تعلق روح کافی نہیں اس لیے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد موت کسی کے وارث نہیں تھے

علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہو سکتی تو اس وجہ سے لازم یوں تھا کہ آپ کے اقربا کے ترکہ میں سے آپ کا حصہ نکالا جائے تاکہ آپ زندہ ہیں اور زندہ اموات کا وارث ہو کر آپ کے ترکہ میں سے آپ کا حصہ نکالا جائے کہ جیسے مورث کے لیے انقطاع علاقہ معلوم کافی ہے اسی طرح وارث ہونے کے لیے وجود علاقہ معلوم کافی نہیں ورنہ جو بچہ بعد مورث قبل وضع حمل مر جائے وارث قرار دیا جائے۔ لہذا موت احادیث صحیحہ متین چیلوں کے بعد روح ڈالی جاتی ہے اور بالیقین یہ بات معلوم ہے کہ اگر بکریت میں مر جائے تو ساعت دو ساعت تک تو خیر پر اس سے زیادہ اگر کچھ

شکم مادر میں ہے تو پھر اس کی زندگی معلوم۔ چہ جائیکہ گئی بیٹے بعد مرگ کچھ شکم مادر میں ہے اور والدہ بحال خور
 باقی ہے، غرض یہ احتمال نہیں ہو سکتا جو ایام قرب و شفع حمل میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید کچھ گئی بیٹے سے
 مردہ شکم میں موجود ہو پھر کیونکر اس کے لیے ترکہ والدین سے مثلاً حصہ تجویز کریں۔ غیروں کی حق تعلقی کا اندیشہ
 ہے۔ زندگانی متحمل پر میراث جو ایک امر یقینی ہے متفرع نہیں ہو سکتی۔ بالجلد اگر بعد تین چلوں کے کسی عورت
 کا خاوند مر جائے اور بعد نو ماہ بچہ مرا ہوا اس عورت کے پیدا ہو تو بالیقین یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ اپنے
 والد کے بعد مرا ہے۔ اگر وارث ہونے کے لیے فقط علاقہ مذکور کافی ہو سکتا ہے تو لاریب ایسے اطفال
 اپنے والد وغیرہ کے وارث ہوا کرتے یعنی ان کے لیے موافق استحقاق حصہ نکالا جاتا کرتا اور پھر موافق قواعد
 میراث جس کسی کو پہنچتا اس کو حوالہ کیا جاتا کرتا۔ لیکن جب علاقہ مذکور کافی نہیں تو پھر بجز اس کے اور
 احتمال نہیں کہ وقت تعلق میراث مال میراث پر وارث کا قبض و تصرف ممکن ہو اگرچہ بوجہ نقصان ثلث
 یا کمی عقل وغیرہ اسباب قبض و تصرف مال میراث پر قبض و تصرف نہ کر سکے بالجلد مال میراث بہ نسبت
 وارث محل قبض و موقع تصرف میں ہو مگر یہ بات جیسے بچہ شکم میں مفقود ہے ایسے ہی مدفون بلکہ مودعہ موت
 میں یہ بات مفقود ہے بلکہ غور سے دیکھئے تو اس شخص میں جس کی حیات زیر پر وہ موت مستور ہو اور پھر
 اس پر مدفون بھی ہو چکا ہو۔ بمبارج زیادہ قبض و تصرف متنبع ہے۔ کیونکہ کچھ شکم کے باہر آنے کی امید ہے اور
 مدفون میں اس امید کی گنجائش نہیں بچہ شکم اگرچہ ضعیف و ناتواں ہے اور بے عقل و ناتوان ہے پر اسباب
 قبض یعنی یہی عقل و طاقت جس قدر ہے بطور خود ہے کسی عارض کے تلے دبی ہوئی نہیں کسی پردہ کے پیچھے
 مستور نہیں اور مدفون میت میں اگر حیات بھی ہے تو موت کے تلے دبی ہوئی ہے بہر حال علت ملک
 قبض و تصرف ہے اپنا ہو یا کسی اپنے ولی یا وکیل کا ہو۔ جہاں دونوں نہ ہو سکیں۔ وہاں تصور حدوث
 ملک ایک خیال خام ہے اپنا قبضہ تو ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں یعنی بچہ شکم ہو یا میت و مدفون ممکن
 ہی نہیں۔

رہا وکیل کا قبضہ یا ولی کا قبضہ، وہ قبضہ اصلی کا ظنی و فرع ہوتا ہے وہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

(ایک سوال)

اسی یہ بات کہ اگر حدوث ملک بے حصول

کیا موت کے بعد زوال قبض سے ملک باقی رہتا ہے؟

قبض ممکن نہیں تو بقاء ملک بھی بعد زوال قبض ممکن نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہنوز باقی ہے۔

(جواب - اپنی زندگی میں لَا تُؤْذَنْتُ فَرَمَانِ بَعْضِ تَوَكُّلِ تَحَا لِمَا قَبَضَهُ بِذَرْعِهِ وَكَيْلِ بَاقِي رَحْمَانِ) اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لَا تُؤْذَنْتُ فَعَطْلُ بَعْضِ مَنِ

تَوَكُّلِ تَحَا اور ظاہر ہے کہ اس وقت تَوَكُّلِ صحیح تھی اور بقاء تَوَكُّلِ و وکالت کے لیے فقط بقاء شعور و قوی قابضہ کافی ہے۔ ہاں حدوث تَوَكُّلِ کے لیے بالبداہت مَوَکَلِ کا مقام تَوَكُّلِ میں ہونا ضروری ہے۔ اور ولی کا مقام تولیت میں ہونا لازم۔ سو ضروریات حصہ تَوَكُّلِ و تولیت و وکالت و ولایت قبل وضع حمل بچہ میں مفقود ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبل وفات سب موجود۔ ہاں بعد وفات یہاں بھی وہ سب امور مفقود ہو گئے۔ اس لیے وصیت و تَوَكُّلِ لَا نُؤْذَنْتُ تو صحیح رہی اور وراثت بعد کے لیے کوئی صورت نہ نکلی۔

(جواب - مالک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) | علاوہ بری یہ گزارش ہے کہ مالک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہماری ملک احتیاج کی وجہ سے ہے | وعدہ لاشریک نہ ہے اور ملک مخلوقات فقط اس کے ملک کا ہے تو ہے بلحاظ حاجت بنی آدم ان کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی ان کو حاجت مند و بیکہ کراہت تصرف عنایت فرمائی اور بقدر قبضہ جس کا ملک کے لیے علت ہونا اوراق میں سے ہی واضح ہو جائے گا ملک عرضی حق فرمائی۔ لیکن جب حاجت کا محال کیا جائے تو پھر وہی اشیاء قابل کبھی جائیں گی۔ جن میں منافع بھی ہوں اور جو اشیاء عالی از منفعت ہوں یا الٹی ان میں مضرتیں ہوں جیسے میوہ اور دم اور خنزیر اشیاء قابل حدیث ملک وغیرہ تو وہ ملک نہ ہوں گی۔

(ملک جدید کے لیے حاجت مندی ضروری ہے لیکن) | لیکن جیسے در صورت حاجت بوجہ عدم بقاء ملک بغیر احتیاج کے بھی ہو سکتا ہے | منافع محتج ایسا ملک حادث نہیں ہو سکتی تالیے ہی بوجہ عدم احتیاج یا زوال حاجت، تعلق ملک قابل تسلیم نہ ہو گا۔ کیونکہ وہاں اگر شرط قاعدت نہیں تو یہاں وجہ فاعلیت کچھ نہیں۔ ہاں یہ مسلم کہ علت ملک فقط وہ قبضہ نام ہے جس کی طرف ان اوراق میں اشارہ ملے گا۔ اور احتیاج موجب تحرک و تعلق قبضہ مذکور ہے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ملک باقی ہو اور احتیاج باقی نہ ہو۔ کیونکہ اسباب تعلق قوی فاعلیت مثل نور چراغ وغیرہ کا ہونا شرط تعلق کے لیے ضروری ہے بقاء تعلق کے لیے ضروری نہیں۔ اگر کسی مکان میں چراغ نہ ہو تو اس کے در دیوار کے ساتھ تعلق نور کے لیے چراغ کا لانا مثلاً ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ بقاء نور کے لیے حرکت

مذکورہ ضرور نہیں بلکہ الٹی وہ حرکت اس وقت سبب زوال تعلق ہے چنانچہ ظاہر ہے بالجملہ اعتدیل موجب
حدوث ملک یعنی سبب تعلق جدید ملک ملک ہے خود سبب ملک نہیں ورنہ خداوند کریم ملک نہ
ہوتا۔ اس صورت میں ملک سابق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی اور جدید پیدا نہ ہوگی۔

اب ناظران اوراق کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ وہ مقدمات ٹکٹہ جن پر دعویٰ میراث
راست ہو سکتا ہے ان میں سے ایک تو انقطاع علاقہ فیما بین روح و جسم صورت تھا اس کا حال تو معلوم
ہو گیا۔ غرض اس کا اثبات تو شیعوں کیا کریں گے جواب دلائل بقاء علاقہ مذکور کا فخر فرمادیں۔

رہا میراث کی دوسری شرط کا فقدان) | ہے دو مقدمہ باقیہ۔ ایک تو ان میں عموم خطاب یوحیٰکم
اللہ ہے جس کا اثبات شیعوں کے ذمہ ضروری ہے مگر شیعوں تو اس کو کیا ثابت کریں گے ہاں ہم
سے دلائل و شواہد خصوص سنئے ہم گلا پکڑتے ہیں۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ طَرْح | کہ یہ خطاب فقط اقیقوں ہی کے لیے ہے رسول
یُوحِیْكُمْ لِلّٰہِ کا خطاب بھی صرف اقیقوں کو ہے) اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام نہیں اگر مجتہدان
شیعہ کو غیرت مذہب ہو تو ہماری گزارش کا جواب مستحق سوچ کر لائیں ورنہ فخر عاقبت فرمائیں
اور سستی ہی جائیں۔ وجہ خصوص کا شاید کسی کو انتظار ہو اس لیے معروض ہے۔ شروع سورہ نسا میں
اول یہ مذکور ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (پہلے نسا ع ۱) کیا تم کو ایک جان سے

اس کے بعد اس مذکور کے ذیل میں بہت سے خطاب ہیں ان میں سے ایک تو یہی خطاب
یُوحِیْكُمْ لِلّٰہِ ہے اور اس سے پہلے خطاب۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
مَثْنً وَثُلَّةً وَرُبْعًا (پہلے نسا ع ۱) تین تین چار چار

سو اگر خطاب یوحیٰکم اللہ عام ہوگا تو خطاب فانکحو اپنے عام ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لیے وہی چار ازواج کی تحدید ہوگی۔ اس صورت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
کا حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو مذکور دنیا اتنا محل اعتراض نہ ہوگا جتنا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا چار سے زیادہ (دہائیوں) کا جمع رکھنا مورد اعتراض ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اول معتقدان خلیفہ اول ان کی معصومیت کے قائل نہیں اگر معتقد ہیں تو ان کی ولایت کے معتقد ہیں اور ولایت کے لیے ان کے نزدیک معصوم ہونا ضرور نہیں اگر ضرور ہے تو نبوت رسالت کے لیے ضرور ہے بایں ہمہ فہم ہو تو کلام اللہ اس پر شاہد ہے۔ اولیاء کی تعریف میں تو یہ ارشاد ہے۔
إِنْ أُولَآئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ اور رسل کی تعریف میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ عِيبٍ أَحَدًا إِلَّا مَن
أُتِنَىٰ مِنْ رَسُولٍ (پک الجن ۲۸) یا کسی رسول کو

غرض حاصل ولایت القاب ہے اور حاصل رسالت الرضا کیونکہ من رسول بیان و تفسیر من الرضا ہے اور ظاہر ہے کہ القارنہ کو ر فعل اولیاء ہے کیونکہ مستقون صیغہ فاعل ہے اور اولیاء پر محمول اور الرضا مشار الیه فعل خداوندی ہے چنانچہ رجوع ضمیر فاعل الرضا الی اللہ اس پر گواہ عادل ہے اور سب جانتے ہیں کہ خدا کے تعالیٰ اطاعت سے راضی ہوتا ہے اور معصیت سے ناخوش

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَاسِيَيْنِ (اور اللہ راضی نہیں ہوتا مافران لوگوں سے)۔
کلام اللہ میں موجود ہے۔ سو اطلاق من الرضا سے یہ بات نمایاں ہے کہ رسول بجمع الوجہ من الرضا ہوتے ہیں اور جب من الرضا کا رسول ہونا لازم ہوا چنانچہ من رَسُول کا بیان من الرضا ہونا ہے اس کے بن ہی نہیں پڑتا تو یہ بات آپ لازم آگئی کہ اولیاء بجمع الوجہ من الرضا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اطلاق الرضا وہی حاصل معصومیت ہے۔

بایں ہمہ القارنہ یعنی للفاعل۔ القارنہ یعنی للمفعول کو مستلزم نہیں آگ سے۔ کھائی کنویں سے ہر کوئی بچتا پھرتا ہے اور پھر کبھی بغیر پیش قدمی سے یا کسی کا جبر موجب وقوع ہو جاتا ہے کوئی کسی کے غوار یا تیر یا نیزہ مارتا ہے تو بچنے کے لیے اپنے سے بھی تدبیریں کرتا ہے مگر کبھی اس پر بھی زخمی ہو ہی جاتا ہے غرض اولیاء میں القارنہ یعنی للفاعل کا ہونا چاہیے۔ چنانچہ مستقون کا صیغہ فاعل اس کے لیے دلیل کافی ہے۔ اور القارنہ یعنی للفاعل کو القارنہ یعنی للمفعول لازم نہیں چنانچہ ایک

شاعر اور دوسری اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

زہد و تقویٰ و صبر ہی رہا ہاتھ اس کے سے نہ پیتے ہی بنی

العصر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ولے تھے نبی نہ تھے اور ولایت کو القار بنی لانا علی کافی ہے القار
میں مفعول ضروری نہیں اور جب مرتبہ مفعول تک لزوم نہ پہنچے تو پھر معصومیت کہاں۔ علاوہ بریں
و حساب دوستاں و دل و عجب نہیں کسی حق کے عرض میں خلیفہ اول نے فذک کو بجز کر لیا ہو اور یہ
نبی نہ مہی اور مہر سے اگر تھدی ہوئی تھی تو اوہر عجز کر دیا ہو۔

دہر وایت علامہ حلی (شیعوں) حضرت صدیق اکبرؑ نے | یا حسب روایت علامہ حلی خلیفہ اولؑ نے
فذک حضرت فاطمہؑ کو دیا اور وہ راضی ہو گئیں | اگرچہ فذک کے دینے میں تاہل کیا تھا مگر انجام
کار حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا ہو چنانچہ کتاب منہاج الکرامہ مصنف شیخ ابن مہر علی

میں وہ روایت بایں الفاظ موجود ہے۔

لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ أَبَا بَكْرٍ فِي فُذَكِ
كَتَبَ بِهَا كِتَابًا وَرَدَّهَا عَلَيْهَا
(منہاج الکرامہ ص ۶۳)
رجب حضرت فاطمہؑ نے فذک کے بارے میں حضرت
ابوبکرؑ کو نصیحت کی تو آپؑ نے اس کے متعلق کئی
لکھوری اور فذک فاطمہؑ کو واپس کر دیا۔

اور اگر فرض کیجئے حضرت فاطمہؑ کو خلیفہ اولؑ نے فذک پر قبضہ نہیں دیا تو اس کی آمدنی تو بالضرہ
حسب دستور زمانہ نبوت حضرت زہراؑ اور اہل بیت ہی کے تصرف میں آتی رہی۔ چنانچہ فریقین اس
بات پر متفق ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آمدنی فذک کو اپنے آپ خور و برد نہیں کیا اور کتب فریقین
اس پر شاہد ہیں ایک روایت مجملہج الیٰ لکین جس سے دعویٰ مذکور او نیز قصہ تراویحی طریق معلوم ہو
جائے نقل کرنا ہوں وہ یہ ہے۔

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمَّا رَأَى أَنَّ فَاطِمَةَ انْقَبَضَتْ
عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ لَهُ لِحَدِّ ذِكِّ
فِي أَمْرِ فُذَكِ كَبُرَ ذَلِكَ عِنْدَهُ فَأَرَادَ
اسْتِزْجَارَ هَا فَانَا هَا وَقَالَ لَهَا صَلِّتِ
يَا بَيْتَ رَسُولِ اللَّهِ فِيمَا أَدْعَيْتِ وَلَمْ يَكُنْ
و حضرت ابوبکرؑ نے جب دیکھا کہ حضرت فاطمہؑ ان
سے جدا ہو گئی ہیں تو کلمات کروی ہے اور فذک کے
بارے میں پھر کوئی بات نہیں کی تو یہ بات آپؑ کو گراں
گزر ہی حضرت فاطمہؑ کو راضی کرنے کا ارادہ کیا تو آپؑ
کے پاس آئے اور فرمایا آپؑ نے سچ کہا

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْعُدُهَا
 فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ بَعْدَ
 أَنْ يُؤْتِيَ مِنْهَا قُوَّتَكُمْ وَأَنَا صَالِحٌ بِهَا
 فَقَالَتْ أَفَعَلُ فِيهَا كَمَا كَانَ إِلَى رَسُولِ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فِيهَا
 فَقَالَ ذَلِكَ عَلَى أَفْعَلُ فِيهَا مَا كَانَ
 يَفْعَلُ الْبُوكُ فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَتَفْعَلْنَ فَقَالَ
 وَاللَّهِ كَذَبْتَنَ ذَلِكَ فَقَالَتْ اللَّهُمَّ
 أَشْهَدُ فَرَضَيْتَ بِذَلِكَ وَأَخَذْتَ الْعَهْدَ
 عَلَيْهِ وَكَانَ الْبُوكُ يُعْطِيهِمْ مِنْهَا
 قُوَّتَهُمْ وَيُعْطِيهِمُ الْبَاقِي فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ
 وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ - انتهى

میں رسول کی بیٹی! جو تو نے دعوت کیا ہے لیکن میں
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تقسیم کرتے
 اور فقراء اور مساکین اور مسافروں کو دیتے تھے اس
 کے بعد کہ تمہارا رشتہ بھی نکالتے تھے میں بھی یہی کچھ
 کروں گا حضرت فاطمہؓ نے فرمایا آپ فدک میں وہ
 کام کریں جو میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کرتے تھے۔ فرمایا بالکل ٹھیک! ضرور میں وہی
 کروں گا جو آپ کے والد کرتے تھے فرمانے لگیں خدا کی قسم
 تم ضرور کرو گے۔ فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں یہ ضرور کروں
 گا فرمانے لگیں اے اللہ تو گواہ رہ پھر حضرت فاطمہؓ
 اس پر خوش ہو گئیں اور غم و پیمان لے لیا۔ حضرت
 ابو جبر اہل بیت کو فدک سے رشتہ دیتے تھے اور بقیہ فقراء
 مسکینوں اور مسافروں میں بانٹ دیتے تھے۔

مگر اس قسم کے غدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متصور نہیں۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں
 بیک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں)
 میں سے چار منکوحہ ہوں باقی متعی ہوں یا چار حسرہ
 ہوں باقی سجدہ مامکلت ایعناہم ہوں۔ یا زماں واحد میں چار سے زیادہ نکاح نہ کئے ہوں۔ مال علی السبیل
 التعاقب زیادہ کی تربت آئی ہو مگر ایسا کون ہو گا جو اس دام فریب میں آجائے۔ کون نہیں جانتا کہ دحضرت
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متعہ کیا نہ امہ اطہار میں سے کسی نے یہ کام کیا۔ بایں چار سے زیادہ
 میں گنہ گار رہا ہوں جو اتفاق فریقین حرہ منکوحہ تھیں متعی نہ تھیں اور پھر زمان واحد میں مجتمع تھیں حضرت
 عائشہؓ (صدیقہ) حضرت حفصہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت سوزہؓ حضرت میمونہؓ حضرت زینبؓ حضرت
 ام حبیبہؓ یہ سب کی سب منکوحہ بھی تھیں اور سب کی سب حرہ بھی تھیں اور پھر سب کی سب ایک ہی
 زمانہ میں مجتمع بھی تھیں اس لیے احتمالات ثلاثہ میں سے ایک بھی نہیں چل سکتا۔

اس کے بعد شاید کوئی مجتہد العصر آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَخْلَقْنَا لَكَ أَزْوَاجًا** النبی اتَّعِيتَ أَجْوَاجَهُنَّ (میں نے نبی کے ہمراہ حلال رکھیں تمہارے تیری عورتیں جن کے مرتبہ چھ ہے) کے بعد وہ تخصیص عموم خطاب فائز کو یا نسخ کا خیال پکارتے مگر وہ آیت تو درجہ ہے چوتھا سپارہ الکیسوی پارہ میں بہت فاصلہ ہے آیت **فَانْكحُوا مَا طَابَ لَكُمْ** اگر ربیع اخیر پارہ چہارم میں ہے تو **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ** اول پارہ پنجم میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ عموم کلمہ ما بہر حال عموم کلمہ ازواج وغیرہ کلمات مندرجہ ذیل خطاب **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** سے کہیں زیادہ ہے سو اگر آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** مخصوص یا نسخ حکم فائز کو مخاطب ہے تو آیت **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ** بدرجہ اولیٰ مخصوص یا نسخ حکم فائز کو مخاطب ہوگی۔

(سورۃ نسا کا اول رکوع سورۃ فاتحہ کی طرح) | ہاں ایک صورت نجات ہے وہ یہ ہے کہ جیسے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے | سورۃ فاتحہ خدا نے بندوں کی طرف سے تصنیف

کر کے ان کے حوالے کر دی ہے تاکہ وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب مجربا لایا کریں ایسے ہی سورۃ نسا کو یوں سمجھو کہ خداوند کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک د عطا و پند تصنیف کر کے آپ کے حوالے کر دیا تاکہ وقت خطاب امت اس طرح ان کو سمجھائیں۔ غرض باعتبار تصنیف الحمد سے لے کر سورۃ والناس تک سارا کلام قرآن کلام خداوند رحمان ہے مگر باعتبار تکلم مقابل خطاب و غیبت سب خدا ہی کا کلام نہیں بندوں کا بھی کلام ہے سو جیسے کسی دلیل کا مسودہ عرضی جو اپنے کسی منکر کی طرف سے یا کسی منشی کا مسودہ جو کسی کی طرف سے مثلاً تحریر کرے یا کسی شاعر کا کسی عاشق و معشوق کی غنوی میں ان کی گفتگو کو نظم کرے۔ اس دلیل اور اس منشی اور اس شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ان کا کلام کہلاتا ہے چنانچہ وقت مذاکرہ اکثر کہتے ہیں کہ یہ فلاں نے دلیل کی تقریر ہے اور فلاں نے منشی کی تحریر اور فلاں نے شاعر کا کلام ہے ہاں ہر تکلم مقابل مخاطب وہ منکر اور وہ جاہل اور وہ عاشق و معشوق ہوتے ہیں ایسے باعتبار انشاء و تصنیف تو قرآن سب سے کلام خدا کلام ہے مگر باعتبار مخاطب کہیں اپنا ہی کلام ہے کہیں کسی اور کا۔ سو سورۃ الحمد تو باعتبار مخاطب تمام جہان کا کلام سمجھئے۔

لے ترکیب ترتیب قرآن کو سمجھنے کے لیے یہ درجہ الفاظ استعمال کیے نہ قرآن کو انشاء و تصنیف نہیں کہتے کیونکہ کلام قدیم اور وحی پاک

چنانچہ آیاتِ کَرِیْمَہٗ وَآیَاتِکَ نَسْتَعِیْنُ اللہ اس پر شاہد ہے اگر باعتبار مخاطب نعوذ باللہ اس صورت
کو کلام خداوندی سمجھنے تو یہ معنی ہوں کہ خدا بھی کسی کا بندہ ہے نعوذ باللہ منہا۔ خدا بھی نعوذ باللہ کسی کی
عبادت کرتا ہے خدا بھی کسی سے مدد مانگتا ہے خدا تعالیٰ بھی کسی سے طالبِ ہدایت ہے علیٰ ہذا القیاس آیت
وَمَا تَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِنَا (اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اسی کا ہے
وَمَا خَلَفَ وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ رَبِّهِمْ عَمَّی) جو ہاتھ آگے ہے اور جو پیچھے اور جو اس کی جگہ میں ہے۔
باعتبار مخاطب فرشتوں کا کلام ہے چنانچہ قرینہ بامریکب ہے اور قصہ شانِ نزول اس پر دلیلِ کامل ہے۔
علیٰ ہذا القیاس سورت نسا۔ اول تو تمام و کمال ورنہ یُوصِیْکُمُ اللہ تک تو بالضرور باعتبار مخاطب
کلامِ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اول تو وہی قرینہ فَاَنْکِحُوْا اس پر شاہد ہے اگر باعتبار
مخاطب کلامِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہئے کلام خدا کیئے تو پھر اول درجہ کے معصوم کی نسبت یہ عقائد
رکھنا ضرور ہو کہ وہ سب بڑھ کر نعوذ باللہ منہا فاسق و فاجر و عیاش تھے۔ دوسری مذیٰ اَیُّهَا
النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ میں رَبَّکُمْ کو غائب رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر کلام کے لیے ایک مشکل اور
اور ایک مخاطب مفاد یکساں ہوتا ہے اور اگر غائب بھی ہوتا ہے تو وہ بھی مغایر حقیقی ہوتا ہے غرض
یہ قینوں معصوم ایک مصداق میں مجتمع نہیں ہو سکتے اور ان قینوں میں اتحاد مستور نہیں سو قرینہ غیبت
رَبَّکُمْ خود اس پر شاہد ہے کہ خداوند کریم باعتبار مخاطب مشکل نہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ سوارِ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کا احتمال نہیں۔ کیونکہ ادھر تعین غیر پر نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ اور
ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیامبر ہونا اس بات کے لیے خواستگار کہ بعد خداوند کریم باعتبار
مخاطب اس کلام کے مشکل درحالتِ عدم قرینہ اگر ہو سکتے ہیں تو حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
ہو سکتے ہیں مگر یہی بات بعینہ جملہ یُوصِیْکُمُ اللہ میں سمجھ لیجئے اس جملہ میں بھی یُوصِیْ صیغہ غائب
اللہ کے لیے ہے اور پھر قرینہ دوامِ حیات اور عدم زوالِ علاقہ فیما بین روح و جسم نبوی صلی اللہ علیہ
وسلم اس بات کے لیے عمدہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطاب میں داخل نہیں اور
جب آپ مخاطب نہیں ادھر خدا غائب بمعنی مقابلِ مشکل و مخاطب۔ تو مشکل سوارِ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور کون ہو گا غرض وجوہ ظاہرہ اس بات پر گواہ ہیں کہ باعتبار مخاطب یہ کلام رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔

راکھتے صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور ارواح امت میں متحدہ | اور باعتبار اصل کنندہ کے
وجہ تفاوت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب نہیں | دیکھئے تو حضرت خاتم المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب ہو بھی نہیں سکتے۔ میراث کا حال تو معلوم ہی ہو گیا نکاح کی بات
سنئے وہاں بھی وہی دوام حیات مانع ورود خطاب ہے۔ یعنی جب آپ منفع فیض روحانیت و حیات
ہوتے اور امت کی ارواح کے لیے آپ کی روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم غشا انتزع اور علت اور
موثر ہوئی اور ارواح امت فیض اور انتزاعیات اور معلول اور اثر ٹھہرے۔ تو پھر آپ کی روح کو امت
کی ارواح میں وہ نسبت تجانس نہ ہوگی جو فیما بین ارواح امت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ افراد جنس واحد اگر
باہم مساوی نہ ہوں تو بعد کمی و بیشی تعداد یا اوزان یا مساحت جو کچھ وہاں بن پڑے تساوی حاصل کر سکتے
ہیں۔ پر فیوض و انتزاعیات و آثار و معلولات کو منفع فیض اور منشاء انتزع اور موثر اور علت کے
برابر کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ایک دھوپ دوسری دھوپ کے برابر نہ ہو تو نجد تسویہ ہر میدان
اور رفع موانع آمد نور وغیرہ کے دونوں برابر کر سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بڑی سطح سے چھوٹی سطح کے برابر
قطع کر سکتے ہیں اور چھوٹی سطح کو بعد اضافہ جسم بڑی سطح کے برابر بنا سکتے ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ سارے
جہاں کی دھوپیں ایک نور آفتاب کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ علیٰ ہذا القیاس وجود تمام کائنات ایک وجود
خالق عالم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جب تساوی کا حال معلوم ہو گیا کہ کہاں ہو سکتی ہے کہاں نہیں ہو سکتی تو آگے
ربا اعتبار لغت بھی زوجیت طرفین | مفہوم زوجیت و ازدواج باعتبار لغت بھی القیاس بتعداد میں کو
کے تساوی کو چاہیہ ہے | مستثنیٰ ہے اور باعتبار شرع بھی تساوی طرفین کا خواستگار۔

چنانچہ آیت وَلَیْسَ مِثْلُ الذِّیْ عَلَیْہِمْ بِالْمَعْرُوفِ اس پر شاہد ہے اور دیکھا تو نکاح و ازدواج
سے حسن معاشرت مطلوب۔ چنانچہ آیت۔

وَمِنْ آیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ
ازواجًا لِّتُکُونُوا اِیَّہَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (پ ۲۱ روم ۳۰)

(۱) اور اس کی نشانیں سے ہے کہ تم کو بنایا مٹی سے
پھر اب تم انسان ہونے میں میں پھیلے پڑے اور اس کی نشانیں
سے ہے یہ کہ بنادیے تمہارے واسطے تمہاری قسم کے جوڑ
کہ چین سے رہنا ان کے پاس اور دکھا تمہارے نیکی میں پیار
اور مہربانی۔)

سے اہل فہم کو یہ بات غیاں ہے۔ آخر حسن معاشرت میں بجز انس با بھی جو حاصل سکون مٹا دالہ اور موجودہ مذکورہ ہے اور کیا ہوتا ہے۔

دنگلج میں مطلوب حسن معاشرت ہے | مگر مزاج کا حسن معاشرت دیکھا تو اخلاق کی طرف ہے اور اخلاق جو کمالات علمی اور عملی کا نتیجہ ہے | حاصل ضرب قوت علمیہ اور قوت عملیہ کا نام ہے۔ اس لیے کہ اخلاق کے تحصیل کرنے سے سوا اس کے اور کیا نکلتا ہے۔ رحمت و غضب کو دیکھے تو بجز اس کے کیا ہے کہ کسی کی شکستہ حالی یا مخالفت کے علم کے باعث اوھرے عمل داد و دہش یا ضرب و سزاؤں ہوتا ہے۔ اس لیے مساوات مٹا دالہ جو مقتضائے زوجیت و ازدواج تھا باعتبار حاصل ضرب قوت علمیہ و قوت عملیہ ہو گا۔

یا اس مضمون کو یوں تعبیر کیجئے کہ مساوات جسمانی تو سرور ہی نہیں باعتبار وزن ہو یا باعتبار پیمائش۔ اگر مراد ہے تو باعتبار روحانیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کمالات روحانی یا علمی ہیں یا علمی یا ان دونوں سے مرکب اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود وہ حاصل ترکیب ہر دو کمال ہے نہ علم خالی از عمل مطلوب و درجہ حسن معاشرت اور اعمال عبادات وغیرہ کے کیا معنی تھے اور نہ فقط عمل خالی از علم جیسے افعال لایعنی اور حرکت بے معنی یا اعمال منافقین و اہل تسخر ہوتے ہیں کیونکہ علم عظمت خداوندی وغیرہ ان اعمال کے ساتھ مضموم نہیں ہوتا ورنہ اس قسم کے اعمال مکروہ یا مردود نہ ہوا کرتے بلکہ حاصل کمالات علمی و کمالات عملی اخلاق ہوں یا ارادہ و نیت ہو یا اعمال ظاہرہ جو بشرط اخلاص صادر ہوتے ہوں۔ سب کے سب حاصل جمع کمال مذکورہ تو نہیں ہو سکتے اس لیے کہ حاصل جمع میں مجموعہ اجزاء ہوا کرتا ہے اور یہاں ظاہر ہے کہ یہ سب امور مذکورہ غیر ہیں نہ عین اس صورت میں بجز اس کے کہ حاصل ضرب کیے اور کیا کیے۔ کیونکہ دو یا زیادہ سے ملکر اگر کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کی یہی دو صورتیں جب یہ بات ذہنی نشین ہو چکی تو آگے چلے۔

کمالات علمی و عملی مردوں میں بدرجہ اتم اور | مخدوم میں! کمالات علمی ہوں یا علمی بہر حال مردوں غور توں میں اس کا نصف پائے جاتے ہیں | کا حصہ دو نام ہے اور غور توں کا (مردوں سے)

اوصاف ہے۔ دلیل اس دعویٰ کی اول تو یہی آیت ہے۔ لِّلَّذِکُمْ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰیٰہِیں۔ کیونکہ یہ آیت اگرچہ بیان میراث میں نازل ہوئی ہے۔ کچھ میراث کی تخصیص نہیں فرمائی مگر الفاظ پر نظر چاہیے خصوصاً شان نزول پر خیال نہ چاہیے۔ چنانچہ اہل علم خوب جانتے ہیں اور عوام اگر نہیں جانتے تو ان کے

لیے اتنا اشارہ کافی ہے کہ اگر دو آدمیوں میں دس سیس گاؤں مشترک ہوں اور سب میں ایک ہی سا ہر ایک کا حصہ ہو تو اس صورت میں اگر ایک گاؤں میں سے کچھ غلہ آئے تو کارکن بوجہ ناواقفیت مقدار حصص اگر کسی واقف سے ہر ایک کے حصہ کی مقدار پوچھے تاکہ اس کے موافق تقسیم غلہ میں کار بند ہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ شخص ہر ایک کا حصہ بتائے گا تو اس کا یہ بتانا ہر دفعہ کے لیے اور ہر ایک گاؤں کی آمدنی کے لیے کافی ہوگا اور فقط اسی دفعہ کے لیے نہ سمجھ جائے گا۔

رأیت میں مرد و عورت کے جسم کی مقدار سے نکٹ نہیں بلکہ ان کے حصص سے نکٹ اور ذکر و انشی کا اطلاق روح و جسم دونوں پر ہوتا ہے۔

میں اس حساب کو درست نہ پائیں تو اس کا جب یہ ہے کہ یہ گفتگو دربارہ خط و خط انشی ہے خود ذکر و انشی میں یہ حساب نہیں اور ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر و انشی جیسا روح پر کیا جاتا ہے ایسا ہی جسم پر بھی یہ اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ احکام روحانی و جسمانی اور افعال و احوال روحانی و جسمانی میں یکساں فرق صیغہ ذکر و مؤنث ملحوظ رہتا ہے۔ قَامَتْ اور قَعِدَتْ اور فَرِحَتْ اور حَزِنَتْ یا عَلِمَتْ اور ارَادَتْ اگر عورت کے لیے بولتے ہیں تو قَامَ، قَعِدَ، فَرِحَ، حَزِنَ یا عَلِمَ اور ارَادَ مرد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مگر کون نہیں جانتا کہ قیام و قعود، احکام و افعال و احوال جسمانی میں سے ہیں۔ اور فرخ اور خزن اور علم و ارادہ، احکام و احوال و افعال روحانی میں سے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر و انشی روح و جسم دونوں پر برابر شائع ہے۔ اس لیے ان دونوں کو اس حساب علیحدہ رکھ کر ان کے حقوق میں گفتگو کرنی چاہیے۔ اور اسے بھی جانے دیجئے خاص علم و عقل میں عورتوں کا مردوں سے کم ہونا عقل و نقل دونوں سے سب کے نزدیک مسلم۔ یہاں تک کہ عورتوں کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا حدیثوں میں مصرح اور زبانوں پر جاری۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتٍ عَقِلٍ وَدِينٍ أَفْضَلَ
وَالْيَا نَحْيِي دَيْخِي هِيَ حَالَانِ كَمَا تَمَّ عَقْلٌ أَوْ دِينٌ

(بھی ناقص ہو۔)

(بخاری ج ۱ - مسلم ص ۱۱۶)

اور دربارہ شہادت کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ
اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ تَارِجِيًّا فَرَجُلًا وَأَمْرًا
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَحْضَلَ
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى

(پت، بقرہ ۲۵۹ء)

(کو وہ دوسری)

جہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں
میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ
اگر جہوں ہلکے ایک ان میں سے تو یا دلا دے اس

سوا اس سے بھی یہی نقصان عقل بقدر نصت ثابت ہوتا ہے کیونکہ غلالت اصل میں صفت عقل ہے
علیٰ ہذا القیاس تذکر بھی صفات علمیہ اور عقلیہ میں سے ہے اس صورت میں حاصل یہ ہوا کہ نقصان عقل
کے باعث عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی رکھی گئی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ صورت پیش آئی کہ جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مسطور بالا معنی ماریت من ناقصات عقل و دین الخ کو سن کر عورتوں
نے یہ عرض کیا۔

مَا نَقُصَانُ عَقْلِنَا وَ دِينِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ
الرَّجُلِ۔ (بخاری ص ۴۳۲ مسلم مستحب)

(ہماری عقل اور دین میں سے رسول اللہ کیا کمی ہے؟
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کیا
تمہیں معلوم نہیں کہ عورتوں کی گواہی مرد کی گواہی
سے آدھی ہے)

اس پر عورتوں نے اقرار کیا تو پھر یہ فرمایا فذلک من نقصان عقلہا۔ یعنی یہ گواہی کا آدھا
ہونا نقصان عقل ہی کے سبب ہے۔ الغرض آیت مذکورہ اور حدیث مسطورہ کو ملائیے تو یہ بات بڑیکہ
حدیث اسی آیت سے نکل آتی ہے کہ عورتوں کی عقل مردوں کی عقل سے آدھی ہے اور جب عقل یعنی
کمال علمی میں تناصف تو کمال عقلی میں آپ تناصف ہوگا۔

(افعال اختیار یہ علم و عقل سے پیدا ہوتے ہیں) وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال اختیار یہ کا صدور یا
برجہ شوق و محبت ہوتا ہے یا باعث نفرت و خوف یعنی عاقل جب کوئی حرکت اختیار خود کرتا ہے تو
اس میں یا کوئی نفع سوچ لیتا ہے یا کوئی اندیشہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ سوا اس کا حاصل وہی شوق
اور محبت و نفرت ہے۔ سوا ان دو صورتوں کے عاقل کے افعال کے لیے اور کوئی صورت نہیں مگر شوق
و خوف اور محبت و نفرت بقدر علم نافع و مضار ہونا ظاہر ہے کہ مرد دانا شیر اور سانپ سے ڈرتے ہیں
اطفال شیر خوار نہیں ڈرتے وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہاں علم و عقل ہے یہاں نہیں چنانچہ

آیت قرآنی

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

(اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو

سمجھ ہے)

(پٹا فاطر ص ۴)

سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے کہ خوف بقدر علم ہوتا ہے۔

(تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے) | الغرض بعد تسلیم تناصف فی العقل اقرار تناصف

فی العمل آپ لازم ہے اور کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا

اور یہ وہی جنت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پٹا زخرف ص ۶) ان کاموں کے جو کرتے تھے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مدار کار حصول جنت عمل پر ہے اور حدیثوں سے یوں معلوم ہوتا

ہے کہ ہر مرد جنتی کے پاس دنیا کی دو عورتیں بطور ازواج و نکاح ہوں گی۔ غرض جہاں ایک مرد ہو گا وہاں

دو عورتیں ہوں گی اس سے بھی رہی بات نکلتی ہے کہ دو عورتیں مل کر عمل میں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔

بہر حال تناصف فی العقل اور تناصف فی کمال العمل واجب التسلیم ہے۔

(بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم و عمل میں فوقیت | رہی یہ بات کہ بعض مرد کم عقل ہوتے ہیں

رکھنا اسباب خارجہ کی بنا پر ہوتا ہے) اور بعض عورتیں عاقلہ ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

بعض مرد فاسق اور بعض عورتیں ریزہ ریزہ ہوتی ہیں اس قاعدہ میں رخنہ گر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسباب

و موانع خارجہ سے اگر ظہور آثار ماہیت میں کمی بیشی آئی تو مراتب ماہیت اور قدر و قیمت ماہیت

میں تبدیل نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر کسی آئینہ میں گرد و غبار واقع ہو اور کوئی چینی کی رکابی طشتری صاف مصفا

ہو اور اس وجہ سے ظہور نور آفتاب بہ نسبت آئینہ مشرق ایسے رکابی مذکور میں زیادہ ہو۔ تو صفائی میں رکابی

آئینہ سے زیادہ نہ سمجھی جائے گی۔ بالجلد نقصان عقل زمان مقتضایہ مادہ النوشہ ہے اور زیادتی عقل

مرداں اقتضایہ مادہ مذکورہ (ذکرۃ) ہے۔ چنانچہ الف لام کا ال ذکر مثلاً حفظ الانشیء میں

لام جنس ہونا بھی اس پر شاہد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دین کا قصہ سمجھئے سو اگر بالفرض والتقدیر کسی

فرد ذکر میں کمی اور کسی فرد انثی میں زیادتی نظر آئے تو قاعدہ مذکور کے کلیہ ہونے میں اس سے کچھ

رخنہ نہیں پڑتا۔

(چار عورتوں کا ایک مرد کے حق میں نوج | ان سب مراتب کے ملے ہو جانے کے بعد یہ گذارش ہے کہ
کامل قرار پانے کی حکمت) جب عقل و عمل میں عورتیں مردوں سے آدمی ہیں اور پھر

مرد عورت میں ان دونوں کمالات کا حاصل ضرب مطلوب ہے خود یہ دونوں کمالات مذکورہ زنان بہ نسبت
حاصل ضرب کمالات مذکورہ مردان بقدر ربح ہے کیونکہ نصف کو نصف سے صرف دیکھتے تو یہی ربح (م)
مائل ہوتا ہے۔ اس لیے ایک عورت ایک مرد سے (نکاح میں) بقدر ربح سمجھی گئی اور چار عورتیں مل کر
اس کے حق میں زوج کامل قرار پائیں۔ مگر چونکہ ہر کسی کو اپنے حق کے نہ لینے یا اپنے حق کے چھوڑ لینے
کا اختیار ہوتا ہے اور اپنے حق سے زیادہ لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس لیے مرد نکاح نہ کرنے اور
چار سے کم نکاح کرنے کا مجاز۔ درمختار رہا۔ یہ چار سے زیادہ اختیار اس کو نہ ملا۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی عورتوں کی نسبت مقدار علم و عمل | لیکن یہ بات بھی یاد ہوگی کہ امت
میں بمنزلہ مصدر اور صادر، منشاء اور وصف انتزاعی کے ہیں) کی چار عورتیں مل کر اگر امت کے

ایک مرد کے مساوی ہو جاتی ہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ باہم اصل مرد و زن امت میں تجانس تھا۔ اگر فرق
تھا تو فرق مقدار تھا جس کے رفع کرنے کے لیے عورتوں کی جانب عدد اربع کی ضرورت پڑتی اور ذات پاک شہ
لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور زمان امت میں اس قسم کا فرق نہ تھا جس کو مقدار زمان کا کم و بیش کر دینا رفع کر
سکے بلکہ وہ فرق تھا جو مصدر اور صادر اور علت اور معلول اور منشاء انتزاعی اور وصف انتزاعی میں ہو کرتا
ہے اور تجانس بھی وہی تجانس تھا جو حقائق مذکورہ میں باہم ہوا کرتا ہے۔ یعنی وہ تجانس جو اندواج اور ذاتیت

کے لیے ضرور ہے چنانچہ مفہوم زوجیت ہی اس پر شاہد ہے از قسم تجانس مردان و زنان امت نہ تھا بلکہ نہ
قسم تجانس علت و معلول وغیرہ تھا۔ غرض وجہ فرق فیما بین حضرت شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مردان امت
موجود و بارہ تعدد ازواج یہ ہے کہ وہاں اور طرح کا تجانس ہے یہاں اور طرح کا تجانس ہے۔ یہاں تعدد
زمان کی کمی بیشی موجب تساوی ایک مرد چار زن ہو سکتی ہے اور وہاں اس سے کام نہیں چل سکا۔ کیونکہ
ایک علت اور ایک منشاء انتزاعی کے مقابلے میں سارے معلول اور تمام انتزاعیات بھی درجہ تساوی
نہیں رکھتے۔ ایک آفتاب کے آگے سارے جہاں کی رصو ہیں گرد ہیں۔ ہاں یوں کہئے کہ آفتاب یا گرہ
شعاع کا جوڑا اگر مل سکے تو وہ جوڑا ہی مل سکے۔ چاند کی چاندنیوں اور آگ کی گرمیوں سمجھیں مل سکا غرض اگر علت
اور منشاء انتزاعی کا نکاح اور ازواج ہو سکتا ہے تو بشرط قابلیت اپنے معلولات اور انتزاعیات ہی

سے ہو سکتا ہے اور کسی علت یا اس کی معلومات یا اور کسی منشاء انتزاع یا اس کی انتزاعیت یا کسی اور
مصدر اور اس کی صادرات سے نہیں ہو سکتا۔

مگر جیسے اس صورت میں یہ فرق فیما بین حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مردمان امت
مرحوم معلوم ہوا ایسے ہی فرق دوام حیات حضرت سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات والتسلیم
وعدم دوام حیات ہے۔ کیونکہ دربارہ کمالات روحانی آپ کا علت اور منشاء انتزاع اور مصدر ہونا ایسا
اس بات کو مقتضی ہے کہ آپ کو دربارہ نکل حد اربع میں محدود و مقید نہ رکھیں۔ ایسے ہی آپ کا علت
اور منشاء انتزاع اور مصدر ہونا اس بات کو مقتضی ہے کہ آپ کی حیات روحانی اور حیات جسمانی دونوں
قائم دائم رہیں کبھی انفکاک و زوال کی نوبت نہ آئے۔

(حاصل کلام) | اس صورت میں خطاب فَاذْكُرُوا اور خطاب يُؤْصِيكُمْ اللہ آپ کو بطور مطلق خارج
لکنا اور ان احکام میں تفاوت معلوم کا ہونا ایک ہی وجہ پر مبنی اور متفرع ہیں۔ مگر چونکہ نکل حیات
حیات اور میراث اتفاقات ممات میں سے ہے اس لیے اول کو اول رکھا اور دوم کو دوم ذکر کیا۔
اس تقریر سے بطلان مقدمہ ثانی منجملہ مقدمات ثلاثہ بھی۔ بعد تنقیح میراث کے لیے کہ اول ان کا ثابت ہونا
ضروری تھا۔ روشن ہو گیا۔ یعنی یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ خطاب يُؤْصِيكُمْ اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم داخل نہیں اور جب آپ اس خطاب میں داخل ہی نہیں تو پھر شیعوں کو طعن میراث کی کیا گنجائش
ہے جو اہل سنت کو فکر جواب ہو۔

(ربنا میراث کی تیسری شرط کا فقدان) | مگر ہاں مقدمہ ثالثہ ہنوز قابل تحقیق ہے۔ اس لیے کسی قدر
اور تکلیف تحریر کی حاجت ہے۔

(فدک مال فے تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملکیت تھا) | یعنی اب اس بات کی تیض ضروری
ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی فدک مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا یا نہ تھا۔ سو ہم سے پوچھئے مگر گوش ہوش
سے سنئے اور پنیہ غفلت سے اور چرک تعصب کے گوش عقل کو اول پاک کر لیجئے۔ بشادت کتب فریقین
قریب فدک منجملہ فے تھا۔ منجملہ غنیمت نہ تھا اور بشادت قرآنی زمین فے منجملہ اموال غیر مملوکہ ہوتی ہے
کسی کی ملک اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتی۔ سینوں کے لیے نووی شرح مسلم کی عبارت اور شیعوں
کے لیے کلینی کی روایت اس کے ہونے کے لیے کافی ہے۔

اول اہلسنت وجماعت کو شاد کام کرتا ہوں۔ پھر شیعوں کی آنکھیں کھولی جائیں گی۔

(فدک مال سے قبل ہے اہلسنت اس کا ثبوت) علامہ نووی جلد ثانی شرح مسلم کے باب حکم الفی

میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

قال القاضي عياض في تفسيره صدقات
النبي صلى الله عليه وسلم المذكورة
في هذه الأحاديث قال صارت إليه بشارة
حقوق أحد ما وحب إليه صلى الله عليه
وسلم وذلك وصية مخير بين اليهودي
له عند اسلامه يوم أحد وكانت بيع
حوائط في بني النضير وما أعطاه الانصار
من ارضهم وهو ما لا يبلغه الماد وكان
هذا ملكا له صلى الله عليه وسلم
الثاني حقه من الفئ من ارض بني النضير
حين اجدهم كانت له خاصة
لانها لم يوجت عليها المسلمون
بغني ولا ركاب واما منقولات
اموال بني النضير فحملوا منها
ما حملته الابل غير السلاح
كما صا لجههم ثم قسم صلى
الله عليه وسلم الباقي بين المسلمين
وكانت الارض لنفسه ويخرجها في
نواب المسلمين وكذلك نصف
ارض فدك صالح اهلها بعد فتح

وقاضي عياض فرماتے ہیں کہ احادیث میں مذکور حضور علیہ
الصلوة والسلام کے صدقات کی تین قسمیں ہیں ایک وہ
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کئے گئے جیسے غزق و سبلی
یہودی نے احد کے دن اسلام لاتے وقت جائیداد کے
ہبہ کی وصیت کر دی تھی وہ بنو نضیر میں سات بارغ
تھے۔ اور جو کچھ انصار نے پانی سے سیراب نہ ہو سکے
والی زمین آپ کو ہبہ کر دی تھیں اور یہ آپ کی ملکیت
تھیں۔ آپ کے حق کی دوسری قسم بنو نضیر کا وہ مال
جسے عمر بنیاد ہے جب ان کو جلا وطن کیا تھا یہ آپ
کا خاص تھا کیونکہ مسلمانوں نے ان پر گھوڑے نہیں ڈالے
اور لشکر کشی کی تھی۔ سب بنو نضیر کے اموال منقولہ تر جیاد
کے علاوہ بنو نضیر نے اونٹوں پر لاوا۔ جتنی مقدار اونٹ اٹھا
سکتے تھے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ جیسا کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کی تھی۔

اور باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں
تقسیم کر دیا۔ اور زمین اپنے قبضے میں رکھی۔ اور آپ
اس کی پیداد کو مسلمانوں کی مشکلات میں خرچ کرتے
تھے۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد فدک والوں نے اسی
زمین بطور صلح دے دی وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے خاص قبضے میں تھی اسی طرح وادی قریہ کھنہانی

خبر علی نصف ارضها وکان خالصاً له
صلی اللہ علیہ وسلم وكذلك ثلث
ارض وادی القرى اخذه فی الصلحین
صلح اهلها الیہود وكذلك حصان
من حصون خیبر وھا الوطیع واسلام
اخذھا صلحاً الثالث سهمہ من خمسہ
خیبر وما افتتح عنوة۔ انتہی مقام الحجۃ

(فہرست شرح مسلم ص ۹۲)

اس عبارت سے صاف روشن ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی زمین فدک منجملہ اموال و اراضی تھے جنہیں
خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خریدی ہوئی یا کسی کی ہبہ کی ہوئی نہ تھی اور ہماری غرض اس وقت اتنی
ہے کہ زمین فدک منجملہ اراضی تھے ہے مگر چونکہ اس بات کا ثابت کرنا کہ فدک منجملہ تھے تھی اس غرض سے
تھا کہ فدک کو مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے جو میراث کا احتمال ہو یا ہبہ کا کسی کو خیال ہو
پہنچانے انشاء اللہ عنقریب ہی یہ عقد حل ہوا چاہتا ہے تو بہ نسبت حقوق خمس بھی اب کسی کو خیال
ملک کی گنجائش رہی کیونکہ مصارف خمس اور مصارف فقہ ایک ہی ہیں۔ اور انداز بیان ایک ہے۔

آخر عبارت یہ ہے

لہ فکانت ہذہ کلہا ملک الرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃً لاحق فیہا لاحد غیرہ
لکنہ صلی اللہ علیہ وسلم کانتا تشر بہا بل ینفقہا
علی اہلہ والمسلمین وللمصلح العامۃ وکل
ہذہ صدقات محرمات التملک بعدہ۔

واللہ اعلم (شرح مسلم ص ۹۲)

یہ سب اموال و اراضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملکیت
تھیں کہ ان میں کسی کا حق نہ تھا لیکن حضور علیہ السلام علیہ الصلوٰۃ
خود خرچ نہ کرتے تھے بلکہ اپنے عیال پر اور مسلمانوں پر اور
ضروریات عامہ میں خرچ کرتے تھے یہ کل صدقات وہ
ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کا (بطور وارث و وصی)۔
ملک بننا جائز ہے۔

عبارت کے آخری الفاظ محرمات التملک بعدہ مدعی پر واضح دلیل ہیں اور یہ کہ ملکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
سے مراد خصوصی حق تصرف ہے۔ ۱۲ مہر محمد۔

فے میں اگر تین لام (داخل برحقین) تھے تو یہاں بھی وہی تین لام آیت میں موجود ہیں۔ دیکھ لیجئے۔
 وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ
 لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
 وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
 (اردو جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سوائے
 کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے
 واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور

رہا ہوں اور مسکینوں کے واسطے م
 (پ کا انفال ۱۵۷)

غرض وہ دلائل جن سے فے کا غیر مملوک ہونا ثابت ہو گا انہیں دلائل سے غس کا غیر مملوک ہونا
 نکلتا ہے۔ ہاں بہ نسبت اموال محبوبہ البتہ یہ خیال بجا ہے لیکن اول تو بعد ثبوت حیات جہانی حضرت
 رسول الثقلین و ظہور خصوص خطاب یُوصَّيْكُمْ اللّٰهُ نسبت امت مرحومہ مملوکیہ اموال محبوبہ وغیرہ
 شیعوں کو کچھ مفید نہیں۔ بایں ہمہ ہم سے ظاہر ہیں اگر اے ہی ملک و محل میراث سمجھیں تو سمجھیں یہ حضرات
 انبیاء علیہم السلام خصوصاً سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ملک کو اولاً وبالذات اپنی ملک نہیں سمجھ سکتے
 ورنہ ان کی وہ حقیقت شناسی پھر کس دن کے لیے ہوگی۔

دو وجہ کمال عقل انبیاء علیہم السلام اپنے مقبوضہ اموال کو مال مستعار | اول تو یہ بات کہ ملک خداوندی اور ملک
 سمجھتے ہیں اور مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہوتی | عباد میں وہ نسبت ہے جو ملک مالک
 اصل اور قبضہ مستعیر میں ہوتی ہے دیکھنے والوں کو ان اوراق سے عیاں ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ
 یہ بات انبیاء پر خاص کر سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم و علیہم وآلہ اجمعین پر اسی طرح واضح ملتی جیسے
 آفتاب نیروز۔ پھر وہ کس طرح اموال مقبوضہ کو اپنا مال سمجھیں جو حقوق ورثہ کی اس میں گنجائش نظر آئے۔
 یہ بات اپنے مال میں ہوتی ہے مال مستعار میں نہیں ہوتی۔ ہاں اُمّیوں کی نظر ایسی تیز نہیں ہوتی جو
 ایسے حقائق و حقائق کو سمجھیں وہ اس بات میں مثل اطفال خورد سال ہوتے ہیں کہ کسی بڑے بلکے کی چیز
 بھی ہاں آتی ہے تو آپ کے رہنا تو کجا مالک چیز بھی اگر لینا چاہے تو وہ گریہ زاری کریں جس سے
 مالک ہی کو یہ ہم پوشی اور ترک طلب کرنی پڑے۔

بالجملہ وجہ کو تاہ نظر فی امت۔ خداوند کریم چشم پوشی فرماتے ہیں اور میراث کے جاری ہونے
 سے منع نہیں فرماتے۔ ہاں انبیاء کو بوجہ کمال عقل ایسی مہٹوں کی گنجائش نہیں جو ان کے راجح ملک پہنچے
 علاوہ بریں بہہ مخیر لقی یہودی بوجہ اعتقاد رسالت تھا۔ اس صورت میں یہ بہہ حقیقت میں نظر خداوندی

ہو اور وہی عامل نکل آیا جو بہ نسبت اموال فقے باشارہ کلمہ فیلثہ معروف مل ہو چکا ہے۔ الخضر جیسے الطال
خورد سال کو ان کے والدین کی وجہ سے اگر کچھ بہرہ کیا جاتا ہے تو ان کے والدین ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے
یہی بہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ اعتقاد مذکور نذر خداوندی سمجھا جائے گا۔

فدک مال فقے ہے شیعوں سے اس کا ثبوت۔ اخیر یہ بات تو ہو چکی اب عبارت کلینی بھی دیکھتے ہیں
سے فدک کلمے ہونا شیعوں کو اپنے اعتقاد کے موافق بھی ظاہر ہو جائے تو دفع الزام شیعوں کے لیے اہل سنت
کو اپنی ہی روایات کافی نہیں اور قبل ثبوت غلطی روایات محدثان و مؤرخان اہل سنت پھر شیعوں کو گناہ
دعویٰ نہ تھی۔ کلینی کے باب الفی والاعمال و تحسیر الخمس و حدودہ میں یہ روایت ہے۔

عن علی بن محمد بن عبد اللہ عن بعض اصحابنا و اظنتہ السیادی عن علی بن
اسباط قال لما ورد ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام علی المہدی راہ یرد المظالم
فقال یا امیر المومنین ما بال مظلمت لا ترد فقال له و ما ذاک یا ابا الحسن
قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لما فتحہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک و
ما والاہا لم یوجف علیہ بنیل و لا رکاب فأنزل اللہ علی نبیہ و آت
ذالقرنی حقہ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہم فراجع فی ذلک
جبریل علیہ السلام و راجع جبریل رید فاجی اللہ الیہ ان ادفع فدک الی
فاطمۃ علیہا السلام فدعاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال
(شیعوں سے روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم مدنی کے پاس یہ دعویٰ لے کر آئے کہ امیر المؤمنین ہمارا حق ہیں کیوں نہیں دیا یا امام مدنی نے کہا وہ کیا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر جب فدک اور اس کے مضافات کو فتح کیا جس پر مسلمانوں نے لشکر کشی نہیں کی تھی تو اللہ نے یہ آیت اپنے نبی پر اتاری کہ رشتہ دار کو اس کا حق دو) حالانکہ آیات ملکی ہیں تو حضور علیہ السلام نہ جان سکے کہ وہ رشتہ دار کون ہیں پس مراجعت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باتے میں جبریل علیہ السلام سے جبریل علیہ السلام نے اللہ سے جا کر پوچھا تو اللہ نے وحی بھیجی کہ یہ فاطمہ کو دے دو تو حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک تجھے دے دوں حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں نے اللہ اور آپ کی طرف سے قبول کر لیا۔ حضور کی زندگی میں حضرت فاطمہ کے وکیل قابض ہے۔ جب ابو بکر ظیف ہوئے تو

لَهَا يَا قَاطِلَةُ إِنَّ اللَّهَ اصْرَفَ لِي أَنْ أَدْفَعَ إِلَيْكَ
فَذَكَ فَفَقَاتَتْ قَدْ قِيلَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ
مَنْ اللَّهُ وَمَنْكَ فَلَمْ يَزَلْ وَكَلَّهَا
فِيهَا حَيَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَلَمَّا وَلِيَ الْبُيُوتُ أَخْرَجَ عَنْهَا وَكَلَّهَا
فَأَسْتَهَ فَنَالَتْهُ أَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهَا
فَقَالَ اسْتَيْتِي بِأَسْوَدَ وَاحْمَرِي شَهْدًا
يَذُكُّ لَكَ فَجَاءَتْ يَا مِيرَاثُومَنِينَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ وَأَمَّ أَيْمَنَ فَشَهِدَ لَهَا فَكُتِبَ
لَهَا بِفَرْكَ الثَّغْرِ مِنْ فُتُوحَاتِ
الْكِتَابِ مَعَهَا فَلَقِيَهَا عَمْرُ فَقَالَ
لَهَا مَا هَذَا مَعَكَ يَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ
قَالَتْ كِتَابُ كُتِبَ لِي ابْنُ ابْنِ قُحَافَةَ
قَالَ أَرَيْتِيهِ قَالَتْ فَانْتَرَعَهُ مِنْ
يَدِهَا وَنَظَرَ فِيهِ ثُمَّ تَفَلَّ
فِيهِ وَمَحَاهُ وَخَرَقَهُ فَقَالَ لَهَا
هَذَا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْبُوكُ بِجَنِيلٍ
وَلَا رِكَابٍ فَضَعِيَ الْحَبَالُ فِي رِقَابَتِهَا
فَقَالَ لَهُ الْمُهَدِي يَا ابْنَا الْحَسَنِ حُدِّهَا
لِي فَقَالَ حُدِّ مِنْهَا جَبِيلٌ أَحَدٌ
وَحُدِّ مِنْهَا عَرِيشٌ مَصْرُوحٌ مِنْهَا
سَيْفُ الْبَحْرِ وَحُدِّ مِنْهَا دَوْمَةٌ
الْجَنْدَلُ فَقَالَ لَهُ كُلُّ هَذَا قَالَ

ان دیکھو کہ کس نے دیکھ کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ والہیں روئے
حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا کہ
کالا اور گورا گواہ لاؤ۔ آپ امیر المؤمنین اور ام المومنین
کو لائیں انہوں نے گواہی دی ابو بکر صدیقؓ نے لکھ
دیا کہ فاطمہؓ سے ذک کے معاملے میں نزاع نہ کیا جائے
آپ خط لے کر ہی تھیں تو عمرؓ نے تو پوچھا یہ کیسے؟
فرمایا ابن ابی قحافہؓ نے لکھ کر دیا ہے عمرؓ نے کہا مجھے
تو دکھاؤ آپؓ نے انکار کیا تب حضرت عمرؓ نے جبین
لیا اور دیکھ کر اس میں غم کو دیا اور نوشتہ مٹا کر بھاڑ
دیا اور کہا یہ وہ جائز ہے کہ اس پر آپ کے والد بزرگوار
نے شکر گشتی نہیں کی تھی تو ہماری گردن میں یہی حال
ہے تو مہدیؑ نے کہا اے ابوالحسن! مجھے ذک
کی مدد دی بتائیں تو ہم نے فرمایا ایک سُر اُمَد
کا پہاڑ ہے دوسرا مصر کا عریش ہے ایک کنارہ
سيف البحر ہے اور دوسرا کنارہ دَوْمَةُ الْجَنْدَل
ہے یعنی سلطنت عباسی کا تقریباً سدا رقبہ
مہدیؑ نے کہا سب؟ ام نے فرمایا ہاں اے امیر المؤمنین
یہ سب وہ ہے جس پر رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کوئی شکر گشتی نہیں کی تھی مہدیؑ نے کہا یہ تو بہت
ہے اچھا غور کروں گا (انتہی)

نعم يا امير المؤمنين ان هذا كله
مما لم يوجف على اهل رسول الله
صلى الله عليه وسلم بخيل ولا ركاب

فتال كثير انظر فيه . انتهى ، ركافى كليني ص ۱۱۱ مطبوعه طهران ۱۰

اس روایت بے سرو پائے اگرچہ بطور مشتے نمونہ از خروارے حسن و خوبی و غیر روایات شیعوں عیاں ہے۔
اہل بیت کا ہنر، دم و فات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ایسا (مختی) نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ پھر اس پر جو
بحدود مذکورہ کرنا عہد سلطنت کا اس وقت اقرار کرنا ہے مگر ہم کو شیعوں کی تغلیط سے اس وقت کچھ ہاتھ
نہیں آتا جو یوں کہئے کجا فذک کجا کجا یہ حدود؟ کجا اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کجا یہ ثروت؟
اس وقت ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاریب فذک منجملہ فئے اور از قسم میثاکہ
یُوجَفُ عَلَیْہِ بَخِیلٌ ہے۔

اراضی فئے کسی کی مملوکہ نہیں بلکہ حسب ارشاد | لیکن جب قریہ فذک کا مسجد اموال فئے ہونا بشارات
خداوندی اس کی آمدنی قابل ملک ہے | کتب فریقین ثابت ہو گیا تو اب اس بات کا اثبات
باقی رہا کہ اراضی فئے قابل تعلق ملک نہیں۔ البتہ مثل اوقاف ان کی آمدنی قابل تعلق ملک ہے اس لیے
یہ گزارش ہے کہ خداوند کریم اپنے کلام صادق میں یہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا
أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يُبْطِلُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَن
يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ
الْقُرْبَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے رسول پر ان سے جو
تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ
ولیکن اللہ ظہر دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر
چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔
جہاں لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر بقیوں والوں سے سوا اللہ
کے واسطے اور رسول کے اور قربت والے کے بقیوں کے اور محتاجوں

لے شیعوں کی روایت مذکورہ اگرچہ بے سرو پائے لیکن ہمارے لیے مفید مطلب ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین کی حدود
مملکت کی وسعت اور عہد کی پر دلالت کرتی ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمالی۔

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ ۚ وَارْزُقُوا الْبَنِيَّانَ ۚ لَا يَكُونُ
دَوْلَةً بَيْنَ الْأَقْبِيَاءِ ۚ مِنْكُمْ وَمَا أَتَاكُمْ
الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
وَالْفُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ قَضَاءً
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ
أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْوَفْقُ ۚ وَالَّذِينَ
تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ
مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي
صُلُوبِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا
وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوَفِّقْ شَيْخًا
فَنُفِ بِهِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْمُفْلِحُونَ
وَالَّذِينَ جَاءُوا وَلَمْ يُؤْمَرُوا بِشَيْءٍ
رَّبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي
قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ
رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (آپ حشر ۱)

کے اور مسافر کے تاکر آئے لینے بیٹے میں دولت
مذوں کے تم میں سے اور جو تم کو رسول سنا
اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو
اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ واسطے
ان غفلوں و ظن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے
آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے و عزت
آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی اور
مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ
وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ قبلہ پہلے ہیں اس گھر میں
اور ایمان میں ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں اس
سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے
اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے
اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ
ہو اپنے اوپر فاقہ۔ اور جو کوئی بچا یا گیا اپنے جی کے
لہج سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے اور واسطے
ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اب
رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے
داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمکے دلوں میں
بیر ایمان والوں کا ہے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان

مکافآء اللہ میں کلمہ ہے | جو لوگ کہ سیاق و سباق آیات مسطورہ سے واقف ہیں وہ خوب
جانتے ہیں کہ مکافآء اللہ سے مراد اراضی ہیں۔ احوال مقولہ
شیں کیونکہ ما ایک کلمہ مبہم ہے۔ بخیر ذریعہ العقول میں عام سے عام اور خاص سے خاص پر بول سکتے ہیں۔
اگرچہ باعتبار معنوم کلمہ مانع صلہ اس خاص کو کلی ہی کہیں مگر جیسے انحصار فی فرد واحد کلیت معنوم

کے مخالف نہیں ایسے ہی مخصوص مصداق کلمہ اس کے مفہوم کے غلوم کے مخالف نہیں۔ بہر حال یہ کلمہ ذاتِ مجہم ہے اس لیے صلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اگر صلہ سے بھی بوجہ تمام رفع ابہام نہ ہو سکے اور نہیں ہو کر تا تو یقیناً تمام کے لیے اور قرائن کی ضرورت ہوگی اگر کوئی کسی کو روپیہ سے کرما اَعْطَيْتُكَ فَاَنْفَقَهُ عَلَى عِيَالِكَ مثلاً کے تو صلہ نہ کور سے یہ معلوم ہوگا کہ روپیہ دیا یا کچھ اور۔ ہاں قرائن خارجہ سے البتہ یہ بات معلوم ہوگی سو یہاں بھی صلہ آفائے سے یقیناً حقیقت و ماہیت معلوم نہیں ہوتی البتہ آیت۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ (پہلے حشر ۱)
 روپیہ ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں ان کے گھروں سے)
 اور آیت یُخْرِجُونَ بَنِيكُمْ رَاجِعًا ثَمَرًا لَمْ يَنْتَهِ

اور آیت وَلَوْ لَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَزَاءَ
 (اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلا وطن ہونا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ارضی ممالک میں اموال منقولہ مراہم نہیں۔

مال غنیمت اور مال فتنے میں فرق) اس کے بعد یہ عرض ہے کہ آیت اولیٰ میں جو یہ ارشاد ہے
 مَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْدٍ إِلَّا أَهْلُ فِتْنَةٍ كُفِّرُوا كَسَبَهُمْ كُفْرًا كَبِيرًا
 وغیرہ کا اس میں کچھ حق نہیں یعنی جیسے لشکر کشی کی صورت میں بڑے لشکر کچھ زمین مال وغیرہ ہاتھ آتا ہے اور اس وجہ سے غنائم اور غازیوں کا اس میں استحقاق ثابت ہو جاتا ہے ایسی طرح اموال فتنے کو نہ سمجھنا چاہیے۔

القصہ علت ملک یعنی قبضہ اگر بزرگ بازارے لشکر حاصل ہو تو لشکر مال مقبوض میں شریک ہوگا۔
 اور اگر لشکر کو نوبت جدوجہد نہیں آئی بلکہ فقط فضل خداوندی قدر قبضہ قبض ہو گیا ہے تو پھر ملک خدا ہی کا ہے گا کسی اور کی ملک نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس وجہ سے انہی لوگوں کو اس کی آمدنی دینا ضرور ہوگا جو خدا کے نام پر ملیں گے اور اس کے نام لگے ہوتے ہیں۔

(فے میں مصارف کی تفصیل) | چنانچہ آیت ثانیہ میں جو مصارف اموال فتنے کی تفصیل بیان فرمائی تو بعینہ یہ بات اس سے نکلتی ہے فرماتے ہیں۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا

چونکہ خداوند کریم کھانے پینے کا محتاج نہیں۔ اور نہ کوئی خاص مصرف مصارف خیر میں سے ایسا نہیں کہ اسی کو خدا کا مصرف کہہ سکیں اور سوا اس کے اور مصارف خیر کو نہ کہہ سکیں اس لیے کلمہ فلسفہ فقط اسی جانب مشیر ہو گا کہ اموال فقہ ملک خاص خداوندی ہے یعنی باعتبار ظاہر جیسے اور اموال کو جو بیع شراب وغیرہ اسباب ملک سے حاصل ہوں باوجود مملوکیّت خداوندی اوروں کا مملوک بھی کہتے ہیں اس طرح اموال فقہ میں سوا خداوند مالک الملک اور دینی طرف اقتساب درست نہیں ہاں اگر خداوند پاک لغو باللہ نہ خورد و نوش کا محتاج ہوتا یا مصارف خیر میں یہ تفریق ہوتی کہ یہ خدا کا مصرف ہے اور یہ نہیں تو البتہ پھر مثل اصناف باقیہ خداوند کریم بھی حصہ ششم کا شریک ہوتا۔ مگر جیسے خدائے پاک کا خورد و نوش سے پاک ہونا ظاہر باہر ہے ایسے ہی عدم تخصیص بھی کسی مصرف کے لیے سب کے نزدیک مسلم اگر نیت اچھی ہے تو جیسے مسجد کا بنانا مثلاً خدا کا کام ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اصناف باقیہ کو بھی بشرط نیت خیر کھانا پلانا خدا ہی کا کام ہے۔ اس صورت میں مفاد کلمہ فلسفہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ خانہ مالکیّت میں باعتبار ظاہر بھی خدا ہی کا نام لکھا جائے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فقہ میں درجہ متوسط | اس کے بعد فرماتے ہیں وَلِلّٰہِ سُلُوسُ مِمَّا فِی السَّامٰوٰتِ وَمِمَّا فِی الْاَرْضِ اَلَا تَعْرِضُ لِحُكْمِ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ اُمُّ الْوَحٰیءِ) حاصل ہے یعنی آپ متولی بھی ہیں اور مصرف بھی) میں جن سے اہل فہم کو بعد مرتبہ مالکیّت دو اور مرتبوں کی خبر ملی جس میں سے مرتبہ استحقاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ استحقاق خداوندی سے کم اور مرتبہ استحقاق ذوی القربیٰ وغیرہم سے زیادہ ہونا چاہیے سو ایسا مرتبہ جو متوسط بین المرتبتین اور یقیناً کے توسط دو حمتیں ہو وہ تو مرتبہ تولیّت مع مصرفیت ہے کیونکہ لحاظ تولیّت تو مرتبہ فوقانی یعنی مرتبہ مالکیّت سے جو مشابہ ہے خداوند مالک الملک ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور لحاظ مصرفیت مرتبہ استحقاق احتیاج کے ساتھ مشابہ ہے جو ذوی القربیٰ وغیرہم کے ساتھ مشابہ ہے اور یہ مرتبہ متوسط شان رسالت کو مناسب بھی ہے۔ اس لیے کہ کلمہ رسول ایک تو معنی خلافت و نیابت خداوندی پر دلالت کرتا ہے جس کے لیے تولیّت کا ہونا بجائے خود ہے اس کے لیے شاید کی ضرورت ہے تو سنیے کہ

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیّت کی مثال) | مسجد خدا کے لیے مخصوص ہے بایں ہر وجہ خلافت حضرت آدم علیہ السلام سجود بن گئے اگرچہ ان کا سجود ہونا ایسا تھا جیسا اب خانہ کعبہ سجود رجعت سجود ہے۔

یعنی جیسا کسی نے کہا ہے ع قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام مثل دیوار کعبہ مکرمہ قبلہ جہت وتوجہ الی اللہ میں۔ بالذات خود سجود نہیں۔ غرض
جیسے حضرت آدم علیہ السلام قائم مقام اور خلیفہ علیم وعلام ہوئے اور اس وجہ سے آداب عبودیت باعتبار ظاہر
ان کے لیے ایسی طرح تجویز کئے گئے ہیں جیسے قائم مقام حاکم بالادست کے لیے آداب منہ بالادست تجویز
کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ قائم مقام حال کسی عہد و ماتحت سے برائے چندے اس عہدے پر آیا ہو ایسا ہی قائم مقام
خدا کے مالک الملک کے لیے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مرتبہ تولیت اموال خاص مملوک
خداوندی جو خلافت مالکیت ہے مقرر ہوا اور آداب مرتبہ مالکیت یعنی مستعمل ہوا۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔
اور جو کچھ تم کو رسول سوسے لو اور جس سے منع کرے
سو چھوڑ دو۔

جس سے آپ کا (قائم مقام ہونے کی وجہ سے بطور نیابت) ہر طرح مختار ہونا اور باختیار خود تصرف
کرنا اور اوروں کا آپ کے سامنے (اغذ غنیمت اور وصول احکام میں) دست نگر ہونا ثابت ہوتا ہے۔
آپ کے لیے تجویز کیا گیا۔ اہل ظاہر ہے کہ آداب مالکیت یہی دست نگر ہی اور چوں و چرا کا اس کے سامنے
نہ کرنا ہے۔ باقی یہ فرق کہ یہاں قائم مقامی لمحاظ مالکیت ہے اس کے لیے یہی قرینہ بہت ہے کہ اموال
کی نسبت فلیشہ شرعیہ ہے۔

(آیت اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت
اور علم میں نیابت خلافت پر دلالت کرتی ہے)
اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ رِثَافَ النَّاسِ ع۔ لا حکم الا للہ والرسول
ماتو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں) اس نیابت و خلافت خاص کر خلافت علم پر دلالت
کرتا ہے۔ حکومت کی خلافت کا ہونا تو خود ظاہر ہے۔ ہاں خلافت علم شاید اس آیت سے سمجھ میں
نہ آئی ہو اس لیے یہ عرض ہے کہ مثلاً حکومت و امر و نہی خود بھی علم مصلح اور مضار مامور ہوتا ہے
چنانچہ طبیب کی اطاعت اسی وجہ سے سر و صرت ہے۔ اس لیے جو حاکم کہ مصلح و مضار رعیت
سے واقف نہ ہو۔ اور اگر واقف ہو تو علم مصلح و مضار کے موانع امر و نہی نہ فرمائے ہر کس و ناکس اس
کو قابل عزل سمجھتا ہے اور بوجہ ظلم اس کی حکومت کے کوئی راضی نہیں ہوتا۔

(اس امت کے لئے سجدہ تعظیمی) | ہاں جیسے بیمار کو بخیاں صنعت و ناتوانی بوجہ اندیشہ حضرت واز و یاد مرض
 ممنوع ہونے کی حکمت) | اس کے پیر و استاد اور ماں باپ وغیرہ و محدومان ذوی الاستحرام اپنی
 تعظیم و توقیر سے منع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایامِ صحت میں کبھی منہج ذکر کیا تھا ایسے ہی رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا روزگار اور امت مرحومہ کو بوجہ صنعت عقول اپنی اس تعظیم سے جس کو سجدہ
 کیئے اور بدوئے انصاف بوجہ خلافت تادم حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ آپ اس کے مستحق
 تھے منع فرمایا تاکہ یہ تعظیم انجام کار موجب شرک نہ ہو جائے جو امر ارض و معالی اور قلبی میں سب سے بڑا
 مرض ہے۔

بایں ہمہ آداب عمدہ اگر کسی وجہ سے کسی زمانہ میں وہ نہ رہیں جو اول مقرر تھے تو کچھ عرج نہیں
 خود عمدہ اور اس کی کارگزاری چاہیے خاص کر جب کہ عمدہ دار خلافت و نیابت ولی عمدہ خود
 آداب مذکور بایں لحاظ موقوف کر دے کہ کوئی مجھ کو بادشاہ سمجھ لے۔ تو اس صورت میں یہ بات تو نظر
 بادشاہ میں موجب مزید رخصت ولی عمدہ و خلیفہ و نائب ہوگی کو ظاہر بینان کم فہم کیفیت ظاہرہ کو
 دیکھ کر کچھ اور سمجھ بیٹھیں۔ الغرض اگر بعض آداب مذکور خلافت موقوف ہیں تو کچھ عرج نہیں کار عمدہ
 خلافت موجود ہے۔

(خلافت کے ساتھ تولیت ایک لازم شجرہ ہے) | از ائجد تولیت ہے۔ کیونکہ مالکیت قبض و
 تصرف و اختیار داد و دہش ہوتا ہے تو تولیت میں یہ سب موجود ہے اس لیے باقتضا بمضمون
 رسالت جیسے اقرار خلافت ضروری ہے ایسے ہی تسلیم کار عمدہ خلافت اعنی تولیت بھی لازم ہے
 علاوہ ہمیں بیعت خلافت جیسے بیعت اور نذر تحت نشینی ہر مذہب و مزار سے نہیں لی جاتی بلکہ الٰہی
 سلطنت اور رؤسار بادشاہت سے لی جاتی ہے۔ ایسے ہی سجدہ خلافت ملائکہ سے لیا گیا جو ملائکہ
 درگاہ والا خداوندی تھے اوروں سے نہ لیا گیا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کار رسالت ہی کے کام میں) | مگر چونکہ تاکید سجدہ مذکور بایں وجہ زیادہ ہوئی
 معروف و مقید ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مالِ حق کے
 ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا) | کہ بشارات جملہ محسن نسیب و بحدک
 کے امیدوار تھے اور اس وجہ سے ان کا سجدہ اوروں کے رفع اشتباہ کے لیے کافی ہو گیا تو اب

اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اولاد بنی آدم کو ملائکہ مسجد کریں کیونکہ وجہ ٹھکانہ خیال فضیلت نوع ملک مغضرت
نوع بشر تھا جب وہ خیال ہی نہ رہا۔ تو اب کیا حاجت ہے۔ نوع وہی کی وہی ہے۔ باپ ہو یا بیٹا
ہو اس صورت میں یہ ٹھکانہ ایسا ہو گا جیسا فرض کریں اس شخص سے جس کی فضیلت اور لیاقت سلطنت
میں کسی کو تامل ہو بعد تسلیم ہر روز وہ شخص بیعت کیا کرے بالجملہ رسالت و نیابت کیلئے بعد حضرت
آدم علیہ السلام مسجد کی حاجت نہیں۔ مگر جیسے رسالت کو خلافت لازم ہے اور کیوں نہ ہو اگر بادشاہ
کسی شخص کو سفیر اچھام مقرر کرے تو اسی سفیر کی اطاعت بادشاہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور اسی
کو خلافت کہتے ہیں ایسے ہی مضموم رسالت اس بات کو مقتضی ہے کہ رسول اپنا کام تا اشتغال کار
رسالت نہیں کر سکتا اور ظاہر ہے کہ مضموم رسول ہر دم رہبر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بولاجاتا
تھا۔ باقی رہا سونا کھانا پینا وغیرہ اگرچہ نظام ہر کار رسالت سے کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو مگر بایں لحاظ کہ یہ نہ
ہوں تو پھر کار رسالت اور ہونا بھی معلوم۔ ان سب باتوں کو رسالت کا موقوف علیہ اور محتاج الیہ کہنا
ضرور ہے اور کسب معیشت چونکہ مثل خواب و خورش و فروش و لازم بشریہ میں سے نہیں چنانچہ ہزاروں کو
بے کھائی ملتا ہے اور اگر کھائی سے ملتا بھی ہے تو ہر کسی کو نئی ڈسنگ کی کھائی سے ملتا ہے۔ اس لیے
اس کو منجملہ مبادی و مقدمات کارگذاری رسالت نہیں کہہ سکتے اس لیے اس کا ترک کرنا ضرور پڑا اور
موافق وعدہ صادق مَن كَانَ لِلّٰهِ كَانَ لِلّٰهِ لَئِنْ هَآءِ السَّاعَةُ جِئْنَاكَ حَسْبُكَ يَوْمَئِذٍ الْمُلُوكُ
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ
مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ
أَنْ يُطِيعُوا إِنِ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُّ ذُو الْعَرْشِ
الْمُبِينُ (پکارت ذریت ۳۵)

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سوا اپنی بندگی
کو میں نہیں چاہتا ان سے روزیہ اور نہیں چاہتا کہ
مجھ کو کھلائیں۔ اللہ جسے وہی ہے روزی دینے
والا ضرور آور مضبوط

باطع وجہ مشیر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نان و نفقہ خدا تعالیٰ نے ذمہ ٹھکانا۔ اور کیوں
نہ ہو یہ قاعدہ محقر رہے کہ جو کسی کے کام میں مجبوس رہتا ہے اس کا نان و نفقہ اسی کے ذمہ ہوتا ہے
بی بی کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ اور غلام کا نان و نفقہ مولیٰ کے ذمہ اسی وجہ سے ہے۔ سو جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کام میں مصروف اور مجبوس ہوئے تو آپ کا نان و نفقہ خدا کے
ذمہ کیوں نہ ہو اس تقریر سے جملہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ وَإِنِ اللَّهَ هُوَ

الرَّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ میں باجمہ ارتباط معلوم ہو گیا ہو گا۔ اور نیز یہ بات بھی اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسی قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی اس اضافت کا پرلوسے جو مرسل بصیغہ اسم فاعل یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس کے طفیل میں خلافت مشاۃ الیہ حاصل ہوئی۔ ایسے ہی احتیاج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے باعث نام و نفقہ کی ضرورت ہوتی اس اضافت کا پرلوسے جو مرسل الیہ یعنی امت کی طرف ہونی چاہیئے۔ جس کے باعث اشتغال مسطور لازم آیا۔ بالحدیث حکم توسط مرتبہ رسالت اموال خاص خداوندی کی نسبت آپ متولی ہی ہے اور مصرف بھی مقرر ہوئے اور اس لیے باعتبار لفظ بھی آپ کو بیچ ہی میں رکھا تاکہ اشعار شریعت مطابق اقتضای حقیقت ہے۔

<p>آخر اہل بیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت وار آپ کے تابع قرار پائے اس لیے ان کو دیگر اصناف سے مقدم کیا گیا</p>	<p>اس کے بعد ذوی القربیٰ کو بیان کیا کیونکہ مصرفیت ذوی القربیٰ یعنی اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تابع مصرفیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وجہ اس</p>
--	---

کی ہے کہ ہر خاندان اور ہر خاندان میں کھانے والا وہ ہوا کرتا ہے جو سب میں لائق فائق ہو اور سوا اس کے سب اس کے دست نگر ہوا کرتے ہیں۔ سو خاندان نبوت میں سب میں افضل حضرت افضل المخلوقات ہی تھے جب ان کو کار خداوندی میں فرصت کسب معیشت نہ ملی تو یوں کہو تمام خاندان واسے نان و نفقہ کی طرف سے سرسبز ہوئے۔ اس لیے بعد آپ کے ان کا لحاظ کرنا پڑا اس کے بعد اصناف باقیہ مساکین اور ابناء البیبل ایسے در ماندہ نہیں ہوا کرتے جیسے یتامی ہوا کرتے ہیں کیونکہ مساکین کا تو کہتے ہیں اور پھر مساکین بہ نسبت ابناء البیبل زیادہ در ماندہ ہوتے ہیں۔ آخر ابناء البیبل اپنے گھر سے تو خوش ہوتے ہیں ورنہ داخل زمرہ مساکین ہی سمجھے جاتے قسم علیحدہ نہ کی جاتی اس لیے بعد ذوی القربیٰ بہ ترتیب معلوم ان کو ذکر فرمایا اور کیفیت ما اتفق بیان نہ کیا۔

لے ذوی القربیٰ کی تفسیر و مصداق میں چند حوالجات ملاحظہ ہوں تفسیر مدح المعانی ص ۲۸ پر ہے۔

والمراد بذی القربى قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم والمراد بہم یتوہاشم ویتوجہ الیہم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع الہم فیہم۔	ذوی القربیٰ سے مراد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے شہ واد ہیں جو با شتم کی اولاد سے ہوں اور عید المطلب کی اولاد سے ہوں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو ہی نے کا حشر دیا ہے (باقی حاشیہ ص ۲۸ پر)
--	---

(ذوی القربیٰ میں القربیٰ کو بغیر
 اس ہمد اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ساری ہی امت کے اقرباء
 میں چنانچہ تحقیق مسطور بالا دربارہ اولویت بمعنی اقربیت نبوی صلی اللہ
 علیہ وسلم گذر چکی۔ جس میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ نسبت امت مرحومہ اقرب ہونا والد
 روحانی ہونا ثابت ہو چکا ہے اس مضمون کے مؤید ہے اور شاید اس لیے ذی قربیٰ البی صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ: نیز کچھ آگے فرماتے ہیں: ہمتے نزدیک ذوی القربیٰ بنی ہاشم کے ساتھ خاص ہے اس ہی مطلب
 کے ساتھ کیونکہ یہ حدیث ہی ہے البتہ ان کو مستقل حصہ نہ ملے گا نہ مطلقاً (دہر حال میں) دیباچہ لگا کر ان کے مساکنین۔ یتامی
 اور مسافروں کو دیا جائے گا کیونکہ وہ ان الفاظ قرآنی میں شامل ہیں لیکن ان اقامت گشتہ میں سے ہونا ہاشم کو اولیت دی
 جانے لگی کیونکہ خلفائے ثلاثہ (ایسا ہی کرتے تھے اور) ان کا الگ حصہ نہ نکالتے تھے، ہاں وہ خمس قین حصوں میں بانٹتے۔
 ایک حصہ یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا اور حضرت علی کرم علی وجہ نے اپنے دور خلافت میں ان خلفاء ثلاثہ میں
 کی مخالفت نہیں کی حالانکہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف رکھتے بھی تھے (ایضاً)

۳۔ شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی تفسیری فرامہ میں رقمطراز ہیں: "وہ یعنی حضرت کے قرابت والوں کے
 چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے اور ان میں فقیر کی قید بھی نہیں تھی۔
 اپنے چچا حضرت عباسؓ کو جو دولت مند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کے قرابت دار جو صاحب حاجت ہوں اہم کو چاہیے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے (قرآن پاک ترجمہ)
 ۴۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر معارف القرآن ص ۲۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں:-
 "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ ذوی القربیٰ
 کو اس مال میں سے دینے کی دو وجہیں تھیں ایک نصرت رسول یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 مدد کرنا اس لحاظ سے اغیار ذوی القربیٰ کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے تو ان کے فقر اور مساکن کو صدقہ کے بدلے میں مال دینے
 سے حصہ دیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (آپ کی) نصرت و امداد کا سلسلہ ختم
 ہو گیا البتہ فقر ذوی القربیٰ کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا اور وہ اس مال میں دوسرے
 فقر اور مساکن کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے (کذا فی البدایہ) ۱۲۔ مہر محمد۔"

باضافت نہ فرمایا بلکہ ذوی القربیٰ فرمایا تاکہ اطلاق لفظ عموم قرابت پر دلالت کرے اور بہ نسبت اصناف
باقیہ وجہ ترجیح اور علت تقدیم ہاتھ آئے۔ علاوہ بریں کار رسالت ایسا آسان نہیں کہ معین اور مددگار کی حاجت
نہ ہو ہزاروں سے مخالفت اور ہزاروں سے مقابلہ اور ایسے آڑے وقتوں میں اقربا رہ سکتے دیکھتے
ہیں اور اس وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنے کھانے کمانے کی فرصت میسر نہیں آیا کرتی۔ اس لیے
ان کے نان و نفقہ کو بھی ایسا ہی سمجھو جیسا نان و نفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ انہی	راقر بار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ رسالت میں معین و مددگار
اقربا کو آپ نے اس قسم کے	تھے اس لیے ایسے فنڈ سے ان کا وظیفہ مقرر کیا
اموال میں سے دیا ہے جس سے	ہے جس میں غائبین کی سعی و عمل کا دخل نہیں)

معونت و مددگار می ظہور میں آئی۔ چنانچہ ناظران احادیث پر پوشیدہ نہ ہوگا لیکن جیسے آیت اولیٰ یعنی
مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ
يُخَيِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اموال
فے بعد احرار و قبض بھی خدا ہی کے ملک خاص میں ہیں اور بوجہ عدم اسباب مالکیت بشریٰ اور وہ کو
اس سے کچھ تعلق نہیں آیت ثانیہ سے اول تو یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم کے لیے ملک نہیں ورنہ ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور انبیاء و پیغمبروں کو اس سے کیا
علاقہ تھا۔

(سوال۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُخَيِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ	غرض کہہ لیکن اللہ یخیط رُسُلَهُ
سے معلوم ہوتا ہے کہ فے تسلط سے حاصل ہوا اور	سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ اگر اہل لشکر کو اس
پیغمبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالبیع لشکر کا)	سے کچھ علاقہ نہیں تو کیا ہوا تسلط نبوی صلی

اللہ علیہ وسلم تو موجود ہے اور تسلط و قبض ہی موجب رحمت و شفقتی ملک ہے۔

چنانچہ حدیث ملک اول نباتات خورد و بار و حیوانات غیر پروردہ میں اگر ہوتا ہے تو اسی
قبض سے ہوتا ہے اور بعد ازاں بیع و شراہ و اجارہ و ہبہ میراث و وصیت سے اگر ملک حاصل ہوتی
ہے تو بوجہ حصول قبض حاصل ہوتی ہے۔ غرض اگر قبضہ متبدل ہو جاتا ہے تو ملک بھی متبدل ہو جاتا ہے
ان اسباب کو اسباب ستمہ ملک نہیں کہہ سکتے ہاں یہ کہنے کے اپنا قبضہ ہو یا وکیل عام یعنی خلیفہ و بار

عادل کا قبضہ ہو۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اپنا ہی قبضہ ہو تو ملک ہو۔ نہیں تو نہیں۔

ہاں اگر خلیفہ وقت کا بھی قبضہ اٹھ جائے اور کفار تسلط ہو جائیں تو پھر ملک کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں مگر تسلط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اموال نے پر بشارات آیت سے ہی ثابت ہے۔ اس لیے آپ کی ملک کا اقرار بھی لازم ہے۔ غرض اس تسلط سے یہ دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ اموال مملوکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ بشارات جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ یہ تسلط اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ تسلط و کالت و رسالت تھا۔

(جواب۔ یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے) اور حاصل جواب اس صورت میں یہ ہوا کہ تسلط کو یہ لازم نہیں کہ تسلط ذاتی ہو اگر تسلط من جانب الغیر ہو گا۔ جب بھی اس کا نام تسلط ہی ہو گا۔ اس صورت میں معلوم تسلط، تسلط ذاتی اور تسلط و کالت دونوں سے عام ہوا باں جملہ آیت ثانیہ بھی تسلط و کالت ہی پر دلالت کرتی چنانچہ یہ معروض مذکور جو ابھی لکھ کر فارغ ہوا ہوں اس پر شاہد ہے اور نیز مضامین آئندہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ پھر اس تسلط کا موجب ملک (ذاتی) سمجھ لینا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے۔

القصة اول تو جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ ہی اس وجہ کا جواب ہے۔ دوسرے آیت ثانیہ سے بھی معلوم ہوا کہ وہم مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ سے ہی ہوتا تھا محض بے جا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہوں تو پھر نہ فلسفہ کے کوئی معنی ہیں اور نہ مصارف باقیہ کے ذکر کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ بلکہ یہ دونوں کلمے باعتبار معنی معلوم غلط ہو جائیں گے۔

(جملہ اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف میں نہ کہ استحقاق ملک اور استحقاق مصارف مستحق دار و فریاد نہیں کر سکتے اس لیے تعدد فقر آخر کی نہیں) معہذا آیت ثانیہ سے یہ بات ہی واضح ہو گئی کہ مصارف مذکور کو استحقاق دعویٰ مالکیت نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے

کہ استحقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک استحقاق مالکیت۔ دوسرا استحقاق مصرفیت۔ استحقاق مالکیت میں تو قبض یا مقتضیات قبض مثل بیع و شریک وغیرہ اسباب مذکورہ کا ہونا ضروری ہے اور اس وجہ سے جہاں قبض یا مقتضیات قبض میسر آجاتی ہیں وہاں مستحق کو دار و فریاد کی گنجائش ہوتی ہے۔

اور استحقاق مصرفیت میں ناداری اور افلاس کا فی خواہ وہ افلاس بوجہ عدم دیانت ہو جیسے یا مالکی میں
ہوتا ہے یا بوجہ عدم مساعداۃ اسباب جیسے مساکین اور انبیاء سبیل میں ہے یا بوجہ اشتغال بکار دیگر جیسے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عرض خدمت کر چکا ہوں اور نیز آپ کے اقرباء کی نسبت معلوم
ہو چکا ہے۔

بہر حال مصارف مندرجہ آیت ما افاء اللہ کا استحقاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از
قسم استحقاق مالکیت نہیں۔ اور اس باب میں مصارف مندرجہ آیت فے اور مصارف مندرجہ
آیت صدقات یعنی انما الصدقات للفقراء اور مصارف مندرجہ آیت شمس یعنی واعلموا
انما غنمتم من شئ فان للہ حصة الخ سب کے سب باہم ہمدوش یکہ کر ہیں۔
بالجملہ مصارف مندرجہ آیت صدقات کا استحقاق بالاتفاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم
استحقاق مالکیت نہیں اور اس وجہ فقر اور غیر مصارف صدقات کو تو اقبالیہ کی نالاش کا اختیار نہیں
اور اغنیاء کو کسی ایک فقیر کے فے دینے کا اختیار۔ اس لیے ایک کا فے دینا بھی موجب سقوط فرض
ہو جاتا ہے ورنہ جہان کے تمام فقراء و مساکین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دینا باس وجہ کہ حد بشری سے
خارج ہے کسی سے ممکن نہ تھا اور اس قدر تکلیف دی جاتی تو پھر کسی صاحب زکوٰۃ کی نجات کی
کوئی صورت نہ تھی مگر ایسے ہی مصارف مندرجہ آیت فے کو بھی نالاش و فربار وغیرہ لازم استحقاق
و مالکیت کی گنجائش نہیں اور توی کو غطاء مال فے نہیں صنف واحد کی تخصیص کا اختیار۔ کیونکہ بدالائت مضمومات
عنوانات مصارف مندرجہ آیت فے ان کا استحقاق اگر ہے تو از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم
استحقاق مالکیت نہیں ہو سکتا چنانچہ بوجہ احسن معروض ہو چکا۔

رسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف میں اور اس کی تشریح کے لیے یہ اور معروض
ملک کے لزوم کے علاوہ دو غریبیاں لازم آئیں گی حضور علیہ السلام ہے کہ اگر بالفرض لام للرسول اخبار اولیت
نے بلاوجہ ایک جہاں کا مال دبائے رکھا یا اور یہ کہ تمام مصارفیت پر ولایت ذکر سے بلکہ لام ملک
اصناف کے اقرار کی ملک محذور متعین ہو ہو اور مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

ولایت کرے تو اس صورت میں بالضرورة لام للذی القر فی بھی لام ملک ہو گا اور مالکیت ذوی القر فی انہ
نیز بحکم خلافت مالکیت اصناف باقیہ پر ولایت کرے گا اس صورت میں اول کو جناب سید المعصومین

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض لازم آئے گا کہ اگر ایک جہاں کا حق مدت العمر تک وہاں کے
 رکھنا تقسیم کر کے اصل زمین کا دنیا تو درکنار آمدنی میں بھی یاد نہ کیا آخر کون کہہ دے گا کہ اموال فدا
 اور بتی التفسیر کو ایسی طرح تقسیم کیا کہ کوئی مسکین اور ابن سبیل اور اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے
 کوئی باقی نہ رہا ہو۔ دوسرے اس صورت میں اموال اور اراضی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
 اصناف باقیہ میں مشترک ہوں گے۔ اور مال مشترک میں ضرور ہے کہ سهام بقدر افراد اصناف شرکاء ہوں
 اگر فرض کرو کسی مورث کے مال میں موافق مذہب اہل سنت کچھ زوی العز و عن اور کچھ عصباء شرکاء
 ہوں یا موافق مذہب فریقین یوں کہیں کہ اولاد پسری اور دختر می شرکاء ہوں مثلاً۔ تو اس صورت میں
 سهام بمطابق حصص و افراد شرکاء مقرر ہوں گے فقط لحاظ عدد اصناف نہ کیا جائے گا۔

القصة تعداد سهام میں افراد اصناف مندرجہ آیت مذکورہ پر نظر ہونی چاہیے مگر زوی القربا
 اور یتامی اور مساکین اور ابناء سبیل کے لیے کوئی عدد مقرر نہیں۔ اس لیے سهام مشترک کا کچھ تعین نہیں
 ہو سکتا اور اقرار ملک اصناف باقیہ کی کوئی صورت نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 مالکیت اور ملک اموال فقہ میں ثابت ہو۔

(ہر صورت میں اہل تشیع مال فقہ سے ہمیشہ محروم رہیں گے | اس سے بھی بڑھ کر اور لیجئے لِقَوْلِهِ
 کیونکہ جملہ اہل مصارف کا صحابہ کے حق میں دعاگو ہونا ضروری ہے | اَلْمُهَاجِرِينَ الَّذِي الْقُتِلُوا فِي سَبِيلِ

ہل واقع ہوا ہے۔ اور اس پر بطور غلط یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ يَرْجِعُ الْأَمْوَالُ كُلُّهَا
 اور جو لوگ حج پر چلے ہیں اس گھر میں اور ایمان
 میں ان سے پہلے)

اور نیز بطور غلط ہی پھر یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ يَرْجِعُ الْأَمْوَالُ كُلُّهَا
 اور واسطے ان لوگوں کے جو گئے ان کے بعد
 کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہماری جائیدادوں کو
 جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں)

اس لیے تابعین سے لے کر قیام قیامت تک جس قدر مسلمان پیدا ہوں اور صحابہ کے دعاگو
 ہوں ان سب کو اموال فقہ میں شرکاء ملک کرنا پڑے گا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اموال مملوکہ کے

یہ مالکوں کا بالفعل موجود ہونا ضروری ہے۔

جو لوگ ابھی ساحت وجود میں قدم رکھتے ہی نہیں پائے وہ کیوں کر مالک اموال مملوکہ بالفعل ہو سکیں ایسی بات کوئی نادان بھی نہیں کہہ سکتا تو اس پر شیعہ بے وجہ عکرا کر رہتے ہیں۔ اگر بالفعل مملوکہ مذکور مالک اموال وارضیٰ بنے ہوتے بھی تو شیعوں کو کیا مل جاتا۔ کلام اللہ میں تو پہلے ہی ان کے محرم کرنے کے لیے یہ قید لگا دی ہے۔ **يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ** سو ان کی دعا کوئی یہ نسبت صحابہ کرام (تبرازی) ابھی کو معلوم ہے۔ مگر شاید اسی عین میں طعن مذکور میں یہ بے ہودہ سرائی ہے۔

واختیار میں گردش مال کی ممانعت ملکیت ختم کی گئی ہے | علاوہ بریں جملہ کئی لایکون دولۃ بین الغنیاء ومنکم بھی اسی بات پر شاہد ہے کہ اموال بنے اصناف مندرجہ امت کی مملوک نہیں۔ بلکہ اگر یوں کہیے کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اراضیٰ مذکورہ اصناف مملوکہ بالفعل تو کیا مملوک ہوتے۔ آئندہ بھی مملوک نہیں ہو سکتے تو بجایا ہے۔ اس لیے کہ در صورت تمسک اختیار میں متداول ہو جانا تو قریب الوقوع ہے۔ اس لیے کہ فقہروں کی اولاد بھی غنی ہو جاتی ہے۔ سو اگر فقہار کو مالک کہیے تو ان کی اولاد کا ان کے انتقال کے بعد ان اموال کا مالک ہو جانا بوجہ میراث لازم ہے اور متداول مذکور کا وقوع میں آنا ضرور۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات عموم الفاظ کے مخالف ہے۔ اگرچہ بظاہر غرض اس جملہ سے فقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت مثل سرداران زمانہ جاہلیت اس قسم کے اموال کو اپنا حق خاص نہ سمجھ لیں۔ ان تمام مضامین سے اراضیٰ بنے کا بالفعل غیر مملوک ہونا بلکہ بعض سے تو آئندہ کو بھی غیر مملوک ہونا ظاہر ہو چکا۔

اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض ناممکن نہیں | اب لازم یوں ہے کہ فرق اموال منقولہ وغیر منقولہ ظاہر کیا جائے تاکہ بعض شبہات محکمہ کسی کم فہم کو حیران نہ کریں اس لیے یہ معروض ہے کہ لام مذکور القربانی اور لام للرسول بلحاظ جہت ثانیہ یعنی جہت مصرفیت لام انتفاع ہے لام ملک نہیں چنانچہ خود مضمون مصرفیت اس کے لیے شاہد ہے اور وجہ مذکورہ بالا ان کے مالک نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر اموال منقولہ سے انتفاع اگر مستحضر ہے تو جمعی تصور ہے جب کہ اپنے ہاتھ میں آجائیں۔ روٹی کا کھانا اور کپڑے کا پہنا اور اختیاروں سے مدافعت دشمن قبل قبض ممکن نہیں پھر

جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اموال نے بشارتِ فلئہ مملوک خداوندی مالک ملک ہیں اور اہل مصرف کے نفع کے لیے مقرر۔ پھر بایں ہر قبض اہل مصرف مستحق ہو گیا تو اس صورت میں اموال نے اور مافی الارض میں کیا فرق رہ گیا۔ وہ بھی بشارتِ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ بَشَارَتِہٖ وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا ہی کی ملک تھی اور پھر بشارتِ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہي اَدم کے نفع کے لیے مخلوق۔ اس لیے کہ لَہُم لَکُمْ لَام نفع و انتفاع ہے۔ لَام ملک نہیں۔ چنانچہ یہی ہے۔ وہاں جسے علتِ تامہ ملک عباد قبض تام مستحکم تھا۔ یہاں بھی قبض تام مستحکم موجب ملک ہو گا مگر قبض تام ہی ہے کہ پہلے کسی اور کا قبضہ نہ ہو چکا ہو اور ہو چکا ہو تو معاوضہ قبض ہو چکا ہو جیسے بیع و شراء وغیرہ میں ہوا کرتا ہے ورنہ پھر وہ قبضہ یا تو قبضہ امانت ہو گا یا قبضہ غصب۔ سو قبضہ امانت تو قبضہ مالک ہی کا پر تو ہے۔ قبضہ تام اگر کیے تو اس کے قبضہ کو کیسے کیونکہ مالک کو امین کے قبضہ کے اٹھانے کا اختیار ہے۔ امین کو قبضہ مالک کے اٹھانے کا اختیار نہیں۔ اور قبضہ غاصب کو قبضہ مالک کا پر تو نہیں پر قابض ولایت یعنی غلبہ وقت کے قبضہ میں ہوتا ہے اور غلبہ وقت حمایت مالک کے لیے مقرر ہوتا ہے عامی غاصب نہیں ہوتا۔ ایسے قبضہ غصب بھی قبضہ تام اور قبضہ مستحکم نہیں۔

(اموال غیر منقولہ میں غیر کی تولیت کبھی انتفاع ہو سکتی ہے) | مگر قبضہ اہل مصرف اموال نے پرچونہ ایسا ہے جیسا قبضہ بنی آدم مافی الارض پر کیونکہ یہ نہ قبضہ امانت ہے نہ قبضہ غصب۔ تو بالضرور یہ قبضہ موجب ملک ہو گا اور کیوں نہ ہو۔ حیوانات صحرائی اور نباتات خورد و سیدہ اگر ملک میں آتی ہیں۔ تو بوسیدہ قبض ملک میں آتی ہیں اور ملک سے نکلتی ہیں تو بوسیدہ زوال قبض ملک سے نکلتی ہیں۔ ہاں زمین سے انتفاع اہل مصرف قبل قبض اور بعد قبض دونوں طرح متصور ہے اگر زمین نے قبضہ متولی میں ہے اور اس کی آمدنی کو متولی اہل مصرف میں تقسیم کرتا ہے تب بھی غرض اصلی حاصل ہے اور خود اہل مصرف کے تصرف میں ہے اور وہ بطور خود اس کا انتظام کر کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاویں تب بھی مقصود ہے۔ بہر حال قبضہ اہل مصرف ضروریات انتفاع میں سے نہیں جو خواہ مخواہ اس کی ضرورت ہو اور جب قبضہ ضروریات انتفاع میں سے نہ ہو تو بشارہ لَام اور انتفاع اس کی خواہ مخواہ ہی نہیں ہو سکتی۔ بغرض تولیت یا تحفیت تصدیق متولی ہو تو ہو۔

(مال فتنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ

کاقبضہ بطور متولی تھا)

اور ظاہر ہے کہ لام للرسول جو بوجہ توسط تولیت پر دلالت کرتا

ہے تو بحیثیت تولیت نیابت و امانت مالک حقیقی پر دلالت کرتا

ہے۔ ملک پر دلالت نہیں کرتا۔ مگر آپ جیسے متولی تھے ایسے ہی مصرف بھی تھے چنانچہ توسط مذکور اس

پر بھی شاہد ہے اس لیے زمین فتنے اگر اہل مصرف کے قبضہ میں بھی آجائے گی تو قبضہ امانت یا تولیت

ہوگا قبضہ امتناع و ملک نہ ہوگا۔

اراضی فتنے کے لیے متولی کا ہونا لازمی ہے مصرف کے کسی ایک

فرد یا ایک سے زائد افراد پر پیداوار تقسیم کرنا کافی ہے۔

مصارف بلکہ جملہ افراد جملہ اصناف کو اگر بن پڑے تو بانٹ دیا کرے۔ چاہے ایک صنف کو یا ایک

فرد کو دے دیا کرے بشرطیکہ قدر عطا معطلی کی مایحتاج سے باری النظر میں زائد نہ معلوم ہو۔ کیونکہ استحقاق

مصرفیت میں اگر دو شخص برابر بھی ہوں تو یہ ضرور نہیں کہ غلط میں بھی متساوی رہا کریں ورنہ اسی طرح کا

انصاف اس قسم کے مستحقوں میں حد بشر ہی سے خارج ہے۔

آیت صدقات یعنی إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالزَّكَاةُ

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّذِينَ هُمْ وَاللَّيْسَ سَوَاءٌ الزَّكَاةُ

مِنْ مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ الْوَلَاةُ

کو دیکھئے تو شرق و غرب و جنوب و شمال میں پھیلے ہوئے ہیں متولی کس کس کو ڈھونڈتا پھر کرے۔

خاص کر جب کہ مال مقسوم قدر قلیل ہو۔ اس لیے اموال زکوٰۃ اور خمس اور فتنے کا ہر فرد کو دینا ہی

کے نزدیک ضرور نہیں۔

(محل بحث) اس صحت میں قبضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قریب فتنے کا قبضہ رضوی رضی اللہ عنہ

برایم خلافت خلیفہ ثانی میں حاصل تھا۔ موجب ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا موجب ملک رضوی

یعنی اللہ عنہ نہیں ہو سکتا۔

علیٰ بن ابی قیس بعض قرنی فتنے کا خراج خانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہونا

عاقل کے نزدیک دلیل ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتا۔

افدک کی بعض آیات کی نسبت حضرت عمرؓ کا فرمان
 كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ
 بِهِ دَلَالَتٌ كَرَامَةٌ. اگر حق ملکیت ہوتا تو وارثوں کو
 اور حق مندرجہ نشینی ہوتا تو یہ آپ کے بعد خلفاء کو منتقل ہوتا۔

اعلیٰ بہ القیاس حضرت عمرؓ کا بعض قرآنی
 کی نسبت یہ کہنا کہ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةٌ اَوْ
 كَمَا قَالَ. اختصاص ملک پر دلالت

نہیں کرتا بلکہ اس اختصاص صرفیت پر دلالت کرتا ہے اور بعض مواقع میں یہ غرض ہے کہ حسب
 نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اموال خمس دفتے میں حق مند و سجادہ نہیں جو آپ کے جانشین اور پھر آپ کے
 جانشینوں کے جانشین ہمیشہ اس کے مستحق رہیں۔ اور نہ حق ملکیت ہے جو بضر من محال اگر موت جہانی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کی فرض کیجئے جیسے ہمارے قمارے لیے مقرر ہے تو وارثوں
 کو امید حصر کشتی فرائض ہو۔ بلکہ حق منصب رسالت ہے اس لیے آپ ہی کی ذات بابرکات علیہ و
 علی آکم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ خاص رہا۔ وارثوں کو بطور ملک دیا گیا نہ خلفاء کو اس میں کچھ مداخلت
 ہوا۔ اور اگر بالفرض اس مال میں سے بوجہ تعلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کچھ نہ ملتا بھی تو خلفاء کو
 ملتا۔ اقرباء کو نہ ملتا۔

خلفاء راشدین بھی مال فتنے پر بطور متولی | کیونکہ اول تو زوی القربی کے لیے خداوند عادل نے پہلے
 کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے | ہی ایک سهم مضر کر دیا۔ دو سہم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
 حق منصب رسالت و نبوت ہوا تو جو خلفاء کا نبوت ہوں انہیں کو ملنا چاہیے اور ظاہر ہے کسی کا
 خلیفہ وہی کام کیا کرتا ہے جس میں وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر مستحق ہوتے تو خلفاء راشدین خلوں
 اللہ علیہم اجمعین ہوتے۔ اقرباء نہ ہوتے۔ مگر انصاف اسے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے
 استحقاق کی ایسی نفی کر دی کہ پھر کسی خلیفہ کو ہوس سهم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہے۔ ورنہ خود کو ذکاں زمانہ
 جاہلیت اور افسانہ خوانان دورہ فترت آگے پیچھے اس قسم کی تاویلات شریعہ سے اس سهم کو دبا بیٹھتے
 لیکن قدر شناسی بھی اسے ہی کہتے ہیں کہ حضرات شیعوں نے نہ عقل کی مانی نہ نقل کی سنی۔ اس انصاف پر
 سننے کے بدلے خلفاء راشدین کے حق میں گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت خراب کی۔

سوا اس کے آیت اولیٰ یعنی آیت فَمَا اَوْحَفْتُمْ کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد
 کہ هٰذِهِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةٌ اور آیت ثانیہ یعنی فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ

وَلَئِذَا قُلْتُ لِلْعَرَبِ خَدَاوُنِي بِمَا كُنْتُ عَلَيْهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخُذُوا كَلِمَةً أَسَىٰ جَانِبِ مُثِيرٍ بِكَ تَوَلَّيْتُ بِالذِّمَّةِ جَسَةً
 مَسْطُوطِي كَيْفَ أَوْرَثَ بَرِّخَ بَيْنَ الْمَلِكِ الْحَقِيقِيِّ وَالْمَلِكِ الْمُسْتَعَارِ بِمَا رَكِبْتُمْ فَقَطَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَيْفَ
 هِيَ بِعَيْنِي جَيْسَ مَالِكٍ حَقِيقَتِي خَدَاوُنَا مَالِكُ الْمَلِكِ كَوَافِيَارِ بَعْدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا مَالِكُ الْمَلِكِ كَوَافِيَارِ بَعْدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا
 بِوَجْهِ خَدَاوُنَا مَالِكُ الْمَلِكِ كَوَافِيَارِ بَعْدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا مَالِكُ الْمَلِكِ كَوَافِيَارِ بَعْدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا
 مَا أَلَيْسَ لَكُمْ الرَّسُولُ خَدَاوُنَا وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَأَتَيْتُكُمْ
 رَاوَدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا مَالِكُ الْمَلِكِ كَوَافِيَارِ بَعْدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا مَالِكُ الْمَلِكِ كَوَافِيَارِ بَعْدَ جَسَ مَالِكٍ خَدَاوُنَا

(کے ہر چھوڑ دو)

اسی ضمن کی تصریح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

(افاضہ وجود و کمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے اور بہتر اس میں یہ ہے کہ افاضہ وجود
 لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے) | کمالات، وجود مخلوقات کی جانب
 اگرچہ خزانہ خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ مگر بشمول آیت النبی اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ اور آیت
 خاتم النبیین۔ چنانچہ تقریرات مرقومہ بالا سے واضح ہو چکا اور نیز بشمول آیت و تائید نجات
 اور باب نکاشفات وہ سب افاضہ بواسطہ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہوتا ہے۔
 جیسے شب کو بواسطہ قمر افاضہ نور آفتاب ہوا کرتا ہے اس لیے تولیت حقیقی جس کا حاصل رہی خلافت
 تقسیم ہے آپ ہی کو عطا ہوئی۔ ہاں بطور کار گزاران پیش دست آپ کے بعد خلفاء راشدین کا اس
 کام کو کرتے ہیں۔ سو جیسے سلاطین زمان اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو بواسطہ خدام و ملازمان سلطنت دلا
 دیتے ہیں اور پھر خدام و ملازمان کا دینا سلاطین ہی کا دینا سمجھا جاتا ہے ایسے ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی
 داد و دہش اموال نے میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی داد و دہش سمجھوان کا دینا کوئی امر مجاہدانہ
 نہیں جو ان کے لیے بھی تولیت مستقل ثابت کی جاتی۔ اور آیت اولی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کتا
 ہذا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصة غلط ہو جائے۔

(استحقاق کی تین قسمیں اور قومی | الحاصل زمین نے میں تین استحقاق ایک دوسرے کم و زیادہ
 کا ضعیف کو مستغنی ہونا) | جوتے ہیں۔ اول درجہ کا استحقاق جس کو استحقاق ملک و مالکانہ کیے
 وہ خداوند مالک الملک کے لیے ہے۔ اور دوسرے درجہ کا استحقاق جس کو تولیت اور استحقاق تصرف
 و اختیار تقسیم کیے وہ اصناف باقی کے لیے ہے۔

مگر چونکہ قوی ضعیف کو متضمن و مشتمل ہوا کرتا ہے اس لیے جیسے استحقاق اول استحقاق ثانی کو متضمن اور مشتمل ہے ایسے ہی استحقاق ثانی بوجہ قابلیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کو احتیاج کیے استحقاق ثالث کو متضمن اور مشتمل ہوگا۔ اگرچہ بوجہ توسط آپ کا درجہ تین ہونا بھی دونوں استحقاقوں کا بقدر قابلیت خواستگار تھا۔ مگر استحقاق اول اعنی استحقاق خداوندی قابل (زوال) نہیں ہے ایسا ہی استحقاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی استحقاق تولیت کسی وقت قابل زوال نہیں چنانچہ مَا أَفَاءَ اللَّهُ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ کا جملہ احمیہ ہونا ہی اس پر شاہد ہے ہاں اس طرح دوام استحقاق مصرفیت بھی ثابت ہوگا لیکن دوام استحقاق مصرفیت نہ اس بات کا مقتضی ہے کہ مستحق کو حق ملنا ضرور ہے اور نہ در صورت اخذ غیر وہ استحقاق لائق۔ موجب۔

(ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تولیت اور ملک مصرف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن مرتبہ تولیت ملک مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا) جب یہ بات روشن ہوگئی تو اتنا اور سن لیجئے کہ اگر مرتبہ توسط یعنی مرتبہ تولیت اراضی فنی میں نہ ہوتا تو پھر مثل دیگر اراضی ان کی مملوک ہو جانے میں کہ وقت نہ تھی کیونکہ اس صورت میں دو مرتبے ہوتے اور ظاہر ہے کہ مرتبہ اول یعنی خداوندی اور ملکی ملک کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور کیوں نہ ہو اوروں کی ملک خدا ہی کی ملک کا پہلو ہے وہ نہ ہو تو یہ کیوں کہ ہو۔ ہاں مرتبہ تولیت اہل مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ ملک بشرطیکہ موانع تصرف مرتفع ہو جائیں تصرفات مالکانہ کی خواستگار (ہے) اور تولیت کے ساتھ سوا مٹولی اور کا اختیار متصور نہیں۔ بالجملہ مواقع مختلفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نیز بعض صحابہ سے اظہار اختصاص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت اموال فنی اکثر ثابت ہوا ہے تو علی حسب الاختلاف یہ معانی ثلاثہ مراد ہیں۔ مگر رقم نہیں کو کیا کیجئے۔ جیسے بھوکے کو دوا اور دوسے تپاں روٹیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ حضرات شیعہ کو کسی قسم کا اختصاص کیوں نہ ہو ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ میں آتی ہے۔ ان تمام مضامین کے دیکھنے والوں کو نہ دربارہ فذک والارضی بنی تغیر انشا اللہ شبہ مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہے گا۔ اور نہ دربارہ خمس بہ وہم دل میں ہے گا۔ کیونکہ مصرف خمس بھی وہی مصارف فنی ہیں اور انداز بیان بھی وہی ہے جو انداز بیان مصارف فنی ہے۔ وہاں اگر

لے یعنی مرتبہ درجہ تین اس کا مستغاضی تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں استحقاق تولیت کی طرح استحقاق مالکیت بھی پایا جاتا۔ ذی جہتین میں توسط جانبین سے نسبت رکھتا ہے اور جانبین سے متعلق ہوتا ہے۔ ۱۲۰۔ محمد علی رضی اللہ عنہ

تین لام فلتھ و لئلا رسول و لئلا القلیا مضمومات تلاذ پر داخل ہوئے ہیں یہاں بھی وہی تین لام نہیں
مضمومات تلاذ پر وارد ہیں۔

(مخبر حق یہودی کے ہبہ کے شبہ کے جوابات) ہاں احتمال تردد ہے تو بہ نسبت اموال موہوبہ نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم ہے مگر یہ تردد اہل سنت کو اس وقت مضر تھا کہ سوا انکار مالکیت اور کوئی صورت جواب
نہ ہوتی و صورت کہ دوام حیات جمالی ثابت ہو چکا ہو۔ اور خصوص خطاب یوحیٰ کفر اللہ ظاہر ہو
گیا ہو۔ تو پھر ایک مملکت سے کیا ہوتا ہے۔

(اشیائے موہوبہ باعتبار رسالت تھیں اور منصب) | باقی جہ اموال موہوبہ کی ملک بھی اگر غور سے
رسالت وہی منصب خلافت و نیابت ہے) | دیکھئے تو وہی ملک نیابت ہے۔ یہہہ مخبر حق

یہودی لہجہ اعتقاد رسالت تھا اور ظاہر ہے کہ منصب رسالت وہ منصب خلافت و نیابت خلونذی
ہے۔ اس لیے مقتضائے حقیقت شناسی و حقیقت سنجی یہ ہے کہ ایسے ہدایا کو داخل خزانہ خداوندی
سمجھے۔ اور سوا کارہ سرکاری اور کسی کام میں صرف نہ کیجئے۔ مگر کارہ سرکاری وہی تبلیغ احکام خداوندی
یا اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے۔ جس کے لیے رسل بھیجے جاتے ہیں غرض کارہ رسالت و جہاد میں جو کچھ صرف ہو
قبضہ و زبانی کو بھروسہ محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ آئندہ کو بھی اسی کام میں صرف ہو جائے۔ ہاں صرف
ذہبی القرطی اور یمانی اور مساکین اور انبیاء السہیل کو بھی منجملہ اعلیٰ کلمۃ اللہ سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر یہ نہ ہو
تو پھر تعمیل احکام ان اقامے معلوم اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ کلمۃ اللہ بے تعمیل احکام ملک عسکری
متصور نہیں اور اگر فرض کیجئے یہ صرف منجملہ صرف اعلیٰ کلمۃ اللہ نہیں تو پیش یہی نیست مصارف سرکاری
ضرورت ادارہ رسالت اور ضرورت اعلیٰ کلمۃ اللہ میں منحصر نہ ہو۔ یہ چار قسمیں اور سی۔ مگر اس میں کچھ شک
نہیں کہ اصناف مذکورہ کی خبر گیری بھی منجملہ مصارف خداوندی ہے جیسے خرچ مہمات صرف سرکاری شمار
کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی خرچ خیرات بھی جو سرکار کی طرف سے ہوا کرتا ہے منجملہ مصارف سرکار سمجھا جاتا ہے۔
(خلیفہ کا ہبہ سرکاری ملک ہوتا ہے) | بہر حال ہبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حق سرکاری ہے چنانچہ قواعد
فقہیہ بھی اس کے موید ہیں اور دستور سلطنت بھی اس پر گواہ ہے اطفال خود رسال کو مثلاً اگر بلحاظ والدین
کوئی کچھ دیتا ہے تو وہ حق والدین ہی تھا اس کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ اور دربارہ گورنری کا تذکرہ مخبر
سرکاری میں جمع کیا جاتا ہے اور گورنر کو نہیں دیا جاتا۔

(خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملک مستعار سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں) علاوہ بریں مالک حقیقی وہ خداوند مالک

کے سامنے حکم قبضہ عاریت رکھتی ہے۔ ہاں عیسے اطفال خور و سال کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ مال مستعار اور مملوک میں کیا فرق ہے اور اگر ان کو کوئی شخص برائے چندے کوئی کپڑا یا کھانا یا کوئی چیز برائے چندے لائے تو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کس نے دی ہے اور وہ کون ہے اس لیے ہی سوا انبیاء علیہم السلام اور کسی کو یہ تمیز پوری پوری نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کے بتلانے ہی سے ہوتی ہے خود ان کی عقل اس کے ادراک کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے اس قبضہ اقتدار خداوندی سے واقف ہوتے ہیں جو علت ملک ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے اس قبضہ اقتدار خداوندی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ **كَانَ كَيْفَ كَانَ** (گویا کہ نہیں) سمجھتے ہیں اور اس لیے قابل میراث نہیں سمجھتے۔ کیونکہ مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

اور ظاہر ہے کہ ملک عباد بہ نسبت ملک خداوند مالک الملک بمنزلہ اختصاص استعارہ ہے ہاں امتیوں کو اپنا ہی قبضہ نظر آتا ہے۔ اس لیے بوجہ چشم پوشی اسباب میں واگذاشت مناسب سمجھی تاکہ مثل اطفال بے تمیز جو وقت استر و عاریت غلّ مچایا کرتے ہیں شور برپا نہ کریں۔

(حضرت فاطمۃ الزہراءؑ پر خوارج کی طرف سے اعتراض) **اَبَا جَدِّهِ مَالِ اَنْبِیَاءِ کَرَامِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کَسِی طَسَعِ** قابل میراث نہیں ان اوراق کے دیکھنے والوں کو بشرط فہم اس بات میں تو انشاء اللہ شبہ باقی نہ ہے گا کہ مقدمات ثلاثہ جن پر بناء دعوی میراث ہے۔ یقینوں کے قیوں غلط۔ اور ان کے نقائص اور عند وجہ پر شاید غلبان باقی ہے تو یہ ہے کہ اگر یہ ہی تھا تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا خلیفہ اول سے طالب میراث کیوں ہوئیں اور ہونا ہی تھا تو اس تازہ صدمہ میں کہ عالم میں کوئی صدمہ کسی پر ایسا نہ ہوا ہو گا۔ ایسی متاع قلیل کا سوال کیوں کیا اور کیا ہی تھا تو بعد استماع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم **لَا تُوَرِّثُ مَا تَرَکْنَا** صدقہ تمیز غم کو نہ تھا نہ یہ کہ برسرِ پُغاش خلیفہ اول ہو کر کے ترک کلام و سلام کر دیا۔ الغرض رد و رافض کی طرح مافعت خوارج بھی ضرور ہے تاکہ کوئی یوں نہ کہے۔ اس طرح سے مطالبہ ہے جا اس ترک دنیا پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے نہایت ہی مستبعد ہے اس لیے پھر اور قسم لکھانے کی ضرورت ہے۔ سنئے۔

اس شبہ کو تحلیل کیجئے تو تین اعتراض نکلتے ہیں۔ ایک تو مطالبہ ہے ہا۔ دوسرے اس وقت میں یہ شور ماسرا۔ تیسرے عدم تسلیم ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو بڑے انصاف بعد اسٹماع تقریرات گذشتہ دونوں کی جواب دہی اگر ہے تو فریقین کے ذمہ ہے اور اگر کسی کو بوجہ کم فہمی امید جواب رسالہ ہذا ہو تو شبہ ثانی بالیقین دونوں طرف وارد ہے مگر ہماری نیاز مندی دیکھئے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر کسی کی حرف گیری گوارا نہیں۔ ورنہ ہماری طرف سے بطور الزام شیعوں۔ جواب میں ہی یہ بات بے جا نہ تھی۔ در صورتیکہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بکوالے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات بیان کرنے ہوں اور پھر بات بھی ایسی ہو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت یعنی علیت اور عثمانیت انتراع اور مصدریت ثابت ہوتی ہو۔ اور دوام حیات روحانی و جسمانی پر وہ بات شاہد ہو اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث مستکرم عدم افضلیت اور عدم دوام حیات جسمانی ہو تو اس صورت میں اگر اعتراض ہے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ پر کیا اعتراض۔

(خوارج کے اعتراضات کے جوابات) | بہر حال یہ غلام خاندان نبوت سگ کو چہ اہل بیت ہوتا
اعتقاد دونوں دوبارہ مدافعت اعتراض مشار الیہ یہ عرض پر درز ہے کہ دوام حیات جسمانی کا حاصل ہر طول
حیات دنیا اور کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ ورنہ ایک جہان کا جہان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جاتا۔ مگر ہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ طول حیات یا دوام حیات جسمانی
لاریب موجب افضلیت ہے۔ مگر کچھ ضرور نہیں کہ وہ طول حیات یا دوام حیات بالارودے زمین
ہو۔ داخل قبر بھی اگر حیات جسمانی ہو تو اور دیکو بوجہ طول حیات آپ کے افضل سیر کہہ سکتے مگر اس میں
کیا تاویل کہیں گے کہ اولیائے کے لیے حیات جسمانی اگر میسر ہے تو فقط عالم شہادت ہی میں میسر ہے۔
قبر میں ان کو حیات جسمانی میسر نہیں۔ اور شیطان کو بالیقین طول حیات جسمانی (میسر ہے) علی ہذا القیاس
بہت سے کفار فجار کو (دنیا میں) ان سے زیادہ غطا ہوئی۔

العرض اگر عقل ہو تو نفس حیات جسمانی یا طول حیات جسمانی فضائل و کمالات محمودہ میں سے
نہیں بائیں ہمہ یہ بات کچھ ایسی بدیہی نہیں کہ کوئی کہے یا نہ کہے خود بخود اس کی خبر ہو جائے۔ جب
بدیہیات میں لبا اوقات عقل کو تنبیہ کی ضرورت ہو اور بعض کم عقل بے تنبیہ مطلع ہو جائیں اور اس
وجہ سے عاقل جاہل اور کم عقل عاقل نہ سمجھے جائیں۔ چنانچہ سوئی لبا اوقات عاقلان تیز نظر کہے تنبیہ
نظر نہیں آتی اور کم عقل کی نظر بے اشارہ غیر اس پر پڑ جاتی ہے تو اسی طرح قبل تنبیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور بعد اتمام اشارہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم احن
لَا نُؤْثِرُ مَا نَرَكُنَا صَدَقَةٌ آپ کی حیات جہانی کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی ہو۔
(فائدہ) اور اس تفسیر کے بعد آپ کو یا کسی اور کو اشارت "النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ خَلْقِهِ"
النَّبِيُّ سے بعد منہم مقامات معروضہ اس کی اطلاع ہو گئی ہو تو کیا بعید ہے۔ بلکہ اگر حضرت زہرا
رضی اللہ عنہا کو اس ارشاد کی خبر نہ ہوئی اور ہم جیسے کم عقل و کم فہم باشندہ تفسیر اشارہ الیہ یوں سمجھ کر کہ
کلام اللہ قَبِيحًا نَاكِسًا شَيْئًا ہے اس میں ضرور اس کی طرف اشارہ ہو گا۔ آیت النَّبِيُّ أَوْلَىٰ
بِالْمُؤْمِنِينَ اسے آپ کی حیات روحانی سے مطلع ہو جائے اور پھر بایں لحاظ کہ تعلق روح نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر محض تعلق فاعلیٰ ہے کوئی شائبہ انفعال نہیں چنانچہ معروض ہو چکا۔ آپ
کی حیات جہانی کی بقا کے قائل ہو جاتے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ نقصان نہ آ جاتا۔ اور
ہماری شان کچھ اتنی سی بات سے عالی نہ ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علم کچھ اس سے زیادہ نہیں کہ نور کا تعلق
جسم آفتاب کے ساتھ کس قسم کا ہے۔ اور جسم قمر و آئینہ کے ساتھ کس قسم کا۔ اور ظاہر ہے کہ (ایں)
علم خداوند معبود کے بیاں موجب قُرب درجات نہیں جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے اسکا ہونا ضرور ہو۔
(اعتراف) حدیث لَا نُؤْثِرُ سُنَّۃً کے بعد یہ بات قبل اطلاع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو مطالبہ
حضرت سیدۃ کے غم و غصہ کے کیا معنی؟ میراث اس طور ہے کچھ بے جا نہ ہو گا پر بعد اتمام ارشاد
فِيضُ بِنَاوَلَا نُؤْثِرُ مَا نَرَكُنَا صَدَقَةٌ غم و غصہ کس لیے تھا بجائے تسلیم یہ کیا پر عکس ہے۔
(جواب) بخاری کی اس روایت کا راوی گویا ہے لیکن اصل اس کا جواب یہ ہے کہ روایت
معطلہ کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہو گئی عدم کلام کو ناراضگی پر حمل کر لیا۔ کی صحت کا مستقنا، فقط اتنا ہے
کہ راوی قابل اعتماد ہو یہ نہیں کہ علم حقائق و قائع اور انتزاع اصولی و اسباب، واقعات میں بھی
اس سے غلطی نہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سفر کو دیکھئے۔ حضرت خضر
علیہ السلام کشتی کو توڑنا اور لوٹ کے کو مار ڈالنا بے جا نہ تھا چنانچہ کلام ربانی خود شاہد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
اَخَذَ قَبْضًا مِّنْهَا لِيُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ
جِئْتُ شَيْئًا اِمْرًا۔ (پہلا، کہتے ۱۹)
اور اَقْلَتْنَا نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ
رکھا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا ہے اس کے لوگوں
کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری۔
رکھا تو نے مار ڈالی ایک جان ستمی بغیر عمن کسی جان

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا كَبِيرًا (پا کھنک ۱۰)

کے بے شک تونے کی ایک چیز ناممکن

فرمایا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سے کمال علم حضری کی تعریف سن کر بغرض طلب مزید علم شائق ملاقات ہو کر گئے تھے
سوجب خدا تعالیٰ تو حضرت خضر کی شان میں۔

اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَهَبْنَاهُ

وہی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا

لَدُنَّا عَلِيمًا (پا کھنک ۱۱)

تھاپنے پاس سے علم

فرمائے اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے باوجود اصرار موسیٰ۔ اس وجہ سے انکار ہو کہ تم سے
صبر نہ ہو سکے گا اور پھر آخر کار بعد اصرار بسیار (نہ) بولنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کر اگر ساتھ
لیا ہو۔ تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام مخالف واقعہ۔ حضرت خضر علیہ السلام کے افعال شانہ کو ناشائستگی پر عمل
کر بیٹھے ہوں اور ظلم و ستم کو نظر بظاہر ان کے افعال سے استراغ کر لیا ہو بیٹھے
ہی اگر راوی واقعہ طلب میراٹنے بعد مطالبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کا خلیفہ اول سے اس
ترک آمد و شد کو جو بعد رابطہ ضبط قدیمی بوجہ صدمہ جانتا تھا واقعہ جاںکادہ رحلت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
پیش آیا تھا۔ غم و غصہ پر محمول کر لیا ہو اور اس معاملہ میں پھر کلام نہ کرنے کو بعد اس مطالبہ اور استراغ کے
اگر بوجہ رنج ترک کلام پر محمول کر لیا ہو تو نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا کچھ قصور نکلے گا اور نہ روایت
کی صحت میں بطور قواعد محدثین کچھ نقصان آئے گا اور اگر بغرض محال حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ذمہ
کوئی دشمن دین بے اعتباری خلیفہ اول کی تہمت لگا کر اس کی دشمنی کو صحیح بنائے تو پھر کیا حضرت آدم علیہ السلام باوجود ارشاد خداوندی

لَوْ تَقَرَّبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ

(پاس مل جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے

الظَّالِمِينَ۔ (پا اعراف ۲۵)

ظالم)

اور اطلاع وہی خداوندی یعنی۔

يَا أَدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (پا طہ ۷)

(اے آدم یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا)

موافق بیان قرآن قال ما نهكما ربكما عن

دبولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے

هَذِهِ الشَّجَرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَمْلُوكَيْنِ أَوْ

مگر اسی لیے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ بیٹھے

تَكُونَا مِنَ الْعَالَمِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا

سہنے والے اور ان کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا

لَعَنَ الْفَاحِشِينَ فَذَلُمَا يُغْدِرُ (پا اعراف ۲۰)

دوست ہوں پھر مائل کر دیا ان کو قریب سے)

شیطان کی قسموں میں آگے سوچئے بحسب ظاہر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کا اعتبار نہ کیا یعنی لا تُخْشَاكَ
هَذِهِ الشَّجَرَةُ اور اِنْ هَذَا اَعْدُوُّكَ کا کچھ خیال نہ کیا ایسے ہی اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے
حضرت ابو بکرؓ کا اعتبار نہ کیا ہو تو کیا زیادہ ہوا۔ اگر یوں کہو ارشاد لا تقربا اور ارشاد اِنْ هَذَا اَعْدُوُّكَ
وَلَنْ وَجِدَ كُوبَتٍ عَرَصَهُ ہرچکا تھا۔ اس لیے یا وہ رہا ہو۔ ایسے ہی فضائلِ خلیفہ اولؓ کو بھی سنئے بہت
دن ہو گئے ہوں گے اس لیے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھول گئی ہوں۔

اور یہی حضرت ہارون کی نبوت حضرت موسیٰ علیہما السلام کی دعا سے ہوئی جس قدر ان کو اس
کا علم تھا ہمیں نہیں ہو سکتا علیٰ ہذا القیاس ان کے لازم نبوت یعنی معصومیت ہارونی کو بتا دیا
تھے ہم نہیں جان سکتے۔ باقی قصہ سامری کو سُن کر جو غم و غصہ چڑھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کی
طرف سے بھی یہ گمان ہو گئے اور نبوت اور معصومیت کا کچھ خیال نہ رہا۔ سرورِ ریش کے بال بچہ کرکھینے
کی نوبت تک آئی۔ ایسے ہی اگر غمِ رحلتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو فضائلِ
خلیفہ اولؓ پر کچھ نظر نہ رہی ہو اور شدتِ رحلتِ نبوتؐ کی سچی ہو تو کیا زیادہ ہے۔

مگر اصل بات وہی ہے کہ ان سب باتوں میں بوجہ مذکور غلطی ہوئی ورنہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا
سے بجز تسلیمِ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُؤَدُّ مَا تَزَكَّاهُ قَدْ اور کچھ ظہور میں نہیں آیا۔
بہر حال مطالبہ میراث بوجہ عدمِ علم درمِ حیاتِ جسمانی رسولِ ربانی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اس صورت میں اگر
خطابِ یُؤْهِبُكُمُ اللّٰهُ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا عام سمجھ گئی ہوں تو کیا صریح ہے۔ کیونکہ وجہ
خصوص خطابِ یُؤْهِبُكُمُ اللّٰهُ بھی یہی حیاتِ جسمانی تھی۔

رفدک وغیرہ اموالِ فنی کو حضرت سیدہؓ نے | رہا مقدمہ ثالث یعنی فدک کا غیر مملوک ہونا وہ بھی اگر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضِ تمام اور امتیازِ عام | آپ کو نہ معلوم ہو تو کیا خرابی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے پیشِ نظر ملکِ نبوی سمجھ لیا ہو تو کیا بعید ہے | نے خرقِ سفینہ اور قتلِ طفل کو جو حضرت خضرؑ کو کرتے

دیکھا تو فقط اسی وجہ سے ظلم پر محمول کیا کہ خرقِ قتل اصل میں ظلم و فساد ہی کی اقسام میں سے ہے۔
ہاں جیسے شگافِ جراح کو بوجہ حد و ذیل محمول کہا ہے۔ ایسے ہی قتل و خرق بھی کہیں کہیں محمول ہو جاتے ہیں۔
اسی طرح حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے بذریعہ قبض و تصرفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو بہ نسبتِ فدک
مشہور و معروف عام و خاص تھا۔ اگر مملوکِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیا تو کیا زیادہ کیا آخر تصرف

وقبض تمام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی اس قدر کہ جس کو چاہتا چاہیں دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ چنانچہ
وَمَا لَكُمْ أَلْتَسْأَلُونَ عَنْهُ وَمَا لَكُمْ عُنْدَهُ فَأَمْسِكُوا۔ بھی اس پر شارب ہے بلکہ ہی
کے لیے موضوع ہوا ہے۔ تولیت اس کی نسبت اسی طرح ایک امر شافروناور ہے۔ جیسا خیر خواہی
ساکنین یعنی مالکان سفینہ بہ نسبت غرق سفینہ اور خیر خواہی والدین بہ نسبت قتل اولاد۔ غرض جیسے خرق
سفینہ بغرض خیر خواہی مالک سفینہ اور قتل فرزند بغرض خیر خواہی والدین قلیل الوقوع اور دور از فہم ہے
ایسے ہی امانت داری اور پھر تصرف عام قلیل الوقوع اور دور از فہم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تولیت میں
قبضہ امانت و نیابت ہی ہوتا ہے۔

ا جیسے حضرت علیہ السلام کے اعمال میں موسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ ہوا ایسے ہی | سو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو
حضرت سیدہ خہ کو اموال فے میں ملک خاص کا دھوکہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے | وہاں بوجہ علت وقوع و بعد فہم
دھوکہ ہوا یہاں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اسی وجہ سے دھوکہ ہو گیا تو کیا اعتراض کی بات ہے جو
کوئی خارجی ان پر اعتراض کرے اب سنئے اعتراضات خوارج کی مافعت کے لیے یہ تقریر انشاء اللہ
بوجہ احسن کافی ہے۔

ا جواب اعتراضات۔ اگر حضرت سیدہ خہ پر متاع قلیل | ہاں اور استبعاد طلب متاع قلیل ایسے زمانہ
کی طلب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق | صدقات میں ایسے تارکان و نیاسے باقی رہا۔
حلال کی طلب تارکان دنیا ہی سے متصور ہے | سو اس کے لیے اول تو یہ گذارش ہے کہ

رزق حلال منجہ ضروریات دینی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب رزق حلال اور اس کا اہتمام و انتظام
اگرچہ مقتضی مطلق دینداری ہے۔ مگر مستور ہے تو دین داروں میں سے تارکان دنیا ہی سے متصور
ہے کیونکہ جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی وہی اس کی طلب کیا کرتا ہے سو ایسے دیندار جن کے پاس
رزق حلال بھی نہ ہو بجز تارکان دنیا اور کون ہوں گے۔ اور مترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ
احتمال ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی وجہ مکروہ یا حرام سے آپ کے پاس آیا ہو۔

ا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مترکہ حضرت سیدہ | رہا انتقال ملک بوجہ میراث اس میں بھی فساد
کے لیے نشانی اور تسکین خاطر کا باعث تھا۔ | و بطان کی گنجائش نہیں جو کہ اہت یا حرمت
کا احتمال ہو مترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نشانی اور آپ کا تبرک جس کی ضرورت اہل صدر

کو زیادہ بھرتی ہے سو ایسے نازک وقت میں اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے مطالبہ میراث کیا تو عین مقتضائے
 فکر کی اور دنیا اور اقتصادئے جو شش رنج والم تھا۔ یعنی آپ نے یہ سمجھا کہ ماحیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو
 تو ہم کو رزق حلال کا کچھ فکر نہ تھا اب اس کی بھی ضرورت ہوئی اور آپ کی ثنائی اور تبرکات سے دل کے
 بندھنے کی بھی حاجت ہوئی سو ایسی چیزوں میں دونوں باتیں ہوں اراضی ترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئیں
 اس خیال سے بحیال زوال حیات جسمانی وطن مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مذک کو طلب فرمایا کہ بے فکر
 ہو کہ عمر چند روزہ کو اسی طرح بسر کیجئے کہ غم فراق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے کچھ علاقہ ہی
 نہ ہے۔ یا خدا ہو یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال یہ بات قابل مدح ہے نہ لائق اعتراض و عتاب
 رنج والم ہے نہ گوارہ سنگدلی۔ ترک دنیا کی طرف مصرح ہے حب دنیا کی طرف مشیر نہیں۔ تاکیدات رزق حلال
 کی مثال پر وال۔ اور تحریکات رزق حرام کی تسلیم پر شاہد۔ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنائی اور ترک
 دنیا کی دلیل ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی رَسُوْلِهِ
 خَاتَمِ النَّبِيِّیْنَ وَالْمَوَازِیْهِ وَذُرِّيَّتِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ اَجْمَعِيْنَ



ان (مذرحہ ذیل) پانچ جوابوں کے سوال گم ہو گئے پھر بھی یہ جوابات خالی نفع سے نہیں۔ اس لیے ان کو بھی نذر ناظرین کرنا مناسب سمجھا اور سوالات کا انداز لے بھی ان جوابات سے سمجھ میں آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین والصلوة والسلام

علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اقامت

ہر چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے توڑے میں سے چاندنا۔ مگر بایں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا اور یوں سمجھ کر کہ جواب جاہلان یا شد خموشی اگر ایسی خرافات کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور بھی حیرت ہو جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں اس لیے مختصر جواب سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔

سوال (اول)

(اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو راگ گانے کو برکتے ہیں حالانکہ ہم یہ سوز میں سنتے ہیں خلیفہ ازل نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دت سننے کا اعتراض کیا تھا اس لیے اہل سنت کاغہ اداوی شیعہ پر طعن کرنا حجت نہیں، ملخصاً)

(جواب سوال اول) اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو منع کرتے ہیں تو نہ (صرف) بایں وجہ منع کرتے ہیں کہ یہ اقسام راگ سے ہے اور راگ ممنوع ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو سائل کا یہ کہنا بجا تھا کہ ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں اور جس کو کٹکری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ بلکہ وجہ مخالفت یہ ہے کہ مرثیہ خوانی، اور مرثیہ خوانی پر ہی کیا تقرر ہے۔ تعزیر داری علم برداری سینہ زنی وغیرہ بدعات شیعہ شیعہ سب ایک دہندگان ہوا ہو جس

نے مصحح عرض کرتا ہے کہ ان پانچ گشتہ سوالوں کی تقریر کو ہم نے جوابات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے فہم کے مطابق مرتب کر کے ہر جواب کے شروع میں لکھ دیا ہے۔ ۱۲ مہر محمد۔

ہیں نہ خدا کے تعالیٰ نے اس قسم کی باتوں کے لیے ارشاد فرمایا نہ جناب سرور کائنات علیہ وآلہ افضل الصلوات والتسلیمات نے یہ راہ بتایا ہاں کلام اللہ ہی میں تو یہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ حُدُودَ اللَّهِ فَإِنَّكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پہا بقرہ ۲۹) اور نیز یہ بھی ارشاد ہے۔ اَتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (پہا اعراف ۱)

جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو لوگ حدود خداوندی سے الگ بڑھ جائیں وہی لوگ ہیں ظالم۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ لوگوں کو بے جا ہی کرو اس چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور نہ پیروی کرو سوال اللہ کے اوروں کی۔

اور حدیث شریف میں تو یہ ارشاد ہے۔

مَنْ أَحَدَكُمُ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ص ۲۲۲ م ۲۲۲)

جس کے یہ معنی ہیں کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود ہے۔

اور سب اہل اسلام یہاں تک کہ شیعہ بھی اس بات کے محسوس ہیں کہ مرثیہ خوانی تعزیر داری علم برداری سیرت زنی سیاہ پوشی وغیرہ بدعات محمولہ شیعہ کا پرتہ نہ کلام اللہ میں ہے نہ حدیث میں نہ خدا کے تعالیٰ نے ان کاموں کے لیے فرمایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ بتایا۔ پھر اس طرح ان کاموں کا محقق ہونا اور ان واہیات پر ثواب عظیم کا امیدوار رہنا حدود اللہ سے آگے نکل جانا ہے کہ نہیں؟ اور دین میں نئی بات کا نکلنا ہے یا نہیں؟

بالکل شیعہ موافق ارشاد آیت وَمَنْ يَتَّبِعْ حُدُودَ اللَّهِ فَالْحَقُّ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان کی یہ ساری باتیں مردود ہیں اور اس لیے اہل سنت و جماعت ان پر محسوس ہیں۔ نہ بوجہ راگ ہونے کے فقط مرثیہ کو منع کرتے ہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ شیعہ انصاف فرمائیں اور راہ پر آئیں۔ ورنہ تو وہ جانیں خدا سے معاملہ پڑنا ہے نیک بہ حساب اس کے ہاتھ ہے اور دربارہ وجہ ممانعت تسکین خاطر نہ ہو اور خدا کے ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے دل کی گھڑی نہ کھلے تو ایک مثال عرض کرتا ہوں اس کو غور کریں گے تو میری یہ عرض مان ہی لیں گے۔ انشاء اللہ۔

(بدعات کی تمثیل) جیسے ہلکے تمہارے وجود میں آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں چند اجزاء ہیں اور ہر ایک کی ایک مقدار ہے آنکھیں دو، ناک ایک، انگلیاں پانچ، اعضاء دین میں بھی سب سے رکن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور پھر ہر ایک کی ایک مقدار ہے نماز میں رات دن میں پانچ ہیں تو

روز سے برسوں دن (چوبیس سال) میں تیس ہیں۔

علیٰ ہذا التیاس زکوٰۃ ہر سال ہے تو حج عمرہ میں ایک بار گرجے آنکھ، ناک اپنی مقدار معین اور تعداد معلوم سے کم ہوں جب بڑی بڑی معلوم ہوتی ہیں (ظہور ہوں تب بھی بڑی بڑی معلوم ہوتی ہیں) جیسے ایک ناک کی بارونائیں اور دو آنکھوں کی بگرتیں یا چار آنکھیں ویسے ہی بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے فرض کیجئے کسی کی اصل سے ناک، آنکھ نہ ہوں یا ہوں تو ناک آدمی اور آنکھ ایک ہو۔ بالکل جیسے ہمارے وجود میں کبھی پیشی پٹے اندازہ سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ ویسے ہی دین میں بھی کبھی پیشی اندازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری اور ناموزوں ہوگی۔ اس مثال کے سُن لینے کے بعد اہل انصاف تو انشاء اللہ انصاف ہی فرمائیں گے اور راہ پر آئیں گے اور جن کو خدا کے تعالیٰ نے چشم انصاف ہی عنایت نہیں کی۔ وہ ہماری تو کیا خدا اور رسول کی بھی نہیں مانتے۔

(حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا جواب) [باقی جو کچھ سائل نے حضرت علیہؓ اولیٰٰ پر طعن فرمایا ہے اس کا جواب بطور تحقیق تو اتنا ہی بہت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نہ اہل سنت کے نزدیک نبی نہیں امام (مقصود) نہیں جو سارے احکام ان کو معلوم ہوں مزا میر کی برائی سنی سنائی ہوئی تھی۔ یہ تفصیل یہ معلوم نہ تھی کہ وہ تو عید کے دن جائز ہے اور باقی مزا میر حرام۔ سو اپنے اسی خیال کے موافق نسخ فرمایا۔

باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیدار ہونا ان کو بالیقین معلوم ہوتا تو پھر اس اعتراض کی گنجائش تھی کہ ابو بکر صدیقؓ نہ اس کو مزار شیطانی سمجھتے تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزار شیطانی کا شے والا سمجھا اور مقصود نہ سمجھا۔

علاوہ بریں اعتراض اسے کہتے ہیں کہ جس پر اعتراض کیا جائے اس کی ان باتوں کو توڑے جو ان کے نزدیک مسلم ہوں اور اگر اس کے نزدیک ایک بات مسلم ہی نہیں تو اس کا توڑنا اس کو کیا ضرر ہے؟ مثلاً اہل اسلام پر اعتراض اسے کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نخود باللہ نبی نہ ہونا کا کلام ساحر و نیا پرست ہونا ثابت کرے۔ اور ابو جہل کا کھڑیا اس کی دنیا پرستی اور برائی کا ثبوت اہل اسلام کو کیا ضرر ہے۔ سو اہل سنت و جماعت کے نزدیک مبہمات جیسے امتیوں کو مباح ہوتی ہیں انبیاء کو بھی مباح ہوتی ہیں ان اتنا فرق ہے کہ بہت سی مبہمات امتیوں کے حق میں کسی قدر مکروہ ہوں تحریمی نہ سہی تنزیہی سہی۔ پر انبیاء کے حق میں وہی مبہمات بائیں وجہ کہ ان کے فعل سے حکم اباحت

معلوم ہو جاتا ہے موجب ثواب ہو جاتی ہیں۔

ظاہر کی باتوں میں اس کی ایسی مثال ہے جیسے غذائے قوی ضعیف المعدہ کے حق میں موجب نقصان ہو اور قوی معدہ کے حق میں باعث قوت۔ لیکن ظاہر ہے کہ امر مکروہ میں اشتراک (دوسرے) شیطانی ضرور ہوتا ہے بہت نہیں خنجر اسی ہی، باعث عذاب نہ ہو۔ موجب کراہیت ہی سی۔ سو اگر فرض کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنئے ہی تھے اور ابو بکر صدیقؓ کو آپ کی بیداری کی اطلاع بھی تھی اور اصرار یہ امر مباح بوجہ کراہیت خالی از شر شیطانی نہ ہو تب پیش بریں نیست کہ بوجہ مذکور انہوں نے اس کو مزہ مار شیطانی کہا ہو گا مگر اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ اس کا سننا بوجہ انہوں نے شیطانی ہو۔ ایک فعل ایک حق میں موجب ثواب اور دوسرے کے حق میں موجب عذاب ہوتا ہے۔ چوتھ سنی شانی کا فوکہ ہے تو میں بھی اس وضع کی مثال پیش کرتا ہوں۔ کلام اللہ کا سننا بعضوں کے لیے باعث ہدایت اور موجب ثواب اور بعض کے لیے موجب ضلالت اور باعث عذاب ہے میں نہیں کہتا کلام اللہ ہی میں ارشاد ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ (مکرہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہیروں کو۔)

اب دیکھئے ثواب عذاب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک فعل میں جب دونوں مجتمع ہوں تو اباحت اور کراہیت تو نیچے ہی کے درجہ میں ہیں۔ یہ دونوں اگر بہ نسبت در شخصوں کے ایک فعل میں مجتمع ہو جائیں تو متاخر پنج کیوں ہے۔ یا حضرت خلیفہ اولؓ ہی سے ضد ہے کہ وہ سیدھی کہیں عیب بھی الٹی سمجھیں یہاں تک تو بطور تحقیق جواب تھا۔

اصدیق اکبرؓ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام | اب بطور الزام سنئے۔ جاری نہیں مانتے تو خدا کے واقعے سے اعلیٰ رض کا الزامی جواب | کی تو مانتے۔ خداوند علیم نے حضرت ہارون علیہ السلام

کو اپنے کلام پاک میں نبی فرمایا ہے۔ کبھی بھولے چوکے کلام اللہ کو دیکھا ہو گا تو شیعوں نے سورت مریم میں یہ آیت بھی دیکھی ہوگی۔

وَقَهْبًا لَّهٗ مِنْ نَّحْنِیْنَا اَخَاهُ هَارُوْنَ نَبِیًّا (پہلے مریو ج ۴) جس کے یہ معنی ہیں کہ دیا ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون نبی۔

اور اپنی برادر بزرگوار کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بی شادیت کلام اللہ کے بال بچہ کرکھینے چنانچہ کلام اللہ
پڑھا ہوگا تو سورۃ اعراف میں یہ بھی دیکھا ہوگا۔

وَلَا تَخْذُ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَحْدُوهُ إِلَيْهِ (اور بچہ اس پر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے لگا تو اپنی طرف)

جس کا عامل بعینہ یہی ہے جو معروض ہوا اور سورۃ طہ میں ہے۔

وَأَحْبَبْتُ إِلَيَّ ذِيئًا مِّنْ أَهْلِي مَرْوَنَ (اور میں مجھ کو ایک کام بٹانہ والا میرے گھر کا)

اگر اس کو میرے کام میں ہے۔ (اور میں میرا بھائی اس سے مضبوط کر میری گھر اور شریک

امری۔ (پہلا طہ ۲۷)

اور سورت قصص میں جملہ فارسید الی طہون بھی دیکھا ہوگا جس کو اپنے ماقبل اور مابعد کے ساتھ

ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت مارون علیہ السلام کے لیے نبوت کی

استدعا اسی وقت کی ہے جس وقت ان کو خلعت نبوت عنایت ہوئی۔

غرض فرعون کی طرف جانے سے پہلے حضرت مارون علیہ السلام کی نبوت کے خواستگار ہوئے اور پھر

قَدْ أُوتِيْتَ سُورَةَكَ يَمُوسَىٰ (پہلا طہ ۲۸) (ملا کچھ کو تیرا سوال لے موسیٰ) سورۃ طہ میں اور

كَأَنَّهُمْ قَدْ هَبَا بِأَيْتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُونَ (کبھی نہیں تم دونوں جانے کر ہماری نشانیاں

ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں) سورۃ شعراء (۲۷) میں موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ

دعا اور استدعا فرعون کی طرف جانے سے پہلے ہی مقبول ہوئی۔ یہ سارے حوالے اس لیے

ہیں کہ کوئی جحقی لا اسکی (یعنی رافضی جو امت نبی کہلانے پر غر نہیں کرتا بلکہ شیخ علی اور ملت جعفریہ کہلاتا)

بے وجہ تراز کرے اگرچہ شیخ اپنی ہٹ و مصری سے اب بھی شاید باز نہ آئیں کلام اللہ ہی کو بیاض عثمانی

کتنے لگیں کلام ربانی نہ کہیں چنانچہ کہتے ہیں۔ اور اسی لیے علماء اہل سنت نے اور نیز اس پچھلے ان نے

بہرہ الشیخہ میں اس کے جواب دہ ان شکن لکھے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر شیخہ اصل سے

کلام اللہ ہی کو نہ مانیں تو ہمارا اور بھی حساب اور ان کا لیکھا ہے ادھر نہیں۔ تو ادھر ہی سے ان کو

پھاریں گے۔ آخر شیخہ اسی حدیث ثعلین کے تو بھی قائل ہیں اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ

دوسری اپنی عمرت جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے جب تک گمراہ نہ ہو گے۔ اور ظاہر ہے

کہ کلام اللہ کسی کے پاس ہو اور نہ پکڑے یعنی اس پر عمل نہ کرے یا پاس ہی نہ ہو کوئی چھینے سے ہلے یا جلائے جیسا حضرات شیعوہ بہ نسبت حضرت عثمان غنیؓ نہ کر سکتے ہیں۔ کلام اللہ پر عمل کرنا دونوں صورتوں میں صحیح نہیں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں مثل کفار زمانہ حضرت سید ابراہیمؑ احمد مختار رضی اللہ علیہ وسلم ہوں گے دوسری صورت میں مثل کفار زمانہ باہلیت۔

(حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت) | بالحد کلام اللہ کے عالموں، حافظوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس جانے سے پہلے ہی نبی ہو چکے تھے۔ اور علیٰ مذاقیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کے لیے کوہ طور پر جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنانا اور پھر سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ میں لوٹ کر حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ کر یہ کہنا: أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي میں تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سب باقی فرعون کے غرق ہونے کے بعد کی ہیں۔ چنانچہ سورۃ اعراف سورۃ اللہ سورۃ شعراء کے سیاق و سباق اور نیز بالاتفاق شیعہ و سنی ثابت ہے۔ اب حضرات شیعہ کی خدمت میں اس غلام خاندان اہل بیت کی یہ گزارش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو وہی حکم کیا تھا جو حکم خدا ہے اور انہوں نے اس کی نافرمانی کی جس کی نسبت یہ فرمایا أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي نسب تو حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت کو پکڑ کر تھامنے لگا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جی نے کوئی امر خلاف شرع ارشاد فرمایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصمت کو نحوڑا لے کر داغ لگے گا۔ اور اگر وہ حکم نہ موافق شرع تھا نہ مخالف شرع تو یہی مباحات دنیوی میں سے تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کا قصور ہی کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ہتک عزت کی نہ ان کی نبوت کا لحاظ کیا نہ بزرگی اور بڑائی کا لحاظ کیا قطع نظر نبوت کے حضرت ہارون بڑے بھائی بھی آرتھے تو بڑا بھائی بھانے باپ ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ حرکت (بظاہر نبوت سے قطع نظر) از قسم عصیت یعنی جس سے عصمت کو داغ تو کیا لگے بالکل سیما ہی بن جائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت باوجود اس دست و گریبان ہونے کے بھی بالاتفاق سنی شیعہ نہیں جاتی اور ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھنے سے چنانچہ آیت أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي شامد ہے ان کی عصمت کو داغ نہیں لگاتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اگر وہ کوہ ماہ شیطانی سمجھ کر منع کیا تو کیا بے جا کیا۔ اس میں

اور اس میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ قصہ کلام اللہ میں ہے جس کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یہ قصہ حدیث واحد میں ہے جس کے انکار سے کفر عام نہیں ہوتا۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ہیں اور نبی بھی کیسے نبی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کا فہم کیا ہوتا ہے یہاں اگر وف کو مزار شیطانی سمجھا تو ابو بکر صدیقؓ نے سمجھا جو ان کے معتقدوں کے نزدیک نبی نہیں (بزرگ) امتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بدرجہا کمتر ہیں ان کی غلط فہمی سے سنیوں کو کچھ غیب نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کے یہاں سوائے نبی کے کوئی معصوم ہی نہیں اور شیعوں کے اصول کے موافق نبی تو نبی امام بھی معصوم ہے۔ پھر سنی تو اعمال ہی میں معصوم کہتے ہیں جسے معصوم کہتے ہیں۔ شیعوں معصوموں کو فہم میں بھی معصوم سمجھتے ہیں جیسے اعمال میں معصوم ہوتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا ویسے ہی غلط فہمی سے معصوم ہوتے ہیں۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ کی غلط فہمی اہل سنت کو مضر نہیں) | سو اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے غلطی سے دت کو درنظارہ کثرت استعمال و رواج کی وجہ سے جیسے ریڈیو، مزار شیطانی کہہ دیا تو کیا گناہ کیا۔ ایک غلط فہمی جس سے نہ ولایت میں نقصان ہے۔ سنیوں کے نزدیک نہ خلافت میں بلکہ ان کے نزدیک نبی سے بھی (جیسے کہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام) غلط فہمی ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیعوں کے نزدیک غلط فہمی ممکن ہی نہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو جو انہوں نے عاصی سمجھا تو شیعوں کے نزدیک بخود باللہ صحیح ہی سمجھا ہو گا۔ علاوہ بریں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اگر شیطان کی طرف نسبت کیا تو بجاتے والوں کے فعل کو نسبت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کیا بلکہ آپ ہی کی خاطر ان کو جھڑکا۔ یعنی جیسے اور کافروں فاسقوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کرتے تھے رڑتے جھگڑتے تھے یہاں بھی مقتضائے ادب و محبت نبوی غصہ ہونے اور منع کیا۔ اور جیسے اور کفار فجار کے اعمال کے دیکھنے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے یوں خیال نہیں کیا کہ آپ برضا و رغبت دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں بھی بشرط مسلم بیداری یہ نہ سمجھا تھا کہ آپ برضا و رغبت سنتے ہیں بلکہ سیاق کلام سے یہ بات فہم ہو تو یہ بات صاف روشن ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہی خیال کیا کہ آپ کو فعل بر محض

ہوتا ہوگا۔ پر آپ شاید ایسے چُپ ہوں جیسے بعض بزرگ وجہ کمالِ علم چھپوں کی بہت سی بدگالیوں پر سکوت کرتے ہیں۔ غرض ابوبکر صدیقؓ کے کھان میں یہ آیا کہ آپ کو رے و ف بکنا، لاریب برا معلوم ہوتا ہے مگر جو نکر و مکر و بات تنزیہی سے آپ منع نہیں فرماتے اس لیے آپ نے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ سو ابوبکر صدیقؓ کو وجہ کمالِ ادب اتنی بات بھی بُری معلوم ہوئی اور یہ قصہ ایسا ہے کہ بڑے بزرگ کے سامنے کوئی لڑکا حق پر مینے لگے اور وہ وجہ دانشمندی خود تو کچھ نہ کہیں پر ان کے خادم لوگ کہیں کہ میں ایسی بے ادبی بزرگوں کے سامنے۔

لیکن تحریرِ ملاحظہ قصہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے خوب روشن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود حضرت ہارون علیہ السلام ہی کو عاصی سمجھا۔ اور اسے بھی جانے دیکھے، خصیان اور منراہ شیطان میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ منراہ شیطان کہنے سے تو فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ شیطان کو اس فعل میں دخل ہے یا شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شرک ہے یا کفر ہے یا گناہ کبیرہ یا صغیر یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ غرض ایک گول بات ہے کہ جس کے بیس پہلو ہیں اور ظاہر ہے کہ شیطان کو ان سب باتوں میں دخل ہے۔ بلکہ طولِ امل اور حدیثِ نفس (دوسرے) تک بھی شیطان ہی سے ہوتے ہیں۔ شیطان کا دوسرے کامیں کی شان میں عیب نہیں اور | اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت منراہ شیطان سے آدم کی طرف سے سورہ شیطانی کی نسبت (دشمنی) شیطان کی دوسرے اندازی خود کلامِ اللہ ہی میں مذکور ہے۔

فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (پھر بکایا ان کو شیطان نے) سورہ اعراف (پچاس) میں اور
فَازْلِمَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاجْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ (پچھلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے۔)

کبھی دیکھا سنا ہوگا۔ اور سورتِ حج میں۔
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّيَ الْفَقِي الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ (پک حج ۷۷)
(کے خیال میں)

موجود ہے۔ ان سب آیات کے ترجمے دیکھئے اور انصاف کیجئے کہ دوسرے اور القارِ شیطانی کی

انصاف مزار شیطانی کی اصناف سے کس بات میں کم ہے۔ مگر حصیان نافرمانی کو کہتے ہیں جس سے
انبیاء بالیقین معصوم ہیں۔

اب حضرات شیعوہ برائے خدا انصاف فرمائیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مزار الشیطان کہنے
اور سمجھنے سے عصمت کو ہٹا لگتا ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انصافیت ائمہؑ کی کہنے سے۔
صاحبو! یہ ساری غرالی کلام اللہ کے یاد نہ ہونے اور کلام اللہ پر تمسک اور عمل نہ کرنے کی ہے اگر حضرات
شیعہ کو کلام اللہ کی طرف توجہ ہوتی تو اس اعتراض کو تو منہ پر ہی نہ لاتے۔

خیر خداوند کریم ہمیں انہیں کلام اللہ کی پیروی کی توفیق دے۔ بالحدیث حضرات شیعہ کی خدمت میں
اب ہماری یہ عرض ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نہ بمقتضائے تقریب قصور لکھے پر آپ صاحبوں کو تھامے
اس اعتراض کا جواب دینا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی
نبوت اور عصمت کے سب سے زیادہ واقف تھے کیوں کہ آپ ہی کی استدعا سے ان کو نبوت
کی نوبت پہنچی۔ پھر کیوں ان کو عاصی سمجھا اور پھر سمجھے بھی تو اس وجہ کو کہ شک کا بھی احتمال نہیں بہر طرح
سے یقین کا یقین ہے ورنہ سر کے بال اور بازو کی بال پکڑنے اور کھینچنے کی نوبت نہ آتی بلکہ آیت۔
لَا تُشِجُّنَّ رَبِّي الْأَعْدَاءُ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پہلے صفحہ ۱۸)
(سورت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ بلا مجھ کو
کہنگار لوگوں میں)

سے ترویج معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو زمرہ ظالمین سے سمجھا (معاذ اللہ)

(سوال دوم)

حضرت علیؓ کی خاصات و کمالات میں حضرت ابو بکرؓ سے افضل تھے مگر ابو بکرؓ نے حضرت
علیؓ کا حق رہا یا مصطفیٰ اور خلافت کے وارث بن بیٹھے، تو ابو بکرؓ کیسے خلیفہ عادل ہوئے؟

لے خلاصہ جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا رون کو شیطان کے کھیل کا آلہ کہنا کمال اتباع نبوی اور
آرام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی سے یہ نامناسب سلوک بخلاصہ انصاف
اور جوش توحید کی بنا پر تھا۔ دونوں قصوں میں کوئی اعتراض کا پہلو نہیں۔ ۱۲ مہر محمد۔

جواب سوال دوم

اس سوال سے کچھ معلوم نہ ہوا کہ غرض سائل کیا ہے غلام

(شیعہ کی پیش کردہ حدیث کا کوئی پایہ نہیں) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت حضرت رابع الخلفی رسید

آل عباس امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ مد نظر ہے اور بایں وجہ درپہ وہ خلفی، غلام کے عدم استحقاق کا منظر ہے

سو اس کا جواب اول تو یہی ہے کہ حدیث مسطور سفیوں کے نزدیک احادیث معتبرہ میں سے

نہیں صحاح ستہ میں ہے نہ مشکوٰۃ میں نہ کسی اور حدیث کی کتاب میں۔ باقی علاوہ حق محرقہ اول تو حدیث

کی کتاب نہیں۔ ردہ و افضل میں ایک کتاب ہے۔ اور اگر فرض کیجئے اس میں کسی حدیث کا ہونا بھی سفیوں

کے الزام کھائے کو ویسا ہی ہے جیسے حدیث کی کتابوں میں کسی حدیث کا ہونا تو بھر کیا، اہل سنت و جماعت

اپنی کتابوں میں صحیح ضعیف، معتبر، غیر معتبر ہر قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں۔ مگر اس کی تین صورتیں ہیں۔

(اہل سنت کی کتب حدیث کے چار درجے) ایک تو یہ کہ مصنف کتاب یہ التزام کرے کہ اپنی

کتاب میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کروں گا جیسے بخاری شریف صحیح مسلم وغیرہ

اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے بیمار (خاص) کے لیے مفید ہی مفید ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں پر صحیح کو جدا بتلاشتے ہیں اور

ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو کھول کر لکھتے ہیں

کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی حدیث کو کھول کر کہہ جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی ایسی

مثال ہے کہ جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مفردہ مرکبہ نافوہ مفردہ اور افقرہ نافوہ مفردہ سب لکھتے ہیں

پراس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا یا غذا نافع ہے اور یہ دوا یا غذا مضر ہے۔ سو کتب طب میں

کسی مفرد چیز کو دیکھ کر جیسے کوئی ناروان بھی یہ نہیں کہہ پڑتا کہ فلاں دوا یا غذا طب کی کتاب میں ہے اور

اس کو استعمال کریں۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال میں استعمال

کرنے کا خیال بھی کسی عاقل کو نہیں آسکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں فقط موضوعات یا احادیث ضعیفہ ہی کو

جمع کرے اور غرض التزام سے یہ ہو کہ دینداران سادہ لوح کے لیے یہ کتاب ایسی رہے جیسے

طبیب پر ہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کر دے تاکہ کل کو کوئی دیکھ نہ کھائے۔ یہ موضوعات ابن

جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں سو ایسی کتابوں سے سفیوں کے التزام کے لیے کوئی حدیث نقل کی

کی جاتے تو بڑی ہی شرم چٹھی ہے۔

یہ جو تحقیق صورت ہے کہ بطور بیاض کسی نے ایک مجموعہ اکٹھا کیا اور رطب و یابس سب اس میں بھر لیں تاکہ وقت فرصت تحقیق کے صحیح کو پہنچے دیں گے اور ضعیف نکال دیں گے اور پھر اتفاق سے یہ اتفاق نہ ہوا یا ہوا تو وہ اصل بیاض کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ اس صورت میں بھی عاقل کا یہ کام نہیں کہ اس سے استدلال کرے اکثر غیر مشہور کتابیں حدیث کی اسی قسم کی ہیں۔ سو غیر مشہور کتابوں سے حدیثوں کا بیان کرنا جب تک مقید مطلب نہیں کہ کسی محقق نے اس کی تصحیح نہ کی ہو چنانچہ ظاہر ہے۔ سو اس حدیث کی کسی محقق اہل سنت نے آج تک تصحیح نہیں کی جو حضرات شیعہ کو گنجائش استدلال ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہؓ اور ان سب کو جاتے دیکھئے۔
اور امت میں افضل ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ اس سے زیادہ فضیلتیں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں۔ کتاب میں معتبر بھرنی ہوتی ہیں۔ لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اگر میں کسی کو سوا خدا کے دوست اور خلیل بنانا تو ابو بکرؓ کو بنانا“ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھتے تھے۔ علیؓ نہ الیقیناً اور بہت سے فضائل ہیں۔ حضرت علیؓ کی اس فضیلت سے جو حدیث مذکور سے مستنبط ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سب افضل ہیں۔ ہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت مذکور سے ان (ابو بکرؓ) کی فضیلت واضح ہے۔

صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ کو خلافت دیکر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے اور اس کو بھی

لے نوٹ۔ اس مقام میں اصل نسخہ میں تین سطری غائب ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت چھوٹ گئی ہے لہذا اصل کے مطابق یہاں تین سطروں کی مقدار بیاض رہنے دیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد عیسیٰ گورمانی۔

جلتے میجے، ہم پوچھتے ہیں کہ حدیث مذکور اگر صحیح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ افضل
 ہوں گے یا نہ ہوں گے؟ اگر آپؐ بھی افضل ہوں گے تو ہمیں بھی کچھ شکایت نہیں مگر جیسے باوجود افضلیت
 حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکومت نہ دی اپنے ہی تخت تصرف میں رکھی ایسے ہی
 حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی ہو گیا۔ اتنا فرق ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اتباع نبوی کیا کہ حق
 کرنے پہنچایا اور اسی وجہ سے مصیب اصواب ہی ہوں گے انشاء اللہ۔ کیوں کہ اتباع سنت تو ہر حال
 موجب ثواب ہی ہوتا ہے شیعوں بھی اس کے قائل ہیں۔ اور سنی بھی اس کے معترف اور اگر باوجود
 ان فضائل کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو یہ مطلب ہو گا کہ یہ فضائل ہیں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فضائل ہوں گے یا ان فضائل کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے
 تو سنیوں کی بھی یہی گزارش ہے کہ ابو بکر صدیقؓ میں بھی یہ فضائل ہوں گے یا ان کے مقابل میں اور
 فضائل ہوں گے۔ بالجملہ بدستادہ حدیث مذکور اگر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیقؓ
 سے افضل تھے تو اسی حدیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے کیونکہ یہ
 فضائل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حدیث کے موافق نصیب نہیں ہوئے اور وہ بھی
 حضرات شیعوں کے طور پر کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے تو ان کی افضلیت اسی وجہ سے ثابت ہو گی۔
 کہ اس حدیث کے سیاق سے حضرت امیرؓ ہی کا اختصاص ان اوصاف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے
 پھر جب بوجہ اختصاص ایک سے افضل ہونے ویسے ہی سارے جہان سے افضل ہوں گے اس
 میں سید الانبیاءؑ ہو یا سید الصدیقینؑ ہو اس صورت میں ابو بکر صدیقؓ کو تو خلافت کے دبا لے
 کے لیے یہی حجت کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود افضلیت حضرت امیرؓ ان کو
 حکومت نہ دی آپؐ ہی قابض و متصرف ہے۔ مجھ کو لازم ہے کہ میں بھی اسی طرح حضرت امیرؓ
 کو حکومت نہ دوں تاکہ حق کے نہ مینے میں رسول اللہ کی پیروی ہاتھ سے نہ جلتے۔

علاوہ بریں وقت وفات امام مسجد
 وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقؓ
 کو امام بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے
 ہر عام و خاص نے یہی سمجھا کہ جو دین کا
 پیغمبر وہی دنیا کا پیشوا یعنی جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے پیشوا تھے اور امام نماز تھے اس لیے

دنیا کے بھی اہم یعنی حاکم تھے ایسے ہی ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا اہم بنایا جو سب دین کی باتوں میں افضل ہے لاریب دین میں یہ سب سے زیادہ ہوں گے سوائے انہیں کو دنیا کا بھی اہم بنانا چاہیے۔ علیؓ نہ القیاس خود ابو بکرؓ کے ذہن میں (بالفرض) یہی آیا ہو کہ جب مجھے دین کا اہم بنایا دنیا کا بھی میں ہی اہم ہوں گا۔

(خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) لیکن حضرات شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ حضرت علیؓ کو ان کا حق نہ دیا) علیہ وسلم نے جو حضرت امیرؓ کا حق نہ دیا اور آپ دہائے رکھا پھر وقت وفات بھی کیا تو وہ کیا جس سے سب عام و خاص الٹا سمجھ گئے۔ تو آپؐ کی پیروی کی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ حاکم ہو تو افضل ہو ورنہ پھر شیعوں کو سنیوں پر کیا اعتراض ہے گا۔ سو اس صورت میں لازم یوں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم حضرت امیرؓ کو بناتے آپ محکوم بنتے۔

(جب خدا کے ذمہ عدل واجب تو خدا نے) اور اسے بھی بیان دیکھے رسول اللہ صلی اللہ حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا) بشرتے کچھ خوف ہوا ہو گا ابو بکرؓ کا عمرؓ سے خود باللہ ڈر گئے ہوں گے خود خداوند کریم بایں ہمہ دعوتے عدل و انصاف جس کے معنی شیعوں کے نزدیک ہیں کہ خدا کے ذمہ پر عدل واجب ہے خلاف انصاف وہ کوئی بات کر ہی نہیں سکتا حضرت امیرؓ کا عامی اور طرفدار کیوں نہ ہو یا توں کہئے کہ خدا کے ذمہ حق کا پہنچانا واجب نہیں تب تو سنیوں کا مذہب بوجہ نکلا کہ خدا کے ذمہ عدل واجب نہیں اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ چنانچہ خود ہی فرماتا ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُنْكِرُونَ (پکا انبیاء ۲)

اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے (۱)

اور کیونکر اختیار نہ ہو وہ سب کا مالک ہے ظلم تو جب ہو جب کسی غیر کی چیز میں بے موقع تصرف کرے اگر کوئی شخص اپنی سلطنت اور ریاست یا خزانہ یا کوئی اور چیز کسی کفر کو ہبہ کر دے اور افضل کو ہبہ نہ کرے تو اس کو کوئی ناراضی بھی ظلم نہیں کہہ سکتا۔

دور حقیقت صدیق اکبرؓ کی خلافت بوجہ آپؐ کی

یا یوں کہو خدا پر عدل تو واجب ہے پر انصاف

افضلیت کے عدل کے عین مطابق ہے) یہی تھا کہ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوں کیوں کہ وہ

سب افضل تھے سب اہل سنت کا بالاجتہاد۔

دیکھا شخصین از خود خلیفہ بن گئے اور معاویہ اللہ علیہ السلام کا تھا اور حق بھی حضرت
خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا | علیؑ کا تھا پر نعوذ باللہ نعوذ باللہ ابو بکرؓ اور عمرؓ
کے ساتھ خدا کی کچھ نہ چلی زبردستی یہ دونوں علیؑ کا حق دبا بیٹھے۔ تب سنیوں ہی کا بول بالا رہا۔
جن کے ایسے پیشوا کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی ان کے ساتھ نہ چلے ان کو حضرت کی پیروی کی کیا پروا اور
ان کی نافرمانی کا اندیشہ؟

حضرات شیعہ یا تو ان باتوں کا محمول جواب دیں ورنہ فکر آخرت کریں اور توبہ توبہ کریں۔ ان
سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اس طرح کے کلمات کے زبان پر لانے سے واللہ
جی ڈرتا ہے خدا کی شان کے آگے ابو بکرؓ اور عمرؓ تو کیا چیز ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو
افضل مخلوقات ہیں اور محبوب ذات پاک ہیں ایک بندہ ہی میں ایک ذرہ ہلانے کی طاقت نہیں
رکھتے پر کیا کیجئے۔ نقل کنز کفر نہ باشد حضرات شیعہ کی خرافات کو بنا چاری نقل کرنا پڑا۔

(سوال سوم)

حضرت علیؑ خلیفہ برحق تھے اور محمد بن ابی بکر حضرت علیؑ کی جماعت میں تھا اور جب وہ
معاویہؓ کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ان پر حضرت عائشہؓ فاروقی اور پھر امیر معاویہؓ نے حضرت
امیرؓ سے جنگ کی اور حضرت عائشہؓ نے بھی ان سے جنگ کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو حَدُّبُكَ حَرْبٌ فرمایا ہے۔ تو اہل سنت کے یہ بزرگ عقیدت کے لائق کیسے ہوئے۔
جواب سوال سوم | اس سوال کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جناب سائل وقت سوال کچھ
بھنگ بھی نوش جان کئے ہوئے ہیں۔ اہل فہم کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں
یا شیعوں پر یا دونوں پر یا یوں ہی ایک غمزہ بے جا اور عشوہ بے محل ہے۔
واقعی معبر مورخ نہیں | صاحبو! اول تو واقعی اہل سنت کے نزدیک مؤرخ معبر نہیں مجمع البہاء
کے آخر میں دیکھ لیجئے۔ واقعی کی شان میں کیا لکھا ہے

(حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی صحابیت میں) زوجیت کا خیال کیوں نہ کیا۔ | مگر اس بات کو تو ناظرانِ اوراقِ حقیقہ گزاری پر محمول کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ساری باتوں کو مقررہ

اوراقِ غلط بتانے لگا۔ اور صاحبِ سوال۔ جنابِ معترض کو کوئی یوں نہ کہے گا کہ حضرت نے جو بات لکھی ہے، طوفانِ شیطانی ہی لکھی ہے۔ کوئی اہل علم تو بتائے کہ حضرت نے سوا ایک بات کون سی بات سچی لکھی ہے۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر اس روایت کو مانا۔ حضرت عائشہؓ کے روئے کی اگر شکایت ہے تو حضرت امیرؓ بھی بہت اہلِ بکر کوئے اگر حضرت عائشہؓ نے اس بات کا اوصیان نہ کیا کہ کل اُس نے میری صحابیت اور زوجیت کا کچھ لحاظ نہیں کیا تھا تو حضرت امیرؓ نے بھی اس کا کچھ اوصیان نہ فرمایا کہ کل اس (محمد بن ابی بکر) نے حضرت عائشہؓ کا وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحابیت کا اوصیان نہیں کیا تھا۔ مجھ کو اس کے غم میں رہنا مناسب نہیں۔ بلکہ یوں کہو حضرت امیرؓ نے بھی جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ کی زوجیت اور صحابیت کا لحاظ نہیں کیا۔ اگر اس بات کا لحاظ نہ کرنا پڑا تھا اور اس وجہ سے ان کا غم مناسب نہ تھا تو یہ فرمایے حضرت امیرؓ نے ایسا برا کام کیوں کیا۔

اور اگر یہ مدعا ہے کہ حضرت امیرؓ جنگِ جمل میں حق پر تھے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر صدیقؓ نے اپنی سب سے کچھ لحاظ نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لاریب حضرت امیرؓ برحق تھے۔ ہم وہ نہیں کہ مثلِ شیوعہ حق بات کو ہنرمند کر جائیں پر اس کہنے سے کیا فائدہ محمد بن ابی بکرؓ کے کون سے مقتدار اور پیشوا اور اہم وقت تھے جن کا فعل سنیوں کے نزدیک مستند ہو۔ دوسری (بات) یہ ہے کہ اگر ان کا فعل سند بھی ہو تو حاجتِ سند یہ کیا ہے۔

اہل سنت حضرت علیؓ کی خلافتِ حقہ کے اسی | اہل سنت حضرت امیرؓ کی خلافت کے وقت |
 طرح قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کے | ان کے خلیفہ برحق ہونے کے لیے ہی قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کی حقیقت کے ان کے ایامِ خلافت کے قائل ہیں۔ سند کی تو اس وقت ضرورت ہوتی جب اہل سنت حضرت امیرؓ کے برحق ہونے کے منکر ہوتے پر اس پروردہ سرانی سے کیا فائدہ تو اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت امیرؓ کے مننے سے آپ کو کیا فائدہ آیا۔ یہ تو فرمایئے یہ کونسی دلیل ہے اسے کلام اللہ کی آیت کہے یا حدیث کی دلالت کہے اس دلیلوں کی سیڑھی

سے اس بحث میں کیا ہاتھ آیا۔ خلافت حضرت امیر اس سے ہاتھ آگئی یا آپ کی امامت کا ٹکڑا
 اور قبائل سے اس درست ہو گیا نقل مشورے سے یہاں پر حج کا لیجئے گا امامت حضرت میر کا یہ عمل تقریر
 از مشورہ ولی وہی اظہار خبیث باطن بہ نسبت دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور اس پر وہ
 میں حضرت عائشہ پر طعن و نظر ہے تو موافق مصرع مشہور اکون المذاہر پاؤش شک است مناسب
 تو یوں تھا کہ انتقام ام المؤمنین محبوبہ المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم بھی اپنے دل کے پھپھو سے
 پھوڑتے پیسے نابکاروں کو برا کہا تو کیا ہوا شیطان کو برا کہنے کی حاجت ہی کیسا ہے اور اس کی ہجو
 و مذمت کی ضرورت ہی کیا ہے جیسے ان کی خوبی اور بزرگی معلوم ہے حضرات روافض کی شان میں
 یہی مشورہ ہے۔ ک۔ الرافضی فواد اللعنة ازومی خیر و بدومی ریزو

بالجملہ رافضیوں کے برا کہنے کی حاجت نہیں۔ ہاں جواب اعتراض چاہیے۔

(تحتی جواب۔ جنگ جمل خطار اجتہادی کی بنا پر | صاحبو! تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ
 ہوئی اور خطار اجتہادی قابل مواخذہ نہیں) | لاریب اپنے اہام خلافت میں حضرت امیر افضل
 بشر تھے اور بے شک وہ برحق تھے اور حضرت عائشہ خطار پر تھیں لیکن بوجہ خطا و نسیان انسان مجاہد
 نہیں۔ ورنہ روزہ میں ببول کسلائی پینا، کھانا کھانا بوجہ خطا جیسے دمنو کرتے ہیں کبھی پانی حلق میں
 اتر جاتا ہے۔ ایسے امور کا مرتکب ہونا موجب عذاب و وجوب کفارہ ہوا کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس بوجہ
 غلطی اگر کوئی حرکت ناسزا ہو جائے تو اس پر بھی خدا کے یہاں سے گرفت نہیں ورنہ ابراہیم کے روزہ
 قریب غروب آفتاب کہ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا ہو اگر کوئی شخص بوجہ غلطی یوں سمجھ لے کہ آفتاب
 غروب ہو گیا اور یہ سمجھ کر روزہ کھول لے اور پھر آفتاب نمودار ہو جائے چنانچہ اکثر ہو جاتا ہے تو لازم
 یوں ہے کہ ایسا شخص معذب ہوا کرتے حالانکہ باتفاق شیعوں نے ایسے افعال پر خدا کے یہاں مواخذہ
 نہیں۔ ایسے ہی مشاجرات صحابہ اور مخالفت اصحاب جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیاء
 جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ گذرا سب بوجہ غلطی ہوتے ہیں حبان
 بوجہ کر نہیں ہوتے جو ان پر اعتراض کیا جائے۔

(حضرت علیؑ کی قصاص لینے میں تاخیر | باقی رہی یہ بات کہ وجہ غلطی کیا ہوئی اس کا جواب
 کیوجہ ملوایتوں کا غلبہ اور زور تھا) | اول تو یہ ہے کہ ہم کو اس سے کیا بحث حضرت موسیٰ

علیہ السلام اور حضرت یارون علیہ السلام کی طرح دونوں کو بزرگ سمجھنا چاہیے اور تختی مد نظر ہے تو سنی
 حضرت عثمان کے قاتل حضرت امیرؓ کے ساتھ ہو لے تھے۔ سو حضرت امیرؓ اول تو بائیں وجہ قصاص کے
 لینے میں دیر کرتے تھے کہ ان شہداء پشتوں نے ہی بنائی ہست زور کی خلافت کو جب ایسا نیر وزیر کر دیا
 تو میری خلافت تو سننے ہی نہیں پائی۔ میرے قابل کیونکر آئیں گے۔

(حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر اور سمری کی بات ہے تحقیق کے بعد قاتل غیر قاتل کو
 قاتلین عثمانؓ میں سمجھ کر مارا) پہچان کر قصاص لیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت
 زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ یہ سمجھے کہ حضرت امیرؓ ان ظالموں کے طرفدار ہیں چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ
 نے یہ جو محمد بن ابی بکر کو مارا تو اس کی وجہ یہی سی ہوئی کہ ان کو منجملہ مشیران قاتلین سمجھتے تھے یہ بات جدا
 رہی کہ یہ (مشیر) تھے یا نہ تھے۔

(جنگ جمل میں ہوائیوں کا ہاتھ تھا) تو اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ
 کا خود ارادہ قتال بھی نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل جو ان لوگوں کو ڈالتے تھے تو اپنی جان بچانے کو
 بصرہ کو جاتے تھے۔ حضرت امیرؓ نے تعاقب کیا۔ انجام کار بائیں وجہ کہ قاتلان مذکور نے بغرض فساد
 و گروہ جو کہ دروں لشکروں پر شب خون مارا ہر ایک کے دوسرے کی دغا بھی اور لڑا لڑا کر قصہ تمام کیا۔

(اس طرح کی خطا کا صدور قصہ موسیٰ امیر شہادت کلام اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت
 اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے۔) خضر علیہ السلام پرستی توڑ ڈالنے اور لڑکے کو مار ڈالنے کے مقدمہ

میں اعتراض کیا چنانچہ سورہ کہف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے۔ جسے شوق ہو سولہویں سیپاے کے شروع
 سے پتلے ایک رکوع نکال کر دیکھنا شروع کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے پاس جانا اور دوبارہ
 تسلیم عہد و پیمان کرنا پھر بائیں ہر اعتراض کرنا اور نیز حضرت خضر علیہ السلام کا ان باتوں میں بے قصور ہونا
 سب بخوبی واضح ہو جائے گا اور نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلطی بھی کمالی
 پر بے بتلائے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام
 کے پاس آپ نہیں گئے خدا کے بھیجے ہوئے گئے۔ خدا نے ان کے علم اور ہدایت کی ان سے۔ تعریف
 کی پھر انہوں نے یہ کہہ لیا کہ تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا۔ تم میرے ساتھ نہ ہو۔ خود حضرت
 موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ میں کچھ تکرار نہ کروں گا۔ بائیں ہر نور نبوت و جمال عقل الیا کہ کیسی ہی

باریک بات کیوں نہ ہو اسے سمجھ جائیں پر اس پہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھے اور نہ سمجھنا تو وہ کنار
یوں (بھی) نہ سمجھے کہ اس میں کوئی کچھ بعید ہو گا۔ صبر کرنا چاہیے اور پھر نہ سمجھنے کی نوبت یہاں تک آئی
کہ بے ہمتانے نہ سمجھے اگر ہم جیسے اور تم جیسے مسلمان دنیا کم عقل کم فہم ان قصوں کی حقیقت کو نہ سمجھیں
جن میں مراتب مذکورہ میں سے ایک بات بھی غور نہیں کر کیا بعید ہے بلکہ لازم یوں ہے کہ نہ سمجھیں ہاں
یہ سمجھ کر کہ جاری سمجھ کا قصوبے ان بزرگواروں کا قصوبہ نہیں ان پر اعتراض نہ کریں جیسے حضرت موسیٰ
علیہ السلام پر ہم کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔

(مشاجرات صحابہ میں کف لسانی واجب ہے) | اس تقریر سے حضرت معاویہؓ پر بابت قتل محمد بن ابی بکر
الاعتراس ہے یا نسبت محاربات حضرت امیرؓ کچھ طعن ہے وہ بھی منفع ہو گیا۔ بالجلد اہل سنت
وجماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین میں سے قصور کسی کا نہ تھا جیسے حضرت
موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے دست و گھڑیاں ہونے اور ماننا پانی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا۔
(جملہ حدیث حذیبی کے) | باقی رہا جملہ حرب حلی اس کے معنی ہیں کہ بیان بوجہ کر نہ بوجہ غلط فہمی جو ہم
مضموم پر منسلک بحث سے لڑے گا تو گویا وہ مجھ ہی سے لڑے گا یہ نہیں کہ جس طرف سے کوئی
تم سے لڑے غمنا لڑے یا خطر بوجہ غلطی لڑے یا بوجہ غلط فہمی وہ سب میری ہی لڑائی کے برابر ہے۔
ورنہ آیت۔

فَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا خَطَاً (پہ شاعر ۱۳)
(اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے)

جس کے معنوں سے صاف یہ بات روشن ہے کہ قتل خطا میں کچھ گناہ نہیں غلط ہو جائیگی اور یہ بھی
نہ سہی اگر حدیث مذکور عام ہے تو اس وجہ سے عام ہوگی کہ ظاہر الفاظ مضموم پر دلالت کرتے ہیں مگر
جیسے مضموم حدیث کو عام لیئے ہو مضموم حدیث کو بھی عام لیئے اور پھر یہ ہدایت فہم تقابل ملحوظ رکھئے۔
یعنی یوں کیئے تم سے غمنا لڑنا تو مجھ سے غمنا لڑائی کے برابر ہے اور تم سے خطا لڑنا مجھ سے خطا لڑنے
کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غمنا لڑنا اور آپ کی جان بوجہ کر تکذیب
کر لی بری ہے اور غلطی بے خبری میں اگر کسی سے یہ حرکت ہو جائے اور بعد علم متغیر ہو کر ثم الخطا آداب
بجائے تو عقل نقل کی زد سے قابل عتاب نہیں عقل کی گواہی کی تو حاجت نہیں اہل عقل کے

نزدیک برسی ہے۔ نقل کی بات پر چھپے تو کلام اللہ موجود ہے بِعَدَمَاتِیْن اور مِنْ اَعْدٍ
 مَا جَاءَتْهُمْ اَلْبَیِّنَاتُ اور لَفْظ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ سے صاف ظاہر ہے کہ عتاب اسی وجہ
 سے کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں بلکہ آیت

وَلَئِنْ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ یَعْدُ اِلَیْكَ جَاءُكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
 قَوْلٍ وَّ لَا نَصِیْرٍ (پا بقرہ ص ۱۳) سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار
 را اور اگر بالفرض تو آ بعد از کسی انہی خواہشوں کی
 بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ

سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ بے خبری اگر کچھ خلاف مرضی خداوندی
 کر جائیں تو کچھ عجز نہیں (جیسے اساری بدر سے فدیہ اور تبوک میں بے عذر منافقوں کو چھٹی وغیرہ) بالکل
 خدا کی مخالفت بوجہ غلطی جب مفسر نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بدرجہ اولیٰ مفسر نہ ہوگی
 پھر حضرت علیؓ کی مخالفت اگر بوجہ غلطی ہو تو اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ اور یہ بھی نہ سی لفظ خرطوبہ عام اور
 لفظ خرطوبہ شیعہوں کی زیر دستی سے خاص ہے مگر جیسے حدیث مذکور میں پہلا لفظ عام ہے۔

آیت وَمَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مَّتَّعْتًا فِجْزَاؤُهُ جَهَنَّمَ یُخْلَدُ فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ
 (اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا عذاب ہے
 پڑا ہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو
 لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب) (پا انشاء ص ۱۳)

بھی باعتبار الفاظ عام ہے باطنی زالی قتل کا طریق اس میں سب آگئے اب فرمائیے کہ خود رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے زالی کو قتل کیا حضرت امیر نے سینکڑوں باغیوں کو تریش کیا اور ہر اب تک یہ آیت
 سب کی معمول بہانہ محمد بن شیعہ اس سے انکار کر سکیں نہ علماء اہل سنت۔ پھر یہ انصاف ہے کہ ایک حدیث
 کے بھروسے جس میں کسی قدر ضعف ہے اس پر بھی احتمال ہے کہ غلط ہو۔ اتنا غل و شور ہے کہ العنصرین اللہ

لہ یہ حدیث حرب حربی یا انا حرب لمن حاربتم بالکل ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ انا حرب لمن حاربتم کے الفاظ باب مناقب
 فاطمہ رضی میں ہیں ام ترغیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب صرف ہی سند ہیں بلکہ اس کے کوئی صحیح معرود نہیں
 ۲۔ مسلسل تین راوی شیعہ کثیر الخطاء اور غریب الروایہ ہیں۔ تقریب التہذیب کے ان کا حال یہ ہے را علی بن مام
 غزا علی کو فی صدوق اور شیعہ ہیں۔ ابو نصر جہانی کثیر الخطاء صدوق اور غریب حدیثیں بیان کرتے ہیں۔
 ۳۔ ابو محمد رشیدی کو فی تشیع سے متہم ہیں صدوق و بھی ہیں۔ ۱۲۔ مہر محمد۔

آیت کرتیں دیکھتے کہ اس میں شہ بھی باقی نہیں چھوڑا تو اس پر غلطی اور کذب رواقہ کا احتمال نہیں ہے اس کے باعث کہاں کہاں یہ اعتراض پڑتا ہے۔

الزّامی جواب۔ ازواج مطہرات تمام مومنوں کی مائیں ہیں | اور جواب الزّامی یہ ہے کہ حضرت امیرؓ تو پھر حضرت علیؓ نے اپنی والدہ عائشہؓ سے متاثر کیوں کیا | کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حبیبِ عربی فرمایا ہے کہ ازواج مطہرات کے حق میں۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (پہلے احزاب ۶)

(نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔)

اور عام والدین کے حق میں۔

لَا تَقْبَلُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
(پہلے بقرہ ۱۰۷)

(عبادت نہ کرو مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سسوک نیک کرنا)

فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جو امہات المؤمنین ہیں ان کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ تاکید ہوگی۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت علیؓ کے ایمان کیا۔ کمال ایمان میں بھی شک کی گنجائش نہیں جو یوں کہتے کہ اوروں کی والدہ تھیں ان کی بھینچ پھر کیا یہی احسان تھا کہ ایسی والدہ کا یوں مقابلہ کرتے اور اگر یہ خیال ہے کہ خطا پر تھیں۔ تو یہ بات کس منہ سے کہنی مناسب ہے سنی کہ لیں تو کہہ لیں شیعوں کو اس کے کہنے کی مجال نہیں کیونکہ آیت

إِنَّمَا يَرْثُ اللَّهُ الَّذِينَ يَذْهَبُ عَنْكُمْ
الْبَيْتِ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا (پہلے الاحزاب ۴۷)

(اللہ جی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں لے
نبی کے گھر والوں اور گھر کرٹے تم کو ایک گھرانی سے،

ان کے نزدیک عصمت پر ولایت کرتی ہے۔

(آیت تطہیر کا شان نزول) | اور پھر یہ آیت دیکھ لیجئے کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ازواج مطہرات کی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی؟ کلام اللہ موجود ہے دیکھو کہ ازواج کا ذکر ہے یا حضرت امیرؓ اور اگر حدیث عبا پر کو دتے ہو تو اس سے صاف یہی بات نکلتی ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل نہیں ہوئی ورنہ اس دعا کی کیا حاجت تھی کہ عبا میں بیخ تن کو شامل کر کے یہ فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ

اَهْلُ بَيْتِ الْاَبْلَاحِ دعا کرنے سے جیسے دخول پنج تن زمرہ اہل بیت میں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل نہیں ہاں یہ دعا قبل نزول آیت ہوتی تو یہ بھی احتمال تھا کہ دعا ہی باعث نزول ہوئی ہے مگر اس میں شبہ ہی نہیں شیخ بھی اس طرف ہیں کہ آیت پہلے نازل ہوئی دعا پیچھے ہوئی۔

دال عبا کو اہل بیت کہنے کا مطلب | باقی پنج تن کو پہلے سے اہل بیت فرمایا یہ نہ فرمایا کہ ان کو اہل بیت میں داخل کر دے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بیگانے اور بیگانے اپنے نہیں ہو سکتے۔ جس کی جو قربت ہے وہی رہتی ہے۔ کوئی غیر آدمی کی نسبت یہ دعا تو کر ہی نہیں سکتا کہ الہی یہ شخص میرا حقیقی بیٹا بن جائے ہاں جس سے محبت شدید ہوئی ہے اس کو خود بیٹا کہہ دیا کرتے ہیں اگرچہ بیگانہ ہی کیوں نہ ہو۔ بے پاک کو عرف میں بیٹا کہتے ہیں لیکن حقیقی بیٹا صرف اس کا ممکن نہیں اسی طرح جو اہل بیت نہ ہوں۔ ان کا اہل بیت ہو جانا ممکن نہیں جو اس کی دعا کیجائی کہ الہی ان کو اہل بیت حقیقی بنائے ہاں ان کے ساتھ بھی معاملہ اہل بیت ہی کا ساتھ۔ اس لیے آپ نے فرمایا الہی یہ بھی میرے اہل بیت ہیں تو اپنا وعدہ ان کے ساتھ پورا کر اور اگر یوں کہتے کہ اہل بیت تو پہلے ہی سے تھے پھر دعا کے وقت ان کو اس لقب سے یاد کر لیا تھا سو یہ بات خود سے دیکھئے تو گوز شتر سے کم نہیں۔ جناب باری تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبوی کون ہیں جو آپ کے تہلانے اور چلانے کی ضرورت ہوئی۔ جب خداوند کریم نے وعدہ قطعیہ کر لیا تھا آپ پورا کرنا پھر دعا کی کیا حاجت تھی۔

آیت قطیر ازواج کی شان میں ہے | بالجلد بدستے انصاف شیعوں کے بھی میں بھی یہی ہو گا کہ آیت کو ازواج مطہرات ہی کی شان میں ہے ہاں جیسے کوئی بادشاہ کسی امیر سے وعدہ کرے کہ تمہارے گھر کے لوگوں کو میں انعام دوں گا اور وہ امیر وقت تقسیم انعام اپنی دختر اور داماد اور نواسوں کو بھی لے جائے اور یہ کہ اپنے میرے گھر کے لوگوں کے لیے وعدہ انعام کیا تھا یہ بھی میرے گھر کے لوگ ہیں۔ کچھ اجنبی نہیں اور بادشاہ باوجودیکہ جانتا ہے کہ بیٹی در سے گھر کا چاندنا ہے گھر کے لوگوں میں داخل نہیں۔ نواسے اور داماد تو درکنار۔ گھر کے لوگ اگر ہیں تو بی بی ہے چنانچہ اہل بیت کا ترجمہ ہی اہل خانہ ہے یا فرزند و غیرہ جو اس کے گھر بستے ہیں مگر بوجہ عموم کرم و مزید قدر شناسی امیر مذکور ان کو بھی انعام دے تو کچھ بعید نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھنا چاہیے کہ پنج تن باوجودیکہ شرف گوناگوں رکھتے ہیں پر اصل سے اہل بیت میں سے نہ

تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ماوراء دینار العاصمہ کے بے پایاں العاصم اہل بیت میں ہی شریک ہو گئے۔ چنانچہ قرینہ دعا اس پر عمدہ شاہد ہے اور بہت باتھ پاؤں مائیے تو یہ بات بن پڑتی ہے کہ عقب اہل بیت تو اول سے ازدواج اور بیچ تن دونوں کو شامل ہے خطاب خاص ازدواج ہی کے ساتھ ہے گو وعدہ مذکورہ سب ہی کے ساتھ ہو۔ جیسے کوئی بادشاہ اپنے نوکر وں میں سے کسی ایک نوکر کو بلا کر یوں کہے کہ ہمارا محل کو ازاد ہے کہ اپنے نوکر وں کو انعام دیں ہو یہ خطاب گو اس ایک ہی کے ساتھ خاص ہے پر وعدہ سب ہی نوکر وں کے لیے ہے۔

بیچ تن کے اہل بیت میں | بالحد بیچ تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہیں ورنہ اہل داخل ہونے کی وجہ سے یہ آیت ازدواج ہی کے حق میں ہے۔ ان کے خارج اہل بیت ہونے کا کوئی احتمال نہیں اگر احتمال ہے تو اہل بیت کے خارج ہونے کا احتمال ہے اگرچہ غلط ہو۔

کیونکہ باتفاق اہل سنت وہ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں۔ اول سے ہی یا چھپے ہو گئے پھر جب آیت مذکورہ عصمت پر دلالت کرے۔ چنانچہ شیعہ بیچ تن کی عصمت اس سے ثابت کرتے ہیں تو ازدواج مطہرات بدرجہ اولیٰ معصوم ہوں گی۔ انہوں نے جو کچھ حضرت امیر کے ساتھ کیا ہو گا پھر کیا وجہ ہوئی کہ حضرت امیر المؤمنین بنے ان کے ام المؤمنین ہونے کا لحاظ نہ کیا۔ فرزند کو والدین کی اطاعت چاہیے والدین کو فرزند کی اطاعت کی حاجت نہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امیرؑ کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوئی کیونکہ وہ حضرت امیرؑ کے حق میں بمنزلہ والد کے تھے نہ ہوتا تو ازدواج مطہرات ام المؤمنین ہی کیوں ہوتیں پھر جب حضرت امیرؑ نے باوجودیکہ موافق عقیدہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مندرجہ سوال دوم سے واضح ہے اور نیز حال قال شیعہ سے ٹپکا پڑے ہے (یعنی عملاً امیرؑ کو افضل جانتے ہیں) ان زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ یاس وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار رکھی کہ وہ بمنزلہ والد تھے۔ تو حضرت عائشہؓ بن ان کے حق میں بمنزلہ والدہ تھیں۔ اور بھر والدہ بھی کسی معصوم۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ان کو ضروری تھی۔ سواب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اپنے اعتراضات کا جواب تو دندان شکن لے چکے جائے ان اعتراضات کا جواب بھی چاہیے۔

باقی رہا یہ قصہ کہ حضرت ام بیعہؓ نے گو سفند بھون کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیا اور ان کے

بھائی کی نسبت کچھ کہلا بھیجا اور حضرت عائشہؓ کے گورنمنٹ کا کھانا بھیجوا دیا۔ اول تو قصہ بے سند اور اگر ہو
 بھی تو اس کا ذکر کرنا اور مباحثہ کو ایسے مضامین سے طویل و نیاخیز جنگ آزمانا ہے۔ صاحبو! مباحثہ ہے
 کو سنا بیٹنا نہیں۔ جو حضرات شیعہ عقیدوں کی طرح ایسی باتیں گاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقط یہ شعر
 کافی ہے۔

ابھنے کو بلائیں آپ تو کچھ خیر سے صاحب لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشان کو
 غرض ایسی باتوں سے دیں شیعہ مستحکم نہیں ہوا حقانیت کی سند ہاتھ نہیں آتی۔ پھر کیا فائدہ
 دیوانوں کی طرح جاہلوں کے دل میں شہرہ شک ڈالتے ہیں۔

سوال چہارم

اہل سنت و جماعت اہم جعفر صادقؑ وغیرہ اہل بیت کو نہیں مانتے مگر اہم ابوحنیفہؒ اور اہم شافعیؒ
 کو مانتے ہیں جو معصوم نہ تھے۔ پھر ابوحنیفہؒ نے تو شراب کو حلال کیا ہے۔ اور اہم شافعیؒ نے ولہ الزنا
 لوط کی سے زانی کا نکاح جائز کہا ہے۔

جواب سوال چہارم | اہم ابوحنیفہؒ اور اہم شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہما اول ہمارے
 (اہل سنت ائمہ مجتہدین کو معصوم نہیں سمجھتے) نزدیک ایسے اہم نہیں جسکی بات خدا اور رسول صلی اللہ
 علیہ وسلم کی بات کے برابر ہو۔ ایک مجتہد میں اگر ان کی بات کوئی بھی ہو جس پر اعتراض کی گنجائش ہو
 تو کیا ہوا ہمارے نزدیک نہایت نزدیک دونوں کے نزدیک مجتہد سے خطا ممکن ہے پھر وہ بھی قرآن
 میں اور فرسوخ میں جی ایسی بات جو خواہ مخواہ ظاہر نہیں۔

(شیعہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک | مگر ستم تو یہ ہے کہ حضرات شیعہ اماموں سے جن کی عصمت
 غاریت و شریعت حلال ہے) کے مثل انبیاء معتمدین ایسی روایتیں کرتے ہیں جو صحت
 کلام اللہ کے مخالف ہیں۔ ارشاد میں جو تصنیف علامہ علیؒ ہے موجود ہے کہ اپنی باندی کو دوسری
 پر حلال کرے تو اس کو اس سے صحبت جائز ہے۔ پھر باندیوں میں بھی کسی کی تخصیص نہیں جس سے

اس کی اولاد ہو اس کا حلال کر دینا بھی جائز ہے۔ اور غیروں کو عاریت سے دینا اور کنارہ وقف کر دینا شیعوں میں جائز ہے۔

بلکہ ابن ابی بکر تو حضرت ام مہدی کے نام سے ایک واقعہ ایسا روایت کرتا ہے جس کے سننے سے مسلمانوں کا بدن کا پتا ہے۔ حامل کلام اس کا یہ ہے کہ مہمانوں اور دوستوں کے لیے ہانڈیوں اور حرموں کی شرمگاہ کی عاریت لینے میں بڑا ثواب ہے۔ اور عمدہ عبادات میں سے ہے۔

(شیعوں کے نزدیک متفقہ بہت) | ادھر متفقہ کا آوازہ اور اس کے فضائل کا شور تو بھی نے سنا ہوگا
 ہی بڑا کار ثواب ہے) | یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں کسنی شیعوں نے چلے جاتے ہیں اور کیوں نہ

بقیہ حاشیہ :۔ ۱۔ عن الحسن العطار

قال سألت أبا عبد الله عليه السلام عن

عاریة الفرج قال لا بأس (استبصار ص ۱۳۱)

۲۔ عن عبد الكريم عن أبي جعفر

عليه السلام قال قلت له الرجل محل

لا خبیہ فرج جاریتم قال نعم له

ما أحل له منها. (کافی ص ۳۹۹) (استبصار ص ۳۹۹)

۳۔ عن الفضیل بن یسار قال قلت لأبی

عبد الله عليه السلام جعلت فداک

ان بعض اصحابنا قد روی عنک انک

قلت اذا حل الرجل لا خبیہ جاریتم

فهی له حلل؟ فقال نعم قلت له

فما تقول فی رجل عنده حیارية

نفسه وهی یکرأحل لا خبیہ

مادون فرجها الہ ان یقتضیہ؟

حسن عطاء کہتے ہیں میں نے ام جعفر صادق علیہ السلام سے

شرمگاہوں کو عاریت لینے کے بارے میں پوچھا انہوں

نے کہا کچھ صریح نہیں۔

عبد الکرم کہتے ہیں میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے

اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنی ہانڈی کی شرمگاہ

اپنے کسی بھائی کے لیے حلال کرے تو فرمایا اس کے

لیے حلال ہے جو اس نے حلال کیا۔

فضیل بن یسار کہتے ہیں میں نے ام جعفر صادق علیہ السلام

کہا آپ پر میری جانی قربان ہو جائے بعض اصحاب نے آپ

سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہا ہے جب کوئی آدمی

اپنے کسی بھائی کے لیے اپنی لڑکی حلال کرے وہ اس

کے لیے حلال ہے تو انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا نہیں

کہا آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے

پاس ایک خوبصورت لڑکی ہو اور باکرہ (کنواری) ہو اس

لڑکی کو اپنے کسی بھائی کے لیے فرج کے علاوہ حلال کرے

(باقی حاشیہ ص ۳۹۹ پر)

ہوں جیتے ہی یہ مرنے اور مرنے کے بعد وہ مرتے کہ حضرات ائمہ کامرتبہ نصیب ہو۔ قطرات منہ سے
 فرشتے پیدا ہوں۔ الیادین اور الیہ ایمان تو قسمت ہی سے ملتا ہے۔ اعتبار نہ ہو تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی
 میں اس آیت **فَمَا اسْتَعْتَضْتُم بِهِ مِنْهُمْ فَأَلَوْكُم** (پس اے نبیؐ) کی تفسیر میں دیکھ لیں
 میں نے تو کچھ بھی نہیں لکھا۔ انہوں نے تو وہ فضائل نقل کئے ہیں کہ جن کے سننے کے بعد رمضان کی طرف
 سے جہاد ہی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے۔ جہاد کی قدر جہاد ہی جی سے نکل جاتی ہے بلکہ کوئی عبادت مستحقہ کے سامنے
 آنکھوں میں نہیں جھپتی۔ غرض ایسی ایسی لذتوں کی بدولت اس مذہب کی رونق ہوئی ورنہ جہاد و اجہاد
 ائمہ تو معلوم جس سے یہ فروغ ہوتا اور کہہ سکتے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں سے
 اسلام کو فروغ ہوا۔ اماموں کے جہادوں سے مذہب شیعہ کو ترقی ہوئی۔

(بقیہ حاتیہ)

قال لا یس لہ الا ما احل لہ منہا لو
 احل لہ قبلہ منہا لم یحل لہ ما سوی
 ذلک، قلت ارایت ان احل لہ ما دون
 الفرج فغلبتہ الشهوة فاقتضہا قال
 لا ینبغی لہ ذلک قلت فان فصل أیکون
 زانیاً؟ قال لا ولکن یکون خائناً
 (کافی ص ۶۸۰ طبع تہران)

کیا وہ اس کی بکارت زائل کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں یہ
 اس کے لیے روا نہیں سوائے اس کے جو اس نے حلال
 کر دیا فضیل کہتے ہیں میں نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں۔
 اگر اس کے لیے فرج کے علاوہ حلال کیا تو اس آدمی
 پر شہوت نے غلبہ کیا اور اس نے اس لڑکی کی
 بکارت زائل کر دی اہم تے کہا یہ اس کے لیے مناسب نہیں
 میں نے کہا اگر اس نے ایسا کیا تو کیا زانی ہوگا؟ اہم نے کہا
 نہیں خائن ہوگا۔

(۴) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اذا احل
 الرجل للرجل من جامعہ قبلہ لم یحل
 لہ غیرہا فان احل لہ منہا دون الفرج
 لم یحل لہ غیرہ وان احل لہ الفرج
 حل لہ جمیعہا۔ (کافی ص ۶۸۰ طبع تہران)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ
 جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے لیے اپنی لڑکی کا بوسہ حلال
 کرے تو اس کے لیے سوا بوسہ کے اور کچھ حلال نہیں اگر شرمگاہ
 کے علاوہ حلال کرے تو اس کے لیے اس کے علاوہ کچھ حلال
 نہیں اگر شرمگاہ حلال کرے تو اس کا تمام بدن حلال ہے۔

(سورۃ مومنون اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکوحہ اور لونڈی حلال ہیں لیکن متعہ والی عورت کسی قسم میں داخل نہیں)

لیکن بایں ہر صفت کلام اللہ کے مخالف (پہلا) سورۃ مومنون (ع ۱۱) اور سورۃ معارج (ع ۹) دیکھئے یوں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأُذُنِهِمْ فَهَبُوا
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنْ أَتَعَفَىٰ
وَمَا ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَادُونَ

(اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی اذان پر اپنے ہاتھ کے مال باندھ لیں پر سوال پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی دوسرے اس کے سوا کوئی ہی عد سے بڑھنے والے۔)

جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بی بی اور باندی کے سوا اور کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ عد سے نکل جائیں گے اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت نہ بی بی ہے نہ باندی۔ بی بی تو اس لیے نہیں کہ بشارت آیت فَاَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلَّةً وَرَبْعًا نکاح پیار (عورتوں سے زیادہ نہیں اور متعہ میں شیعوں کے نزدیک یہ قید نہیں۔)

اور لفظ نکاح سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی تو اس میں دوسری کا کیا علاج ہے کہ سورت نساء کے درجہ رکوع میں فرماتے ہیں وَلَٰكِنَّ التَّلَاقَ مِمَّا تَرْتَكِبُونَ کے لیے چوتھی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ دو تم اور لہن کی ضمیر انما جکد کی طرف راجع ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اور ازواج سب جانتے ہیں کہ بی بی کو کہتے ہیں۔ غرض جو لفظ ازواج سورۃ مومنون اور سورۃ معارج میں ہے وہی سورۃ نساء میں ہے۔ سورۃ نساء میں ازواج کی نسبت میراث میں درجہ دیکھ اولاد نہ ہو ربح اور اولاد ہو تو نہیں، فرماتے ہیں۔

سورۃ کی عورت اگر ازواج میں داخل ہوتی تو اس کو میراث بقدر مذکور ملا کرتی۔ حالانکہ بالفاق شیعہ، متعہ کی عورت وارث نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا القیاس اور احکام مثل عدت طلاق وغیرہ کی جو بہ نسبت ازواج کلام اللہ میں مذکور ہیں متعہ کی عورت کی نسبت شیعہ بخیر نہیں کرتے اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو میں ہی سب کو بتاتا۔ مگر یوں سمجھ کر کہ کلام اللہ موجود ہے پڑھنے والے خود دیکھ لیں گے اسی پر اکتفا کی جاتی۔ بالجلہ زن متعہ داخل ازواج تو نہیں چنانچہ خود شیعہ بھی اپنی کتابوں میں زن متعہ کو ازواج میں شمار نہیں کرتے۔

باقی رہا باندی ہونا اس کے ابطال کی کچھ حاجت نہیں۔ خود ظاہر ہے کون کسے گا کہ زن مستحرام باندی ہے
 ورنہ زوج، شہداء، جہید، عتق وغیرہ سب احکام جاری ہوتے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ زن مستحرام ہے
 نہ باندی تو مستحرام کرنے والے مجملہ قَاوِلِکَ هُمْ الْعَدُوْنَ ہوتے یا نہ ہوتے یہ یعنی مجملہ ظالمین جو
 بعضی عادیں سے۔ اب غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ بالفاق (شیعہ) مجملہ عبادات ہے سبحان اللہ سنیوں پر
 ان باتوں پر طعن جو ان کے ہاں اگر میں تو مجملہ مباحات میں نہ عبادات۔ پھر وہ بھی اختلافی نہ الفاقی اور
 وہ بھی اجتہاد ہے نہ یہ کہ بحوالہ نصوص قرآنی یا نصوص احادیث۔ پھر ان میں بھی کوئی بات خلاف عقل
 و نقل نہیں بلکہ عقل و نقل دونوں اس کے مؤید ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ عنقریب ہی واضح ہو جائے
 ہے۔ اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ صریح زنا مخالف قرآن شریف پھر اس کو یہ بھی نہیں کہ مباح کہہ کر چپ ہو
 رہیں بروایت ائمہ اس کے فضائل بھی بیان کریں۔ پھر فضائل بھی ایسے ویسے نہیں کہ انسان گرفتار ہو
 ہوس تو درکنار فرشتہ بھی تو ان فضائل کو سن کر لوٹ لوٹ ہو جائے اور مستحرام کرنے کو تیار ہو آدمی ہو
 پر طعن کرے تو اپنی خبر لے۔

دشاید مستحرام کسی بھی مذہب و | حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس فحش صریح
 طلت میں جائز نہ ہوا ہو | کا یہ اہتمام کسی مذہب، کسی ملت، کسی دین، کسی آئین، میں نہ ہوا ہو گا۔
 پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں سے تو اجازت عام معلوم ہوتی ہے۔ کہ کنواریاں اور رانڑیں
 ہی نہیں خاوند والیاں بھی اس عیش و نشاط سے اپنا جی ٹھنڈا کر لیں۔ پھر وہ بھی ایک ہی سے نہیں۔
 پانچ دس مردوں سے اختیار ہے چنانچہ علی بن احمد مدینی جو شیعوں میں بڑے بلیل القند عالم تھے۔
 اس پر قوتے دے مہے کہ مستحرام دور یہ یعنی ایک عورت کئی مردوں سے مستحرام کر لے جائز ہے اور وہی
 کیا اور بھی بڑے بڑے عالم اُن کے ہم زبان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اصح علمائے شیعہ کے نزدیک یہی ہے
 کہ خاوند والیوں کو بھی مستحرام جائز ہے۔ اور اگر یہ بات شیعیان زمانہ ہرے نقل بالضرع تسلیم نہ کریں تو
 ہرے عقل تو قابل تسلیم ہی ہے۔ اگر مجتہدین اولین کے خیال میں اس قسم کے مستحرام کی ابحاث نہیں آئی۔
 تو مجتہد العصر کو تجدید دین فرمائی چاہئے۔ وجہ ابحاث اگر ذہن میں نہ آئی ہو تو یہ خاک روض پر دراز ہے۔
 پھر فکر نہ احسان ضروری ہے۔

انکاح معاملات کے قبل سے ہے اور متعہ عبادات سے اس لیے متعہ میں تعدد مجدد نہیں) | انکاح میں جو عورت کے لیے تعدد اور ازدواج جائز نہیں

کی طرح جس سے معاملہ ہو گیا ہو گیا۔ سجدہ عبادات میں نہیں جو ثواب کی امید ہو اور تائید ثواب کے لیے دس پانچ سے کیا جائے اور ترویج دین کے لیے خاوند والیوں کو اجازت دی جائے ہاں بعد اللہ نعوذ باللہ متعہ میں ماشاء اللہ نعوذ باللہ فضائل میں کہ نہ پوچھتے ایک متعہ میں حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا روئے میں حضرت سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا قیسے میں حضرت امیر کا چوتھے میں خود مقام سرور ابیار صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتا ہے اور غور کیجئے تو لقیاس صائب پانچویں متہ میں خدائی کی امید وہ وعدہ نہ سہی پر قطرات غسل سے ملائک کا تولد کس قدر موجب برکات ہو گا۔ وہ ملائک اس احسان کے بدلے کیا کچھ عرق ریزیاں دعا و استغفار میں کریں گے اور ان کی تسبیحات کا ثواب بے پایاں کیا حلو اور بے درد کی طرح مفت ہاتھ آئے گا۔ سند مطلوب ہے تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی ملاحظہ فرمائیں الغرض یہ فضائل متعہ اس بات کو مقتضی ہیں کہ جس قدر ہو سکے دریغ نہ کیجئے۔ عورت کی طرف دیکھئے تو اس کے حق میں متعہ کا کرنامہ دوں کے حق میں بڑی فیض رسائی ہے۔ اگر وہ نہ کریں تو مردوں کو یہ فضائل کیوں کر میسر آئیں۔ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی طرف دیکھئے تو ان کا متعہ کرنا عورتوں کے لئے فیض کا کام ہے۔ سو اس فیض کو طریقین میں عام ہی رکھنا چاہیئے۔

امتعہ کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے | اور نکاح پر قیاس نہ فرمائیں کیونکہ وہاں مقصود بالذات کیونکہ عورتیں بمنزلہ کھیتی کے ہیں اور متعہ | تو والد و تناسل ہوتا ہے۔ تحصیل فضائل نہیں ہوتا نکاح کی صورت میں تقسیم اولاد ممکن نہیں) | کی عورت بمنزلہ زمین زراعت ہوتی ہے۔ چن چن خود حضرت خداوند تعالیٰ بھی یہی ارشاد فرماتا ہے **فَاَوْفُوا بَعْدَ حَدِّثِ لَكُمْ**۔

سو اس زمین میں اگر دس پانچ کا اشتراک ہو گا تو اس کی پیداوار بھی اعلیٰ اولاد بھی مشترک ہوگی اور بایں نظر کہ مقصود بالذات اس زمین سے جسے بی بی کہیئے۔ یہ پیداوار ہے جسے اولاد کہیئے سو جسے زمین اصلی سے اس کی پیداوار مقصود ہوتی ہے یہاں بھی ہر کوئی اس پیداوار کا خواستگار

صلہ فضائل متعہ عند الشیوخ ذکرہ حوالے ص ۲۲۸ پر تفصیلاً مع اصل عبارات و صفوہ نمبر درج کر دیے ہیں۔

ہوگا اور نیز خواہش طبعی تو لہ اولاد بھی اسی کو مقتضی ہے پھر بوجہ محبت طبعی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔
 اس کو لیجئے اس کو نہ لیجئے جو سب میں یوں تقسیم ہو جائے کہ در صورت تعدد اولاد ایک بچہ ایک لے
 لے اور دوسرا بچہ دوسرا لے۔ اور نہ یہ ہو سکے کہ ہر بچہ کو کمانٹ پچانٹ کر گوشت کی طرح تقسیم
 کر لیں جیسے در صورتیکہ ایک ہی بچہ ہو صورت تقسیم ہی نظر آتی ہے اس لیے چار و ناپا نکاح میں
 مردوں کا تعدد تو ممکن نہ ہوا ہاں عورتوں کے تعدد میں کچھ خرابی نہ ملتی۔ پر متعہ میں مقصود بالذات
 اولاد ہوتی ہی نہیں بلکہ قضاء حاجت اور تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت کا رد کر دینا اور
 ثواب کا کام کر دینا (ہوتا ہے) بلکہ بعض صورتوں میں تحصیل اولاد ممکن ہی نہیں۔ جیسے ایک ایک مرد
 و شب کے لیے کوئی عورت روز متعہ کرتی ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اول تو بوجہ کثرت
 محامض جیسے رنڈیوں کی اولاد بہت کم ہوتی ہے اولاد ہی کیوں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو بھی کی ہو
 گی۔ کسی ایک کی کیونکہ کہ لیجئے جو اس کے حوالہ کر دیجئے پھر اولاد مقصود نہ ہوئی تو وہی قضاء حاجت
 و تحصیل و ثواب یا دوسرے کی حاجت روائی اور ناسید کا ثواب باقی رہ گئے۔

سواس کی ممانعت قرین غفل و نقل ہرگز نہیں فیض اور ثواب کا کام ہے جس قدر ہر کے غفلت
 ہے ایک سے کرنے میں ایک کا فیض اور ایک کا ثواب ہوگا تو دوسرے اور دس پانچ سے کرنے
 میں زیادہ ہی فیض اور زیادہ ہی ثواب ہوگا۔

رخاوند والی عورت کے متعہ میں اشتباہ | علیٰ ذالذی اس خاوند والیوں اور ان کے خاوندوں
 اولاد مقصود نہیں کیونکہ الولد للفراش | کے حق میں متعہ میں مضرت مقصود اور منفعت موجود
 ہے عورت کے حق میں اپنی قضاء حاجت جدا دوسرے کی حاجت روائی جدا اپنا ثواب جدا دوسرے
 کے ثواب میں شریک ہو جانا جدا۔ پھر خاوند کے لیے بے محنت بچوں کی امید بے بوائے جو تے کھینچتی
 ہکی پکانی ہاتھ آتی اس سے زیادہ اور کیا نفع ہوگا غرض جو وجہ ممانعت تعدد ازواج عورت کے
 حق میں نکاح میں ملتی یہاں اصلاً نہیں پھر تجدید دین کو کیوں ہاتھ سے دیجئے اور کا ہے کہ اس فتویٰ
 فیض سے احقر از کیجئے۔ بالجلد اپنے گھر کا تو یہ حال پھر شیعہ امام ابو حنیفہ رحمہ اور
 اہم شافعی رہ پر طعن کریں تو یہ کریں کہ ایک نے تو شراب کو حلال فرمایا دوسرے نے اولاد الزنا
 کو (نکاح میں) حلال بتایا۔

(امام غزالی نے شرب کو حلال نہیں کہا) | صاحبزادہ ابو حنیفہؒ نے اگر شرب کو حلال کہا ہے تو مطلق شرب کو حلال نہیں کہا ہے۔ حالت اضطرار میں حلال کہا ہے جس میں خود غذا و غذا کریم نے مرد و غیرہ محرمات کو حلال کہا ہے اعتباراً سے تو سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ کے کرفانَ اللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ تک تلاوت فرمائیں۔ آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ سے اگر مرد و غیرہ محرمات کا علم ہونا معلوم ہو گا تو آیت۔

فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ
لِّآيَةِ الْاٰلِ الْاَغْصُوْرِ رَحِيْمٍ۔ (پ مائدہ ۶۷)
(پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے نبوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو
تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

سے انہی محرمات کا حالت اضطرار میں جواز معلوم ہو جائے گا۔ سو حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے ایسے وقت میں اگر شرب کو حلال فرمایا تو خدا ہی کے اشاروں پر چلے کچھ خدا کی مخالفت تو نہیں کی جو اس قدر رنج و ملال ہے مگر ماں شاید حضرات روافض کو غور جناب احکم الحاکمین پر اعتراض ہو اور نہیں تب اب کریں گے۔ خیر اگر یہ ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں اور جواب کی کچھ حاجت نہیں فقط اس وقت یہ ایک شعر کافی ہے۔

تارم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گوشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد
بایں جہہ امہام نے بوقت مذکور اگر کہا ہے تو حلال ہی کہا ہے۔ فرض واجب سنت مستحب
تو نہیں کہا جائے ہی فرمایا ہے۔ مستوجب حصول درجات امہ اطہار و سید ابراہیم علیہ السلام و علی آلہ و
اصحابہ تبعین تو نہیں فرمایا۔ متعہ کے برابر کرتے تو جاتے اعتراض حتیٰ کہ ایسی ناپاک چیز کو ایسے پاک کام
کے برابر کر دیا فقط جواز پر اس قدر ترش رو ہونا مناسب نہیں۔

(امام شافعیؒ کی طرف سے) | ہے ام شافعیؒ انہوں نے اگر اولاد الزنا کا نکاح جائز فرمایا۔ تو بایں نظر فرمایا
حرمیت مصاہرہ کا جواب) کہ زمانے نسب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ میراث کا نہ ملنا اس کی دلیل ہے
پھر حرمیت نسب و مصاہرہ ثابت کیوں ہوگی۔ اور میں جانتا ہوں انہوں نے کچھ بے جا نہیں کہا۔
قطع نظر اس کے کہ نسب جیسی نعمت جس کے نعمت ہونے پر ادھر اپنا وجدان، دوسری آیت قرآن
واقعہ سورہ فرقان۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ
(اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر پھر کیا اس)

کے لیے جد اور سرال اور تیر رب سب کچھ کر سکتا ہے۔

دو شام عادل گواہ ہیں، ایسے فعل قبیح سے جسے زنا کہتے ہیں کیونکر ثابت ہو ورنہ زنا بھی مجملہ اہانت ہو محرمات نہ ہو، مستح کو دیکھا کہ باوجود کثرت فضائل و فروع محامد غفلت ثواب مثبت نسب نہیں۔ چنانچہ اولاد مستح کو میراث نہیں پہنچتی، پھر جب شیعوں کے نزدیک مستح مثبت نسب نہ سوار، امام شافعی اس پر قیاس کر کے زنا کو مثبت نہ سمجھیں تو خفا ہونے کی بات نہیں۔ شیعوں کو تو اکفرین و تحسین کرنی چاہیے، ان پر شکایت ہو تو بجائے کہ زنا مستح کے ساتھ زنا مشہور کی اتنی بڑی بری میں بھی بے ادبی ہے زنا مستح کجا زنا مشہور کجا، پھر زنا معلوم کو ایسے زنا کے ساتھ جو عبارت ہوتا بھی مشابہ نہ رکھنا چاہیے مگر یہ شکایت اور یہ اعتراض ہے تو اہل سنت کے پاس اس کا جواب نہیں اور ہے تو یہ ہے۔

”جواب جاہلان باشد خموشی“

لیکن شیعہ النساء کریں تو بجائے شکایت نہیں۔ ان زنا معلوم کو فضائل میں زنا مستح کے برابر کر دیتے تو بے جا تھا۔ اب کیا ہے ابھی زمین و آسمان کا فرق باقی ہے اور ان سب باتوں کو جانے دیجئے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ شیعوں کے نزدیک شیعوں کے سے اہم نہیں جو ان کی غلطی سے سنہوں کا کوئی رکن مذہب ڈر جائے۔

شیعہ مذہب کے اصول بھی | علاوہ بریں مسائل مذکور کچھ اصول احکام مذہب اہل سنت اور مسائل مستحق قرآن پاک سے ٹکراتے ہیں | علیہ میں سے نہیں پھر ان کی علت حرمت بھی ایسی زبان زد عام نہیں ان ائمہ شیعہ کی روایت سے ثابت جن کی طرف بطور شیعہ احتمال خطا ممکن نہیں۔ پھر مسائل مستحق علیہا اور اصول مذہب میں سے اگر کوئی اس مسئلہ کو نہ مانے تو شیعہ ہی نہیں تو اس پر اس کا حال اور اس کی علت ایسی واضح کہ کسی پر غصہ نہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ ہماری اس اعتراض کا جواب دیجئے ورنہ یہ شرط انصاف نہیں کہ دوسروں سے تقاضا کریں اور اپنے آپ آئیں غائیں بتلائیں۔ باقی فروع کہ جس اسی پر قیاس کیجئے۔ تو قیاس کُن زنگستان من بہار مرزا۔

سبہ اصول سو اصول کی کچھ نہ پوچھئے ائمہ کو ان کے اعتقاد کے موافق علم ازل وابد اور اپنی موت و حیات کا اختیار جس کے بطلان پر بیسیوں آیتیں کلام اللہ کی گواہ۔ زیادہ کی فرصت نہیں ایک ایک آیت دونوں کے بطلان کے لیے پیش کش ہے۔ اول کے لیے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ

اور کہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں

إِلَّا اللَّهُ وَمَا يُنْعِمُونَ إِلَّا أَنْ يُبْعَثُونَ

جس کوئی چیز کی سزا اللہ اور ان کو خبر نہیں کہیں نہیں گئے

جو (پٹ) سورہ نمل (ع ۵) میں واقع ہے اور درجہ مسئلہ کے ابطال کے لیے۔

إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَتَأَخَّرُونَ سَاعَةً

جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ بھیجے سرکہ سکیں

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (پٹ یونس ع ۵)

گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرکہ سکیں گے۔

جو کئی بافظ نامہ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ واقع ہے۔ سو اس کے اور کچھ حاجت نہیں مشتق ہونے

خروارے۔ ہاں اگر اس بات کا اعتبار نہ ہو کہ شیعہ کا یہ مذہب اور یہ اعتقاد ہے یا نہیں تو کلینی کو ملاحظہ

فرمائیں اور پھر یہ فرمائیے کہ شیعوں کو تو ذرا سی مخالفت کلام الشریعہ طے پھر وہ مخالفت ہی موافق

لہ شیعہ محدث کلینی اب تمام کرتے ہیں۔ ان الاثمة عليهم السلام يعلمون حتی یموتون وانهم

لا یموتون اللہ یا اختیار رہتا ہے یعنی امر اپنی موت کے وقت سے باخیر ہوتے ہیں اور وہ اپنے اختیار سے

ہی مرتے ہیں۔ اسی باب کے نیچے روایت نقل کی ہے۔

قال ابو عبد الله عليه السلام ای الامام

اہم جعفر صادق نے فرمایا جو امام اپنے آئندہ پیش آنے والے

لا یعلم ما یصیبہ والی ما یصیر فیلس

حالات و واقعات سے باخبر نہ ہو وہ اللہ کی طرف

ذلك بحجة الله على خلقه (کافی ص ۵۹ طبع تہران)

سے اس کی مخلوق پر حجت نہیں۔

اسی طرح کلینی نے دوسرا باب قائم کیا ہے۔ باب، ان الاثمة عليهم السلام يعلمون ما کان وما

یکون وانه لا یخفی علیہم الشئ صلوات اللہ علیہ یعنی ائمہ ازل سے اب تک کا علم جانتے ہیں

اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ اس باب کے نیچے کلینی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں۔

عنه عن سيف التمار قال كنا مع ابي عبد الله

سیف تمار کہتے ہیں اہم جعفر صادق شیعہ کی ایک

عليه السلام جماعة من الشيعة في الجحيم

مذہب کے ساتھ بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہماری کوئی

علينا عين؟ فالتفتا يمنة ويسرة فلم

جاسوسی کر رہا ہے پس ہم نے دائیں بائیں گزرتی تو ہم

فراخدا فقلنا ليس علينا عين فقال و

نے کسی کو بھی نہ دیکھا۔ ہم نے کہا ہماری کوئی بھی جاسوسی

رب الكعبة ورب البنية ثلاث مرات.

نہیں کرتا تو امام نے کہا کعبہ کے راجعاً

(باقی صفحہ ۳۸۲ پر)

مصریح مومن میں الزام ان کو دینا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

اپنے ہی قصور فہم سے مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ اصول سے فروع تک جتنے مکے میں سب کے کلام اللہ کے مخالفت اور پھر مخالفت بھی کیسی کچھ۔ کہ الہی پناہ! موافقت کے لیے دوسرا ہی کلام اللہ (ایم غار والا) چاہیے اس کلام کی موافقت تو معلوم واللہ اعلم۔

رسوال پنجم

حضرات اہل سنت شیعوں کی عزاداری امام حسینؑ میں یہ لپٹی اور سینہ زلی پر مسترض بہتے ہیں۔ حالانکہ خاند کعبہ کا خلاف کالا ہے۔ اور جلال الدین سیوطی کے فتویٰ سے خلفاء عباسیہ شہادۂ سیاہ لباس استعمال کرتے تھے۔

بقیہ حاشیہ

لو كنت بين موسى والخضر لا خيرتهما
انني اعلم منهما ولا يثبتهما بما ليس في
ايديهما۔ لان موسى والخضر عليهما السلام
اعطيا علم ما كان ولم يعطيا علم
ما يكون وما هو كما نحتي تقوم الساعة
وقد وثقنا من رسول الله صلى الله عليه
وسلم وراثته۔ (اصول کافی ص ۲۶۱ طبع تہران)
ط سمعوا ابا عبد الله يقول اني لاعلم
ما في السموات وما في الارض واعلم
ما في الجنة واعلم ما في
النار واعلم ما كان وما يكون
(رکافی ص ۲۶۱ طبع تہران)

کعبہ کے رب کی قسم یہ انہوں نے یقین مرتبہ کیا اگر میں
موسیٰ اور خضر کے پاس ہوتا تو انہیں خبر دیتا کہ میں ان
دونوں سے زیادہ جانتا ہوں اور انہیں وہ چیز بتاتا
جو ان کے پاس نہ تھی اس لیے کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام
کو جو کچھ ہو چکا اس کا علم تو دریا گیا اور قیامت تک ہونے
والے امور کا علم انہیں نہیں دیا گیا اور ہم نے یہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وراثت پائی ہے۔

اما جعفر صادق سے بہت سے شیعہ راوی نقل کرتے
ہیں کہ امام نے کہا بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ آسمان
میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور میں جانتا ہوں
جو کچھ جنت میں ہے اور میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا یا
جو کچھ ہونے والا ہے۔ ۱۲۔ محمد اشرف۔

جواب سوال پنجم | اس سوال کا کیا جواب لکھنے جیسے اپنے مذہب اور اہل مذہب کی دروندی باعث تحریر جواب ہے ایسے ہی حضرات شیعہ کی خوش فہمی پر افسوس موجب بیچ و تاب ہے۔ علماء شیعہ کو اگر اعتراض کرنا نہیں آیا تھا تو اہل سنت ہی سے سیکھ لیتے جہاں کلام اللہ کا (ان کو) استاد بنایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر کلام اللہ بھی جہاں میں نہ ہوتا۔ ہم مطالب میں بھی ان ہی کی جوتیاں سیدھی کرتے۔

(دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہیں) | دلیل کیا ہے دلیل کیسے۔ کجائاد کجہ اور مختار و کسیر کی سیر پوشی۔ کجا حضرت سید الشہداءؑ کے ماتم کی سیر پوشی۔ غم میں اور فرحت میں ہے فرق زمین آسمان کا۔ کھول کر آنکھیں تو دیکھو وہ کہاں اور کہاں ابھی حضرات کچھ انصاف فرمائیے خازن کعبہ پر نوحہ کر لے والوں کو کیوں کر قیاس کریں وہ خدا کا گھر یہ خدا سے بے خبر اگر خدا یاد ہوتا تو یہ گریہ وزاری اور یہ نوحہ و بے قراری نہ ہوتی خدا تو فرمائے۔ **وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** (پاک اللہ) اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے) یہاں لکھے روئے دھونے سے کار خدا تو فرمائے۔ **وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ** (پاک ال عمران) اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے) یہاں اور برعکس روئی زار و نزار ہے ساجی صاحب حضرت سید الشہداءؑ سے صدر ہے تو صبر کیجئے خدا کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دھکے اور رنج و صدر نہ نہیں اور یہی سچ ہے تو دونوں نہ کیجئے اور کالے کپڑوں اور جھوٹے آنسوؤں سے دعویٰ محبت نہ کیجئے۔ اگر یہی دین و ایمان ہے تو منافقین زمانہ نبوی بدرجہ اولیٰ دیندار اور مستحق کرامت پر ڈکھ ہوں گے۔ آپ اگر انکار محبت سید الشہداءؑ کرتے ہیں تو وہ اظہار محبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرنے تھے ان کے اگر جی میں (محبت) نہ تھی تو محبت تو آپ کے ہی جی میں نہیں

(گریہ وزاری دلیل ایمان و محبت نہیں) | باقی رہا سوز خوانی اور تصویر واقعہ کو بلا سے اگر رونا آتا ہے تو اس میں آپ ہی کا کیا کمال ہوا۔ مجوس، بنو و نصاریٰ یہود بھی اگر اس کیفیت کو سنیں تو رونا ٹھیں۔ کیفیات مصائب کو سن کر تو اجنبیوں کو بھی رونا آجاتا ہے اس کو محبت نہیں کہے چنانچہ ظاہر ہے۔ اور اسے بھی جانے دیکھنے اگر یہی قیاس ہے تو کل کو بوجہ محبوبیت غم اہم رضی اللہ عنہ سیر پوشان محرم الحرام دعویٰ مسجودیت کریں گے۔

وہی خانہ کعبہ جس کی سیہ پوشی دستاویز

سیہ پوشی محرم ہے قبلہ نماز اور خط

عشاق جانگزار ہے۔ جب سیہ پوشی وہاں سے اڑائی تو قبلہ و کعبہ بننے کے لیے کون مانع ہے حضرت
قبلہ و کعبہ مجتہد العصر تو برائے نام ہی قبلہ و کعبہ ہیں۔ ہر توحہ کہاں کہ سیہ پوشان محرم واقعی قبلہ
و کعبہ بنیں گے۔ اور حضرت قبلہ و کعبہ مجتہد العصر بھی ناچار ان کی جانب جھکیں گے۔ آخر ہم سنتے

ہیں کہ حضرت مجتہد العصر دربارہ سیہ پوشی و سینہ زنی و تعزیر واری و مرثیہ خوانی ان اہتمام اور ان
امور خیرین جو شعر و محبت میں مثل غوام کوشش و اجتہاد نہیں فرماتے۔ علیٰ ہذا القیاس مجتہدان گذشتہ کا حال
بھی ایسا ہی سننے چلے آتے ہیں۔ بالجمہ قیاس کرنے کو کوئی مشابہت بھی چاہیے۔ لباس خانہ کعبہ پر
لباس لوح مجراں بے صبر کو قیاس نہ کرنا چاہیے۔ وہ اور قسم کی چیز مظهران علم اور قسم! ایں ہمہ ایک قسم ہیں
میں بھی ایک حال کا لحاظ ضرور ہے۔ بیمار کو صحیح تندرستوں پر قیاس کر کے بد پرہیزی کی چیزیں نہ کھلائی
چاہئیں اگرچہ دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں۔ سو جیسے صحیح تندرستوں کو پلاؤ زردہ شیر مال باقر خانی عمدہ غذا
کھانے میں کوئی عرج نہیں اور بیمار کھائے تو خیر نہیں۔ ایسے ہی خانہ کعبہ کے لیے سیاہ پوشی جائز ہو اور
لوح مجراں کے لیے جائز نہ ہو تو کیا مضائقہ ہے! ان اگر سیہ پوشی دین کے مقدمہ میں ایسی ہوتی جیسے زعفرانی
بنی آدم کے لیے نہ صحیح تندرست کو کھانا چاہیے نہ بیمار کو تو اس وقت اس اعتراض کا موقع تھا ہم بھی
کہتے کہ جو چیز اصل سے بڑی ہے وہ سب کے لیے بڑی ہے اور سب جگہ پر بڑی ہے۔ مگر لباس سیاہ
کسی کے نزدیک کسی مذہب میں اصل سے بڑا نہیں جو یوں کہنے کہ خانہ کعبہ کے لیے بھی بڑا ہے اور خانہ
عباسیہ کے لیے بھی بڑا ہے۔ اس میں اگر بڑائی ہے تو اسی وجہ سے بڑائی ہے جو درباب مرثیہ خوانی جواب
سوال اول میں مرقوم ہو چکی۔ اعنی بایں وجہ کہ یہ کام شیعوں کے نزدیک ان کاموں میں سے ہے جس پر ثواب
کی امید ہے پھر بایں وجہ کہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ حدیث شریف میں اس کا نشان۔ کلام اللہ کا حال
تو ظاہر ہے بلکہ کلام اللہ میں اگر ہے تو صبر کی تاکید ہے نہ یہ کہ جہز عفرین کیا کرو اتفاق کی ممانعت ہے
نہ کہ غم کی صورت بنا کر سب کو جھلایا کرو۔ چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا۔

دعا عزاوری کی قرآن کا طرح لکاوٹ میں بھی تائید نہیں | رہی احادیث نبوی و کلام اللہ کے موافق اور کیوں نہ ہو
موافق آیت شریف وَتِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْقَدِيمِ شَيْءٌ جس کے یہ معنی ہیں کہ انار
ہم نے تجربہ پر کتاب جس میں سب چیز کا بیان ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں بھی تفصیل اجمال

کلام اللہ اور شرح مشکلات قرآن اور کچھ نہ ہوگا۔ ورنہ احادیث میں ہوائے کلام اللہ اگر اور بھی ایسے احکام ہوں جن کا کلام اللہ میں صراحت ذکر ہو نہ اشارتاً۔ تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی کہ کلام اللہ میں سب چیز کہاں ہے۔ سو بایں نظر کہ کلام اللہ میں صاف صاف صبر کی تاکیدیں اور اتفاق کی ممانعتیں ہیں۔ اور اس قسم کے خرافات کا احصاء ذکر نہیں جو حضرات شیعہ محرم و غیر محرم میں کرتے ہیں۔ تو اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ آثار میں جو ہوگا وہ اس کے موافق ہوگا مخالف نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس قسم کی واپسیات موافق آیت مطہرہ

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (پہ اعراف ۱۰۱) (جو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے)

سب ممنوع ہوں گے اور پھر موافق آیت۔
وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پہ بقرہ ۲۹) (سو وہی لوگ ہیں ظالم)

ان کاموں کے کرنے والے داخل زمرہ ظالمان ہوں گے۔
(بدعت کی تعریف اور امثلہ سے اس کی تفسیر) | ان اگر مثل خلفاء عباسیہ اور عباس خاندان کعبہ سیاہ پوشی موجب ثواب نہ سمجھتے ہیں بہت سے اہل شوق سیاہ، سبز، زرد وغیرہ الوان کے کپڑے پہنتے ہیں اور کچھ موجب ثواب نہیں سمجھتے تو یہ کام ممنوع نہ ہوتا۔ بالحد موافق آیات مذکورہ اور نیز موافق حدیث مشہورہ مذکورہ۔
مَنْ أُحْدِثَ فِي أَمْرٍ كَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَجُلٌ (بخاری ص ۲۹۱ مسلم ص ۲۲۱)
اور نیز موافق حدیث کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم ص ۲۱۱) (ہر بدعت گمراہی ہے) جو باقی کلام اللہ اور احادیث سے ثابت نہ ہوں پھر ان کچھ ضرورت شرعیہ ثواب سمجھ کر کرے تو وہ باقی سب منجملہ غائب ہوں گی باقی وہ کیا چیزیں ہیں جو بوجہ ضرورت شرعیہ باوجودیکہ کلام اللہ اور حدیث میں نہیں ہوتیں موجب ثواب ہوتیں ہیں۔ تفصیل تو ان کی ممکن نہیں ان کوئی ایک نظیرہ نظر ہو تو بغور سنئے۔

منجملہ ان کے توپ ہندوق وغیرہ سے جہاد کا کرنا۔ دین کی کتابوں کا تصنیف کرنا ہے یعنی یہ چیزیں ہر چند کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر ان کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب نسخہ میں دو تولہ شربت بنفشہ مثلاً لکھے اور بیمار کسی سے شربت بنفشہ کی ترکیب دریافت کر کے دو اینٹیں جمع کر کے مسخائی لائے چوں کہ اینٹ کے آگ جلانے تو انہیں پکاتے شربت بنفشہ بناتے ہر چند اتنے

بھیڑے کی نسبت نسخہ میں تصریح نہ تھی مگر بایں نظر کہ شریعت ہفتہ بے اس بھیکڑے کے حامل نہیں ہو سکتا،
 لہذا کرنا پڑے گا اور اس بھیکڑے کا کرنا امثال امیر طیب سمجھا جائے گا موجب خوشنودی طیب ہو گا۔
 سو بیسے طیب نسخہ میں فقط دو قولہ شریعت ہفتہ ہی لکھا تھا اور اس بھیکڑے کا اصلہ مذکور نہ تھا اور
 پھر بایں جہہ اس کا کرنا موجب ناخوشی نہیں بلکہ اگر شریعت ہفتہ تیار نہ ملے تو اس بھیکڑے کا نہ کرنا البتہ
 موجب ناخوشی ہو گا ایسا ہی تصنیف کتب اور آلات مذکور کی ہر چند کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں
 کہیں تصریح نہیں اپر بایں نظر کہ جہاد اور علم اس زمانہ میں دونوں پر موقوف ہیں تو ان کا کرنا موجب
 ناخوشی نہ ہو گا بلکہ نہ کرنا موجب نارضا مندی خداوند ذوالجلال اور رسول باکمال صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا۔

(پردخت کی حسی مثال) | ہاں اگر ایسی کمی بیشی ہو بیسے طیب لے دو دوا میں لکھیں تھیں۔ یہ اس میں
 اپنی ٹٹے سے ایک دو ٹپھاٹے یا گھٹاٹے یا اذان اور یہ میں اپنی ٹٹے سے کمی بیشی کر دے بیسے طیب
 ایسے تصرفات کا خوش ہوتا ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے تصرفات سے ناخوش ہوں گے
 ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرض خمسہ کو چار کر دیجئے یا چھ کر لیجئے یا اعداد رکعات میں تصرف کر کے دل
 دیجئے مگر چونکہ معمولات شیعوہ کا نہ کلام اللہ و حدیث میں کہیں یہ ہے نہ کوئی حکم احکام شرعیہ ضروریہ
 میں سے اس پر موقوف بلکہ معمولات مذکورہ کے باعث صیر جو احکام ضروریہ شرعیہ میں سے ہے ہاتھ سے
 جاتا رہتا ہے تو لاریب حسب ہدایت مثال مذکور سب موجب ناخوشی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گے۔
 اب سنئے کر بیسے کلام اللہ اور احادیث اہل سنت میں ان معمولات کا کہیں یہ نہیں احادیث
 اہل تشیع بھی ان کے بیان سے خالی ہیں اس لیے علماء شیعوہ جو سنتی بھی ہوتے ہیں ایسی باتوں سے احترازی
 کرتے ہیں اور اگر فرض کیجئے احادیث شیعوہ میں کہیں اس قسم کا مذکور بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ شیعوں
 کے نزدیک وہ حدیثیں معتبر بھی ہیں یا نہیں۔ ان حدیثوں میں ہونا اہلسنت کے اعتراض کا دفع نہیں
 ہو سکتا شیعوں کی معتبر حدیثوں کو بھی اہلسنت معتبر نہیں سمجھتے جو ان میں ہونا ان کے لیے حجت ہو۔ ہاں
 اگر حضرت سائل یہ پوچھیں خانہ کعبہ اور سیر پوشی خلفاء عباسیہ پر قیاس فرما کر اہل سنت پر الزام نہ رکھتے
 اور قصد اثبات سیر پوشی قواعد اہل سنت سے ذکر نہ کر کے تو خیر یہی کہتے کہ وہ بائیں اور ان کا کام جانے
 مگر سقم تو یہ ہے کہ بے وجہ اہل سنت کے جھگڑے کرتے ہیں مصرع مشور ہے ع
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلواریں بھی نہیں

(لباس خلفا پر عباسیہ سے سیہ پوشی | اب گزارش دیکھ رہے ہیں کہ لباس خلفا عباسیہ اگر بوجہ ہم دار کا
 پر اسد لال صحیح نہیں) حضرت سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ القیاس استرخانہ کعبہ بخرمن
 مذکور سیاہ مقرر ہوا تب تو خلفا عباسیہ کی وارثیت اور اہلسنت کی فریاد نہ کیجئے اور اگر بوجہ عزا داری حضرت
 سید الشہداء رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ بوجہ زیب و نہایت و انکسش ہے تو آپ کو کیا زیبا ہے کہ ایسے
 غم میں یہ پوشی۔ پھر وہ بھی باقتدار خلفا عباسیہ جس سے ائمہ اہل بیتؑ نے کیا کیا رنج اٹھائے
 اور کیا کیا داغ کھائے اور کوئی اور وجہ ہے تو پہلے اس کی تعیین فرمائیے پھر قیاس و روایتے مگر دل
 میں تو آپ ہی جانتے ہیں کہ یہ لباس خلفا عباسیہ نے بوجہ انکسش اختیار کیا تھا کوئی صدمہ باعث
 سیہ پوشی نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس خانہ کعبہ کا خلافت کسی تعزیر میں سیاہ نہیں ہوگی انکسش خانہ کعبہ مقصود
 ہے کوئی تعزیر مقصود نہیں۔ موشیعہ حضرات کو بھی اس واقعہ پر اظہار سرور ملاحظہ ہو گا جو لباس زینت
 اختیار کیا۔ اور شاید کیوں کہئے یقینی کیئے۔ تاشہ اسرفہ و باجاء طبلہ و حصول انصیری و روشنی اگانا بجانا۔
 کون سی بات شادی کی چھوڑ دی۔ فقط ایک آنکھوں کو متحرک لگا کر زور سے چلانا اور سینہ پر ہاتھ مار کر
 محفل کو سر پر اٹھانا غم میں شمار کر لیجئے یا بھانڈوں کا تاشہ قرار دے لیجئے۔ مگر غم کا کوئی سامان ہی نہیں۔
 ہے تو شادی ہی کا سامان ہے۔ سو جیسے بوجہ شہادت سامان عیش و نشاط وقت شادی بھانڈوں
 کی کسی مصیبت کی نقل میں چسپنے کو غم پر کوئی محمول نہیں کرتا یہاں بھی وہی سارا سامان موجود ہے۔ غم نہ
 سمجھے شادی شیعہ سمجھے۔

(شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں) | اور کوئی نہ سمجھے۔ شیعوں کی اصل کو ٹھیلے تو ان کے پیشوا
 وہی ہیں۔ جنہوں نے اول حضرت سید الشہداء (کرہم اللہ) رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر دفعتاً کرعبید اللہ بن زیاد
 کے ساتھ ہو کر حضرت کو قتل کروایا۔ سو ان کو اور ان کی امت کو خوشی نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ اور اسے بھی
 ایک طرف رکھیے۔ ہم پوچھتے ہیں حضرت سید الشہداء کا اظہار غم ہی چاہیے۔ مثل اہلسنت صبر کر کے اس غم میں
 دل کو نہ جلایئے۔ پر یہ تو بتائیے کہ یہ قاعدہ اظہار غم کا کہاں سے اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے مثل قواعد دین اس
 کے لئے کوئی قاعدہ نہیں بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں فرمایا۔ بجز اس کے کہ نصائی
 سے یہ بات اڑائی ہو اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ نصراہنوں میں اظہار غم کے لئے اس قسم کے احکام صادر نہ کئے
 ہیں۔ مگر اہل دانش جانتے ہوں گے کہ میور صاحب کے ماتے جبانے میں جو حکم سیہ پوشی ہر عام خلص

کو ہوا تھا تو ان کے دل میں اس بات سے غم نہیں گھس گیا تھا بلکہ فقط ایک اتفاق ہی اتفاق تھا خیر
تو بھی جانتے ہیں کہ ان باتوں سے دل میں غم نہیں آجاتا۔

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؑ کی | اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ جو رسول اللہ
مشاہدت اور دو گمراہ فرقوں کا ظہور) | صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو فرمایا تھا کہ مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام و علی بن ابی الصلوٰۃ والسلام ایک قوم تمہاری محبت میں ہلاک
ہوگی اور ایک قوم تمہاری عداوت میں زندہ رہے گا اور افسوس و غوارج نے سچ کہ دکھایا یہی اگر غوارج ملے وہ بارہ
عداوت حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہودی پیروی اختیار کی تھی۔ حضرات شیعہ و بارہ افراط محبت نصاری
کے قدم لقمہ چلے۔ نصیر یہ بنے تو صاف صاف حضرت امیرؑ کی خدائی کا اقرار کیا۔ اور اثنا عشر پنے
کو اس طرح بلے پر وہ اقرار نہ کیا پر بوجہ اثبات علم غیب وغیرہ پر وہ میں خدائی کا اقرار کیا۔ کیونکہ
علم غیب بشادت کلام اللہ چنانچہ مذکور ہو چکا خدائی کو ایسی طرح لازم ہیں جیسے آفتاب کو دھوپ۔
سو جیسے دھوپ سور آفتاب اور کسی چیز میں نہیں آئے ہی علم غیب سوائے خداوند علیم کسی اور میں نہ
سمجھنا چاہیے اور کوئی سمجھے تو یوں سمجھ کر یہ شخص اس کو خدا سمجھتا ہے۔

(شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؑ سے محبت عیسائی فرقہ | نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سواں پر چڑھنے
کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کے مشابہ ہے) | کو اپنے گناہوں کے لیے کفارہ سمجھتے ہیں۔

حضرات شیعہ حضرت سید الشہداءؑ کے خون کا خون بہا شیعوں کی مغفرت خیال کرتے ہیں اور ان کے
یہاں حضرت مسیحؑ کی حاضری ہوتی ہے۔ جس میں نان و شراب کو بلفظ گوشت و خون مسیح علیہ السلام
تغیر کر کے نوش کرتے ہیں۔ یہاں باحتمال اختلاط خون سید الشہداءؑ کا کر ملا کو پانی شربت میں مخلوط
کر حضرت کا خون پیتے ہیں اور کیوں نہ ہیں حضرت کے خون کے پیاسے ہیں۔ علیؑ خدا تعالیٰ کے
اور چال وصال کو خیال کیجئے تو بالکل وہی نسبت ہے جو کہا کرتے ہیں یہ سنگ دربار شحال۔

فرصت نہیں در نہ میں ہی تفصیل کر دیتا۔ ایک اظہار غم کے لیے سیہ پوشی رہ گئی تھی سو وہ بھی امام
ہمام رضی اللہ عنہ کے غم کے بہانہ کہ دکھائی۔

(جلال الدین سیوطیؒ پر طعن کا جواب) | بایں جہرہ تو فرمائیے کہ امام جلال الدینؒ پر یہ اعتراض تو کیا
پر نشان کتاب کیوں نہ بتایا۔ مصرعہ۔ انکار ہے صاف اس تیرے اقرار سے ظاہر۔

اور ہم کہتے ہیں کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کے لیے فتویٰ سید پوشی ہی دیا پر یہ فرماتے مثل
سید پوشی محرم موجب ثواب تو نہیں فرمایا جو آپ کو گناہ قیاس ہو۔ اس کے سوا آپ نے جو بھانپتے ہوئے
اور ایک پشتنگ مارا اور یہ فرمایا کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کو اولوالامر قرار دیا۔ اس کی کیا تائید
یعنی اگر اعتقاد باعتراف ظاہر لیتے ہو تو اس میں کچھ کلام ہی نہیں آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ خلیفہ تھے۔ آپ نے
سوال ہی میں ان کو بقلب خلفاء عباسیہ یاد کیا ہے پھر ام جلال الدین نے اگر ان کو اولی الامر کہہ دیا
تو کیا گناہ ہے اور اگر باعتبار وجہ استحقاق لیجئے۔ اعلیٰ، قریشیت، صلاحیت فتویٰ وغیرہ جن کی
فراہمگی سے خلیفہ وقت، خلیفہ راشد کہلاتا ہے۔ تو اس کو آپ بھی جانتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت
میں سے کوئی بھی ان کو خلیفہ راشد نہیں کہتا بلکہ اکثروں کو ملوک جبارین سے سمجھتے ہیں خلفاء راشدین
پوسے پوسے قرآن کے نزدیک پانچ ہی ہیں چار بار (جن کی خلافت موعودہ علیٰ منہاج النبوة کہتی) اور
ایک امام حسن رضی اللہ عنہم مگر ان کے خلیفہ راشد ہونے اور اوروں کے نہ ہونے کے یہ معنی نہیں
کہ اور سب ظالم ہی تھے اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیوہ کہتے ہیں کہ ولی حضرت امیر ہی ہیں۔ مگر
اس کے یہ معنی نہیں کہ گیارہ امام باقی نعوذ باللہ گنہگار ہیں۔ رہا خلفاء عباسیہ کا مصداق۔
اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاولی الامر حکم مانو اللہ اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم

میں سے بچاؤ۔

مِنْكُمْ (بِشَاءِ ۸۵)

کا مصداق ہو کر واجب الطاعت ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا مقرر کرنا بایں غرض کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرے یعنی ضروریات دین کو جاری کرے اور بدعات اور سنیات اور کفریات کو مٹائے چنانچہ حفظ اولوالا امر بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ سو اگر وہ اقامت دین قائم کرے تب اس کی اطاعت کرے ورنہ گناہ کے مقدمہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ بالجلد جب وہ کار مذکور ذکرے تب وہ اولی الامر ہی نہیں اگر بالکل برعکس کرتا ہے تو بالکل نہیں۔ اور اگر کسی قدر وہ اقامت دین بھی کرتا ہے تو اسی قدر وہ اولوالا امر بھی ہے اتنی ہی باتوں میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ اقامت دین نہ کرے تو کیا کیجئے اگر صبر و تحمل اپنے اندر نظر آئے تو مثل سید الشہداء رضی اللہ عنہ اپنی جان پر کھیل جائے۔ ورنہ مثل دیگر اندر صبر کرے اور چوں و چرا نہ کرے۔

اس کے بعد کچھ ارشاد ہے اس کی تشبیہ میں حیران ہوں۔ بواسیر خرکیسے یا گوز شتر لکھتے ہر حال اس میں تو آپ نے اسی عورت کا کام کیا ہے جو آپ گوز مار کر اوروں کے ذمہ لگایا کرتی تھی۔ خیر اس سے تو شاید آپ بڑا مانیں گوز بڑا ماننے کا موقع نہیں بدایت آپ کی طرف سے ہے اور یہ سنا ہی ہو گا۔ ”کلوخ انداز را پاداش سنگ است مگر پھر ہم در گذر کرتے ہیں اور دوسرا شعر آپ کی محراب میں نقل کرتے ہیں۔ ۷

کا زلفت تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت راستہ بر آہوئے چین بستہ اند
(فقہ جعفریہ کے فحش مسائل) | مخدوم من ایسے کیوں بھولے بن گئے ہو۔ زلفت حریر کے مسئلے کی شہرت تو شرق سے غرب تک پہنچ گئی۔ سنیوں سے تو تب چھپراٹھانی تھی جب مذہب شیعہ پر تہم کر لیتے اور ہماری طرف سے پیشش باد سن لیتے۔ مگر آپ نے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا حضور مرنا بھی ہے اس طوفان بے تمیزی کے لچھن بھی دیکھنے میں ہمیں پر تہمت لگائیں پھر ہمیں سے آنکھیں ملائیں یہ چہ دلاور است دزدے کہ بھٹ چراغ دارد

بحر الرائق مثل کتب شیعہ نادر الوجود نہیں۔ کہیں اول سے آخر تک یہ بات نکل آئے کہ اس قسم کے افعال (مذکور در سوال گمشدہ) جائز ہیں تو ہم آپ کو سلام کر جائیں۔ ہاں اہل فقہ ہر قسم کے احتمالات لکھ کر ان کے احکام لکھ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً شیعوں کے یہاں روزہ میں اگر کوئی شخص اپنی ماں کا بوسہ لے لے تو اس کے ذمہ کفارہ نہیں آتا۔ یا بیٹی سے زنا کرے اور حضرت ائمہ سے اعتقاد باقی ہے تو کافر نہیں ہو جاتا۔ سو جیسے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹی سے زنا اور ماں کا بوسہ لینا جائز ہے ایسے ہی اگر کسی سنی نے ایسی ہی (صورت فرض کر کے) کوئی بابت لکھ دی تو اس سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اہل سنت و جماعت اور شیعہ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ روزہ رکھنا ناقض نماز نہیں اور نماز کا نہ پڑھنا ناقض صوم نہیں۔ مگر اہل فہم کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ روزہ کا نہ رکھنا اور نماز کا نہ پڑھنا جائز ہے۔ ہاں شیعوں کے فہم میں اگر ایسی عبارات سے ایسے معنی سمجھ میں آجائیں تو کیا بعید ہے کہ انہیں اللہ نے فہم نہیں دیا۔ مگر انہیں فہم نہیں تو ہماری بھی ان سے کلام نہیں اہل فہم سے کلام ہے بالجملہ حضرات شیعہ کی قدیمی عادات ہے کہ اپنا عیب دوسروں کے ذریعے لگاتے ہیں۔ ۸

خدا کہ کرد و سزا میدہی کرا جاناں۔

یہ مزید فہم و فراست شاید اِغلامِ زمان سے ہی میسر آیا ہے جیسا کہ اس فہم میں سارے جہان سے ممتاز ہیں یہ چیز اور سبک یہاں حرام ہے ہاں حضرات شیعہ البتہ اس دولت بے زوال سے کامیاب ہیں یہ عقل اور یہ مضامین وہیں سے نکالے ہوں گے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے دین میں یہ بات کبھی جائز نہیں ہوئی۔ جو لوگ پابند دین نہیں اپنے کسی آئین کے پابند ہیں ان میں سے کسی نے آج تک یہ بات تجویز نہیں فرمائی۔ ہاں علماء شیعہ نے زنا منکوحہ اور باندی سے اِغلام کرنا حلال طیب رکھا ہے چنانچہ ”ارشاد“ میں علامہ حلی ارشاد فرماتے ہیں۔

والوطی فی الدبر کالوطی فی القبل (اور دُبر (جائے براز) میں جماع کرنا اسی طرح جیسے قبل
فی جمیع الاحکام حتی فی تعلق (جائے پیشاب) میں جماع کرنا۔ تمام احکام میں حتی کہ
النسب۔ (بچہ) ثابت ہوتے ہیں بھی)

جس کے (عند الشیعہ) یہ معنی ہیں کہ اِغلام کلام اللہ میں تبصریح مذکور ہے (معاذ اللہ۔ کیونکہ نسائ
کُمُ حَرِّثَ لَکُمُ جس کے کھلے ہوئے یہ معنی ہیں کہ تمہاری عورتیں تمہارے کھیت ہیں اور سب

لہ و طی فی الدبر یعنی عورت سے اِغلام عند الشیعہ جائز ہونے کے اس کے علاوہ بھی دوسری متعدد معتبر
کتب شیعہ سے ثبوت موجود ہیں۔ شیعہ کی مشہور کتاب استبصار میں تو ایک مستقل باب بھی اس سلسلے میں موجود
ہے۔ ”باب اتیان النساء فی ما دون الفرج“ اور پھر اس باب کے نیچے مختلف سندوں کے ساتھ متعدد روایات
جمع کی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ عن عبد اللہ بن ابی یعفور قال سألت
ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل
یاتی المرأة فی دبرها قال لا بأس اذا رضیت
(استبصار ص ۲۴۲ و تہذیب الاحکام ص ۱۴۱)

عبد اللہ بن ابی یعفور کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق
سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو عورت سے
اس کی جائے براز میں وطی کرتا ہے منکر یا واجب
وہ راضی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

۲۔ عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام عن
اتیان الرجل المرأة من خلفها فی دبرها
ابوالحسن رضا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا جو آدمی
عورت کے ساتھ جائے براز میں وطی کرے تو انہوں
(باقی مآشیہ ص ۲۹۲ پر)

جانتے ہیں کہ کھیت بغرض زراعت ہوتا ہے سو وہ زراعت جو اس کھیت سے مقصود ہے اور وہ پیداوار اس زمین میں ہوتی ہے یہی اولاد ہے جو بطریق محمود ہے عورت کی مباشرت سے مقصود ہے۔ اعلیٰ سے متصور نہیں ہاں کوئی افسون یا طلسم (جادو) حضرات شیعوہ کے پاس شاید ایسا ہو مثل بازی گروں کے کہیں ڈالیں اور کہیں سے نکالیں۔ شعر

نہیں میں خون سے مرگان تر یہ خار و لہشیں نکلے جنوں یہ نیست کیسی کہیں ڈوبے کہیں نکلے
قربان جیسے اس مذہب کے جس میں دنیا میں یہ عیش و نشاط، اور آخرت میں وہ درجات۔ اور بھی کچھ نہ ہو تو اس مذہب کی افضلیت کے لیے متو کے فضائل اور حرموں اور اہمات الاولاد کی بغرض صحبت و اعلیٰ عاریت دینے کے ثواب اور درجات اور اعلیٰ کا جواز کافی ہے۔ سبحان اللہ اہل سنت پر آوازہ پھینکتے ہیں اور اپنے آپ کو نہیں دیکھتے مگر یوں کہتے کہ اس اسرار کی برکات کی اہل سنت کو خبر نہیں۔ شعر۔

مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بے خبر لذت شراب ملیم ما
اب فرمائیے کہ لذت کی باتوں کو خدا و رسول کے نام پر لگا کر شیعوں نے دین آئین بنا رکھا ہے

بقیہ حاشیہ

فقال احلتها آية من كتاب الله تعالى
قول لوط عليه السلام (هوذا بناتي هن
لهم لكم) (استبصار ص ۲۴۲ و تہذیب الاحکام ص ۱۵)
۳۔ عن صفوان يقول قلت للرضا عليه السلام
ان رجلاً من موالیک امرنی ان اسألك عن
مسئلة فهابک واستمایا منک ان یسألك قال
ما هی قال قلت للرجل ان یاتی امرأته فی
دبرها قال نعم ذلک له۔

نے فرمایا کہ اس کو تو قرآن پاک کی آیت دیکھ میری بیٹیاں
میں تمہارے لیے حلال ہیں (نے حلال کیا جو لوط علیہ السلام
کا قول ہے۔
صفوان کہتے ہیں میں نے ابوالحسن رضا علیہ السلام سے
کہا آپ کے موالی میں سے ایک آدمی نے مجھے آپ سے
ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے کہا ہے وہ خود آپ سے پوچھنے سے شرماتا اور ڈرتا
ہے اسوں نے کہا وہ کیا ہے تو صفوان کہتے ہیں میں نے کہا۔
وہ آدمی جو اپنی بیوی سے اس کی دبر میں دھکی کرے تو اسوں
نے کہا ہاں یہ اس کے لیے درست ہے۔ ۱۲۔ محمد اشرف۔

یا اہل سنت نے؟

اب لازم یوں ہے کہ بس کچھ مگر یوں عرض کرتے کہ ایسی باتوں کا سننا (سننا شیعہ)
میں پر موافق جو اُسَیَّةَ سَیِّئَةٍ مِّثْلُہَا کے ہم کو بھی دوسرے (لجہ) میں جواب دینا پڑا۔
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ اور
صحبت محمود کے احکام سارے ایک ہی یہاں تک کہ مثبت نسب بھی ہے کیا مزے کی بات
ہے۔ کتاب (ارشاد) سے اعلان کرنا جائز تھا وہ کیا انہوں ہو گا۔ جس سے بچ بھی دُبر کی راہ سے
آجائے۔ بہر حال حضرات شیعہ کے مذہب میں بڑا لطف ہے کہ متعہ تھا ہی اعلان بھی ہے۔
وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَخَلَفَائِهِ
وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَجَمِيعِ أُمَّتِهِ أَجْمَعِينَ۔

